سلسلۂ کلماتِ طیبات (۲)

تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر

از افاضات

فخر الاماثل حضرت الحاج مولانا القاری محمد طیب صاحب مدظلہ

مہتمم دار العلوم دیوبند

ناشر

"ادارۂ تاج المعارف" دیوبند یو۔پی

طبع اول .... ایک ہزار

اگست ۱۹۴۹ء

قیمت .... چار روپے
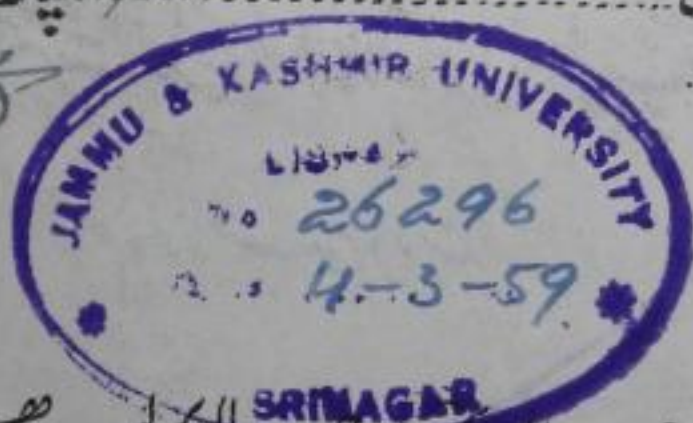
باہتمام محمد سالم قاسمی جمال پریس دھلی میں

چھپ کر ادارہ تاج المعارف دیوبند سے

شائع ہوئی

تقریب

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگری، انجمنے ساختہ اند

مسلمانوں کی تیرہ سو سالہ زندگی کی طویل تاریخ کے اکثر حصّے اس حقیقت کے گواہ ہیں کہ اس قوم نے دنیا کی دارائی و فرمانروائی کے زریں عہد میں اپنے تمام منصبی فرائض کو بحسن اسلوب ادا کیا۔ انہوں نے نہ صرف انسانی عقائد و اعمال کی ہی اصلاح کی بلکہ خالق و مخلوق کے اُس مابینی تعلق کو جو ایک عرصہ سے کفر و شرک کی رخنہ اندازیوں سے مٹ سا گیا تھا ہموار کیا۔ پھر یہی نہیں بلکہ تہذیب و تمدن کے بجھے ہوئے چراغ کو از سرِ نو روشن کیا۔ عدل و انصاف، اور احسان و مروّت کے شریفانہ جذبات کو روزانہ کے واقعات کی شکل دی۔ زندگی کا نیا قانون بنایا۔ انسانوں کو آوارہ و بیکسی اور بے مقصد زندگی گذارنے کی بُری عادت سے محفوظ کیا۔ حکمت و بصیرت کے دروازے بلا تخصیص ہر شخص کے لئے کھولدیئے۔ امن و عافیت کی پائدار لذتیں اپنوں اور بیگانوں کے لئے وقف کر دیں۔ خوش حالی اور فراغ قلب کی کل نعمتیں عرب سے تا عجم بغیر کسی ادنیٰ امتیاز کے تقسیم کر دیں۔ اور انسانی آبادی کے ایک بہت بڑے حصّے کو بہترین زندگی ودیعت کی۔ پھر تمدن میں تعمیرات کا ایک نیا ڈھنگ ایجاد کیا۔ پُر شکوہ و باوقار عمارتوں کی رنگا رنگی سے دنیا کو یکسر گل و گلزار بنا کر رکھدیا

زراعت و باغبانی کے نئے وسائل تلاش کئے۔ خوبصورت باغوں اور صحت افزا گلستانوں سے ہر ہر شہر کو تمدن کی جیتی جاگتی تصویر بنا دیا۔ فنِ طب نے براہِ راحت ان سے ترقی پائی دوا سازی کی صنعت ان سے چمکی اور علم تو اسلام کے بنیادی مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جہالت و بے علمی تمام فضائل انسانیت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتے ہیں۔ انسانی زندگی کی ہر بے ترتیبی و بے راہ روی، بد عملی، بدکاری اور بے تہذیبی و ناشائستگی کی پیدائش کا تمامتر انحصار جہالت پر ہی ہے۔ جس کی بیخ کنی بھی اسلام کے اولین مقاصد میں سے ایک مقصد ہے۔ چنانچہ تاریخ کا ہر طالب علم اس کا گواہ ہے کہ جس وقت معلم انسانیت روحی لہ الفدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایمان آفریں آوازۂ وحدانیت نے بُت و بتکدہ کی جانِ ناتواں کو حیران و پریشان کر دیا تھا ٹھیک اسی وقت مکہ اور مدینہ کے گھر گھر میں علم کا چرچا اور طلب علم کا ولولہ عام تھا۔ ہر صحابی اور صحابیہ رات کی تنہائیوں اور دن کی مصروفیتوں میں تعلیم و تعلم کے لئے وقف تھے۔ اور اس دولت کے عام کر دینے کا سودا ہر سر میں سمایا ہوا تھا۔ پس جس حیرت انگیز سرعت کیساتھ اسلام نے قبول عام حاصل کیا اسی برق رفتاری کے ساتھ شمع علم بھی تاریک سینوں کو منور کرتی چلی گئی۔ مدرسے کھلنے شروع ہوئے۔ درسگاہیں بننے لگیں۔ قدر افزائی علماء اور ہمدردی طلباء کا جذبہ عام طور پر پیدا ہو گیا۔ سلاطین نے درسگاہوں کی تعمیر اور طلباء کے راحت و آرام کے لئے اپنے خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ تعلیمی اداروں کو خاطر خواہ مدد دی۔ تعلیم گاہوں کو محلات شاہی کی طرح

منقش و زرنگار بنا کر رکھ دیا۔ تصنیف و تالیف کا سلسلہ عام ہو گیا۔ ترجمہ کا رواج ہوا جس سے علوم و افکار کی بڑی بڑی دولتیں دوسری زبانوں سے عربی و فارسی میں منتقل ہوئیں۔ نو مطبوع کتابوں کے ڈھیر لگ گئے۔ تصانیف و تراجم کا انبار جمع ہو گیا۔ اور اس دعوے کا ایک ادنیٰ ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ فتنۂ تتار کے وقت جب چنگیز و ہلاکو کی بے رحم اولاد نے عروس البلاد بغداد کی اینٹ سے اینٹ بجائی اور اس حسین شہر کو تاراج کیا تو مسلمانوں کا صدیوں کا جمع کردہ کتب خانہ بھی تلف کر ڈالا۔ اور تمام قیمتی لائبریریوں کو بھی ضائع کیا۔ جن کی راکھ جب دریائے دجلہ میں بہائی گئی تو ہفتوں اس دریا کا پانی سیاہ رہا۔ گویا دریائے دجلہ مسلمانوں کے اس بے پناہ اور ناقابل تلافی علمی نقصان پر ہفتوں سیاہ لباس میں ملبوس ماتم کناں رہا۔

مسلمانوں نے اشاعتِ علم کے سلسلے میں جو زبردست خدمات انجام دی ہیں اس وقت ان کی تفصیلات ہمیں سامنے لانا مقصود نہیں۔ نیز ایسے ہی ان کی تصنیفی و تحقیقی جدوجہد کا ذکر بھی اس وقت ہمارے موضوع سے خارج ہے لیکن بالاجمال ہم اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ جس وقت انسان یورپ و افریقہ کے برّاعظموں میں جہالت و بے علمی کی تاریک ترین وادیوں میں بھٹک رہا تھا اور وہ تہذیب و علم سے اتنا ہی بعید تھا جتنا ایک غیر ناطق حیوان کو ہونا چاہیئے ٹھیک اسی وقت ایشیا کے اسلام کے زیرنگیں خطوں میں مسلمان علم کے قدردان، سرپرست، گرویدہ، اور علمی دولتوں کے سب سے بڑے

سرمایہ دار تھے۔

اپنے اپنے وقت پر مسلمانوں کی یہ علم دوستی کی ساری حقیقتیں صحیح، تمام واقعات درست، اور تاریخ کی روشنی میں اقوام و ملل عالم کے سامنے سر اُٹھانے کے لئے یہ ساری سچی داستانیں بجا؟ لیکن دورِ حاضر کے مسلمانوں میں عمومی اور ہمہ گیر جہالت اور علمی مساعی کی رفتار نہایت مضمحل ہے۔ آج اُنہیں اپنے اسلاف کے زرین اور تاریخی کارناموں سے سچ پوچھئے تو استشہاد بھی نہیں سجتا

فضل و ہنر بڑوں کے گر تم میں ہُوں تو جانیں

اور یہ نہ ہوں تو باباوہ سب کہانیاں ہیں

آج کی آوارہ و برباد ملت کو دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ علم دوستی و علم نوازی کی یہ داستانیں اسی قوم کے آباء و اجداد سے تعلق رکھتی ہیں کیونکہ آج دنیا میں کیفاً و کماً اگر کوئی بے علم اور جہالت زدہ ہے اور اپنی اس جہالت و جاہلانہ عقائد و افکار پر سب سے زیادہ مطمئن ہے تو صرف مسلمان ہے۔

سزاوار صد تحسین ہیں وہ حضرات کہ جو اس سرد مہری اور بے شوقی و بد ذوقی کے دور میں اپنی علمی تصنیفی اور تحقیقی خدمات سے اسلام کی ان شاندار روایات کو زندہ و باقی رکھنے کا ارادہ فرما چکے ہیں۔ اور قابل تعریف ہیں وہ ادارے جو وقت کی نامساعدت اور فضاء کی ناسازگاری کے باوجود مفید اور تعمیری لٹریچر پیش کر کے مسلمانوں کو علم و تہذیب سے مالا مال کر دینا چاہتے ہیں۔

ہم اس سلسلہ میں فخر الاماثل حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ مہتمم دار العلوم دیوبند و سرپرست ادارۂ تاج المعارف" کے بے حد سپاس گذار

ہیں کہ آپ نے "ادارہ تاج المعارف" کی استدعا پر "فطری حکومت" کے مختصر مسودے کو انتہائی جانفشانی و عرقریزی سے ڈیڑھ ماہ کی مختصر ترین مدت میں تصنیفی شکل دے کر مسودہ ادارے کے سپرد فرمایا۔ اور ادارہ ایک سعادت سمجھتے ہوئے اس عطیۂ گرانبہا کو ملک و ملت کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔

حضرت سرپرست مدظلہ العالی کی مختلف وسیع المنفعۃ تصانیف مختلف علمی اداروں اور کتب خانوں سے شائع ہو کر قبول عام حاصل کر چکی ہیں۔ جن کی تخمینی تعداد اٹھارہ ۱۸ اُنیس ۱۹ تک ہے۔ تصنیف و تالیف حضرت ممدوح کا ایک فطری ذوق ہے جو انتہائی مصروفیتوں اور دار العلوم جیسے عظیم الشان ادارے کی ذمہ داریوں کے باوجود بھی آج تک جاری ہے۔

آں محترم کے تبلیغی سفروں اور مواعظ و تقاریر کا پورے سال ایک غیر منقطع سلسلہ رہتا ہے۔ جس میں طویل طویل سفروں کی صعوبات کو آپ بخندہ پیشانی برداشت فرماتے ہیں۔ لاکھوں بندگانِ خدا ہر سال آپ کے کلمات طیبات سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ غیر منقسم ہندوستان کا شاید ہی کوئی گوشہ ایسا باقی رہا ہو جہاں آپ تبلیغ دین کے سلسلہ میں سفر نہ فرما چکے ہوں۔

دار العلوم میں غیر متناہی انتظامی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کا سلسلہ بھی ہمیشہ جاری رہتا ہے۔

ان حالات میں حضرت ممدوح کے لئے کسی نئے ادارہ کی سرپرستی اور اُس کی علمی خدمات کی نگرانی کے لئے وقت نکالنا بے حد دشوار ہے لیکن

حضرت موصوف کے شوقِ عمل اور انتھک جذبہ کار پر اعتماد کر کے اراکین ادارۂ تاج المعارف نے ادائیے کی سرپرستی فرمانے کیلئے درخواست پیش کرنے کی جسارت کی۔ جسے کثرت کار و ہجوم افکار کے باوجود منظور فرمالیا گیا۔

فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

حضرت سرپرست مدظلہ عصرِ حاضر میں ایک یگانہ حیثیت کے مالک ہیں آپ کو اگر ایک طرف استاذ العلماء حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ سے شرف بیعت علامۂ جلیل مولانا سید محمد انور شاہ الکشمیری رحمہ اللہ اور فخر العلماء حضرت مولانا حبیب الرحمان صاحب عثمانی رحمہ اللہ (سابق مہتمم دار العلوم) اور وقت کے دیگر مشاہیر سے علمی استفادہ کا موقع ملا تو دوسری طرف حکیم الامۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی بارگاہ سے آپکو روحانی دولتیں اور منصب خلافت میسر آیا۔ ان حضرات کرام کے فیوض اور خود اپنی خداداد صلاحیتوں نے حضرت موصوف کی شخصیت میں علم وفضل باطنی کمالات، ملکۂ تحریر و تقریر، بلندیٔ فکر دور اندیشی، زبردست تعمیری ملکات کے جو جوہر جمع کر دیئے ہیں وہ مشاہیر واکابرین میں بہت کم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں۔ آج ملک کا کوئی گوشہ ایسا نہیں کہ جو حضرت موصوف کی تحریر اور تقریر سے مستفید نہ ہو رہا ہو۔ بلاشبہ عہد حاضر میں حضرت موصوف مدظلہ کی شخصیت دین کی اہم ترین ضروریات اور مسلمانوں کے دینی حوائج کیلئے ایک ذریعۂ غیبی بنی ہوئی ہے۔

ہم اس وقت حضرت موصوف مدظلہٗ کی جس لطیف تصنیف (فطری حکومت) کو ملک کے سامنے لانے کا شرف حاصل کر رہے ہیں وہ انہی تمام خصوصیات

کی مظہر ہے جس کا اندازہ ناظرین کو کتاب کے مطالعہ سے ہوگا۔
ادارۂ تاج المعارف کا مقصد و موضوع ہی یہ ہے کہ حضرت موصوف مدظلہ کی تالیفات اور بالخصوص حضرت حجتہ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نور اللہ مرقدہٗ بانیٔ دار العلوم کی تصانیف و علوم کو امکانی تسہیل اور تشریح کے ساتھ نیز دیگر علماءِ اسلام کے تصنیفی جواہر پاروں کو دیدہ زیب شکل میں طبع کرے اور انھیں گھر گھر پھیلا دے۔ اور امت کے جہالت زدہ طبقے کو آج جس فکر صحیح کی ضرورت ہے اس کی طرف بساط کے موافق نشاندھی کی کوشش کرے۔
ادارۂ تاج المعارف کیلئے یہ ظاہر کرنے میں سعادت ہے کہ اس کی جانب سے وقتاً فوقتاً تبلیغی لٹریچر شائع کر کے مفت تقسیم کیا جائے گا جس کی پہلی کڑی سلسلۂ کلمات طیبات نمبر ا مصنفہ حضرت مہتمم صاحب سرپرست مدظلہ ادارہ طبع کرا چکا ہے۔
ملک کے عام حالات کے پیش نظر ایسے ٹھوس کام اور غیر تجارتی کار خدمت کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لینا کوئی آسان کام نہ تھا لیکن یہ بھی قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ اس نے ہمیشہ اپنے فضل و کرم سے کچھ دیوانے ایسے بھی پیدا کر دیئے ہیں جنھوں نے مشکلات کی پرواہ نہیں کی۔ راستہ کی تکالیف سے جو بے نیاز رہے۔ اسباب ظاہری کی محرومی پر جنہیں مایوسی نہیں ہوئی جنھیں کام کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آئی مگر انہوں نے دلی خلوص اور جذبۂ کار سے مجبور ہو کر خود کو ایسے تعمیری کام کے لئے تیار کر لیا۔ ادارۂ تاج المعارف کو کچھ ایسا ہی دیوانہ خیال کر لیجئے کہ قدم قدم پر مشکلات اس کے قدم کو روکتی ہیں اور ہر ہر منزل پر خطرات کا سامنا کرنا پڑتا ہے مگر اس نے سمجھا کہ کام کرنے کا صحیح

وقت یہی ہے اگر یاسی اور محرومی کے اس دور میں صحیح طور پر کسی تعمیر کی بنیاد نہ رکھدی گئی تو آنے والی نسلوں کے لئے اسلام کا کوئی صحیح تصور اور شعائر اسلام کا قابل اعتماد نقشہ باقی نہیں رہے گا۔ اس لئے ضروری ہے کہ حالات خواہ ساتھ دیں یا نہ دیں ہمارے پاس جو کچھ سرمایہ موجود ہے اسے مخلصانہ طور پر ملت کے سامنے رکھدیں اور حق تعالیٰ شانہ کی رحمت و مغفرت سے اُمید رکھیں کہ وہ ان ناچیز خدمات کو قبول فرماکر ملت کے حق میں انہیں فائدہ مند بنادینگے

واللہ الموفق وھو المستعان

(ادارہ)

فہرست مباحثِ فطری حکومت

نمبر شمار	اس فہرست میں ضمنی عنوانات شامل نہیں ہیں	صفحہ
۱	تقریب	
۲	افتتاحیہ	۱
۳	آسمانی بادشاہت کی ماہیت اور اسکے عناصر ترکیبی	۸
۴	آسمانی بادشاہت کے اجزاء ترکیبی کی تفصیلی نوعیت	۲۰
۵	آسمانی بادشاہت کی اندرونی حقیقت	۳۰
۶	آسمانی بادشاہت کے مظاہر شوکت و حشم	۳۴
۷	تجلی اور انعکاس کی خصوصیات	۴۱
۸	آسمانی بادشاہت کے اصول انتظام اور تدابیر ملکی	۹۰
۹	نظام مملکت کا اصولی نقشہ	۹۳
۱۰	آسمانی بادشاہت کا نصب العین	۹۹
۱۱	حکومت کی سرکاری پالیسی	۱۰۳
۱۲	حکومت کیلئے رجال کار کا انتخاب اور تقسیم عہدہ جات	۱۱۱
۱۳	آسمانی بادشاہت کی چار اہم وزارتیں	۱۱۷
۱۴	وزیر تعلیم کے کارکن اور ان کی حیثیت	۱۱۸
۱۵	وزیر غذا کے وسائل کار	۱۱۹
۱۶	وزارت زجر و سیاست	۱۲۱

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
۱۲۴	وزیر سیاست کے کارکن اور وسائل کار	۱۷
۱۳۱	وزارت تذکیر و اشاعت	۱۸
۱۳۲	وزیر تذکیر کے وسائل کار	۱۹
۱۳۸	وزارتوں کے ماتحت اہم شعبہ جات	۲۰
۱۴۳	عطایائے صلۂ و اعزاز	۲۱
۱۴۷	معاہدات سلطنت اور ان کی دفعات	۲۲
۱۵۶	آسمانی بادشاہت کی تربیت عامہ اور تصرفات ملوکی کا نقشہ	۲۳
۱۶۰	عالم خلق اور عالم امر	۲۴
۱۷۶	رعایا کی ضروریات زندگی کا انتظام اور مادی زندگی کی ضروریات	۲۵
۱۸۶	روحانی زندگی کی ضروریات	۲۶
۱۸۸	آسمانی بادشاہت کے نظام کا انتہائی مرحلہ اور سزا و جزا	۲۷
۱۹۷	آسمانی بادشاہت کے دستور اساسی کا خلاصہ	۲۸
؍؍	دستور حکومت کے پانچ اساسی رکن	۲۹
۱۹۹	واجبات رعیت کی دو جامع ترین نوعیں	۳۰
۲۰۱	آسمانی بادشاہت سے زمینی خلافۃ	۳۱
۲۰۲	آسمانی بادشاہت کے نقشہ پر زمینی خلافۃ	۳۲
۲۰۶	خلافۃ زمینی میں آسمانی بادشاہت کے اصول خمسہ کا نقشہ	۳۳
۲۰۸	خلافۃ میں واجبات رعیت کے اصول دوگانہ کا نقشہ	۳۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۵	خلافت سے شاہیت کا رد اور متعلقہ نتائج	۲۰۹
۳۶	امیر بہ پابندیٔ شوریٰ کے آثار لطیفہ	۲۱۳
۳۷	کمونزم کے مہلک نتائج	۲۳۴
۳۸	معاشی مسائل کا سیاسی حل صرف اسلام میں ہے	۲۳۶
۳۹	خلافۃ کی سرکاری پالیسی	۲۳۸
۴۰	خلافۃ نبوت	۲۴۵
۴۱	خلافت رحمت میں رحمت کی پالیسی کے آثار	۲۵۵
۴۲	آسمانی بادشاہت اور زمینی خلافۃ کے آثار کی یکسانی	۲۶۵
۴۳	خلاصۂ کلام	۲۷۱
۴۴	خلاصۂ بحث	۲۷۶
۴۵	مباحث کلام کا نچوڑ	۲۸۱
۴۶	تعارف ادارہ	۲۸۸

یہ کتاب
زیرنگرانی ادارہ رفیق الاشاعت دہلی چھپی ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فطری حکومت

تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیٍٔ قدیر الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً

افتتاحیہ

فطرۃ کے معنے | الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد۔ فطرۃ یا فطری اُمور وہی کہلاتے ہیں جن کی طرف طبیعتیں بلا کسی تحریک واکراہ کے خود بخود مائل اور اندرونی داعیہ سے اُنکی طرف دوڑتی ہوئی ہوں۔ اس کے برخلاف غیر فطری اُمور وہ کہلائینگے جو ضمیر کی آواز نہ ہوں اور کسی اندرونی داعیے سے سر اُبھارنے کے بجائے بیرونی محرکات۔ تغیر ماحول یا ناسازگار سوسائٹی سے اُن کا عارضی نشوونما ہو جائے۔ اور اس غلط ماحول میں بگڑی ہوئی طبیعتیں گردوپیش کے غیر شعوری دباؤ سے انہیں بعینہ اسی طرح پسند کرنے لگیں جیسے صفراء کا مریض ہر تلخ اور کڑوی چیز کو شیریں کے مقابلہ میں پسند کرنے لگتا ہے۔ مگر جوں ہی یہ عوارض مرتفع ہوں طبیعت پھر اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آئے۔ اور ان خلاف اصل اُمور سے کنارہ کش ہو کر اصلیت ہی پر آ گرے۔ پس فطرۃ یا فطری اُمور کے معنے اصلیت اور اصلیت کے

تقاضا کردہ اُمور کے ہیں جن کی طرف رغبت ومیلان اصل طبیعت میں خمیر شدہ ہو جن کی پیاس اندر سے اُبھرتی ہو اور جن سے بے رغبتی اصلی نہ ہو بلکہ عارضی ہو جو عوارض کے جاتے رہنے سے خود بخود جاتی رہے۔

فطرۃ کی چند مثالیں

مثلاً صحت وتندرستی انسان میں اصل ہے جو فطرۃً محبوب ہے اور مرض خلاف اصل ایک عارضہ ہے جو ہنگامی عوارض ومحرکات سے پیدا ہو جاتا ہے اور طبعاً غیر محبوب ہے۔ جوں ہی یہ عوارض جاتے رہتے ہیں اصل صحت عود کر آتی ہے۔ اسی لئے علاج تحصیل صحت کے لئے نہیں کیا جاتا بلکہ دفع مرض کے لئے کیا جاتا ہے۔ مرض جاتے ہی اصلیت یعنی صحت بلا کسی محرک کے خود بخود لوٹ آتی ہے۔

یا مثلاً حیوانات میں اصل چیز حس وحرکت ہے۔ شل ہونا پڑا رہنا یا جمود اصل نہیں بلکہ خلاف اصل ایک عارضہ ہے جو وقتی عوارض کا نتیجہ ہے جوں ہی یہ عوارض ختم ہو جاتے ہیں حیوان کی اصل طبیعت یعنی حس وحرکت خود بخود اُبھر آتی ہے۔ اسی طرح مثلاً ایک جاندار کے لئے سلیم الاعضاء اور جامع الاعضاء پیدا ہونا اصل ہے جسے فطرۃ کہتے ہیں لنگڑا۔ لُنجا یا ناقص الخلقت پیدا ہونا فطرۃ اور اصل نہیں بلکہ خلاف اصل ایک عارضہ ہے جو کھلے یا چھپے اسباب ومحرکات کے ماتحت رونما ہو جاتا ہے۔ اگر اُن اسباب ومحرکات کے دفعیہ پر قدرۃ پالی جاوے تو یہ عوارض خود بخود ختم ہو جائیں۔ اور اصلیت لوٹ آئے پس فطرۃ یا فطری اُمور کے معنی اصلی اور حقیقی امور کے ہیں جو اندرونی اُبھار سے نمایاں ہوں اور غیر فطری اُمور کے معنی خلاف اصل ہونے کے ہیں جن کی طرف میلان اصلی اور اندرونی نہ ہو

بلکہ بیرونی محرکات اور خارجی اثرات کے دباؤ کا نتیجہ ہو۔

فطری اور غیر فطری حکومت کا فرق

اس اُصول پر ہر چیز کی طرح حکومت کی بھی وہ نوع فطری کہلائیگی جس کی طرف طبیعتوں کی سلامتی خود بخود مائل اور بلا کسی بیرونی دباؤ اور خارجی محرکات کے انسانوں کے ضمیر از خود اُس کے شائق ہوں۔ اور وہ حکومت غیر فطری کہلائے گی جو تقاضائے درونی کے بجائے بیرونی دباؤ اور فضائی تحریکوں کے تسلط سے دماغوں پر مستولی کر دی جائے۔ مگر پھر بھی دماغ کے اندرونی دروازے اُس پر بند ہوں اور دلوں کا کوئی منفذ بھی اُسکو اندر اُتارنے کے لئے کھلا ہوا نہ ہو۔ یا ہو تو اصلیت سے بیگانگی اور بے خبری کی وجہ سے عارضی طور پر ہو جوں ہی وہ عوارض زائل ہوں تو وہی فطری حکومت کے قیام کی خواہش اندروں سے خود بخود اُبھر آئے اور اس ٹھونسی ہوئی جھوٹی خواہش کو دھکا دیکر پرے پھینکدے۔

فطری حکومت آلہی حکومت ہے

ظاہر ہے کہ ایسی فطری اور محبوب القلوب حکومت صرف اُسی ذات کی ہو سکتی ہے جو خود بذاتہ سب محبوبوں سے بڑھ کر محبوب اور سارے مطلوبوں سے زیادہ مطلوب ہو۔ اور وہ ذات بجز ذات بابرکات حق تعالےٰ کے دوسری نہیں ہو سکتی جو محبوب مطلق اور مطلوب حقیقی ہے۔ اس لئے فطری حکومت بھی جو دلوں کی آرزو اور طبیعتوں کا تقاضا ہو بجز حکومت آلہی کے دوسری نہیں ہو سکتی۔ اس زیر نظر تالیف کا موضوع یہی فطری حکومت ہے جس کے مختلف پہلوؤں پر اس مختصر مضمون میں روشنی ڈالی گئی ہے اور کہیں اُسے حکومت آلہی سے تعبیر کیا گیا ہے اور کہیں آسمانی بادشاہت کے عنوان سے یاد کیا گیا ہے۔

حکومت الٰہی کے محرکین | آسمانی بادشاہت یا حکومت الٰہی کے عنوانات آج کا نون کے لئے نئے یا اوپرے نہیں رہے جن سے کوئی آشنا نہ ہو۔ اس عنوان کو سب سے پہلے میرے برادر معظم حضرت مولانا محمد میاں عرف مولانا منصور انصاری مرحوم مہاجر افغانستان و رفیق خاص حضرت اقدس سیدنا شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ نے اختیار فرمایا اور اس عنوان سے ایک مختصر اور جامع رسالہ بزمانہ قیام افغانستان سپرد قلم فرماکر شائع کرایا مگر ممدوح کے ہندوستان سے بجبر باہر رہنے اور اس ملک میں نہ آسکنے کی بناء پر اُن کے نام سے اس عنوان کا تعارف ملک کے عوام میں نہیں ہوسکا۔ تاہم خواص نے اُن کی پیش کردہ حقائق کو سمجھا اور کافی رہنمائی حاصل کی۔

اس کے بعد محترم مولانا ابو الاعلیٰ مودودی نے مستقلاً اسی عنوان سے اپنی تحریک شروع کی اور اُسی کی اساس پر جماعت اسلامی کے نام سے ایک ادارہ کی تشکیل کی اس تحریک اور تشکیل نے اجتماعیات اسلامی کی حد تک قوم کو کافی فائدہ پہونچایا اور اُن کے معقول اور متین طرز بیان اور طریق استدلال نے ملک کے پڑھے لکھے طبقہ کو عموماً متاثر کیا بالخصوص انگریزی تعلیم یافتہ حلقہ جس کے سامنے اسلامی اجتماعیات کا کوئی منضبط تصور ہی نہ تھا اسلام کی اجتماعی زندگی اور خالص دینی سیاست کے بہت زیادہ قریب ہوگیا جس کیلئے پوری قوم کو اُنکا مرہون منت ہونا چاہیے۔

بہر حال ان دونوں محرکوں کی تحریک اور اُن سے متعلقہ لٹریچر نے اِس عنوان کا ملک میں خاصا تعارف کرادیا اور کہا جاسکتا ہے کہ اب یہ عنوان ملک کے لئے کوئی نیا اور اوپرا عنوان نہیں رہا ہو جس کے لئے مزید تعارف کی

ضرورت ہو لیکن پھر بھی اس کے مفہوم اور حقیقت کے متعین کرنے میں ایک رائے نہیں ہے۔ عامتہً بہت سے افراد اس عنوان کو محض ایک سیاسی نعرہ کی حیثیت سے جانتے ہیں اور بہت سے سیاسی نصب العین کی حیثیت سے کسی نے اسے ایک خالص دینی اصطلاح سمجھ رکھا ہے اس کا اجتماعیات سے کوئی تعلق نہیں اور کوئی اسے ایک خالص اجتماعی چیز جانتا ہے جس میں انفرادیت اور شخصی تربیت کا کوئی دخل نہیں۔

حکومت الٰہی سے مؤلف کا مقصد

لیکن مجھے اس تالیف میں بالاستقلال ان حیثیتوں سے بحث کرنا مقصود نہیں کہ یہ محض ایک اصطلاحی اور فنی بحث ہو گی میرا مقصد خدا کی فطری حکومت کے عنوان کی حقیقی معنویت کو سامنے لانے کے لئے خدائی حکومت کی تشکیل اور تکوینی ہیئت کذائی کا نقشہ پیش کرنا ہے جس سے اس حکومت کی بادشاہ کا حقیقی جاہ وجلال اور شہنشاہ عالمین ہونیکی حیثیت سے اُس کا اصلی کر و فر اور غلبہ واقتدار سامنے آجائے۔ تاکہ ہم میں اُس کی حکومت کی وفاداری اور عقیدت کیشی کے جذبات برانگیختہ ہوں۔ جس سے عملی حالت استوار ہو نیز اُس کا عز و سلطان مستحضر ہو جانے سے اعتقادی حالت میں رسوخ واستحکام پیدا ہو۔ اور ساتھ ہی اُس کی فطری حکومت کی تشکیلات کا خاکہ سامنے آنے پر ہم میں اُسی کے طرز حکومت اور اسی کے قائم فرمودہ نظام اجتماعی کو دنیا میں رائج کرنے کا داعیہ اُبھرے جس سے خلافت الٰہی اور نیابت ربانی کی حیثیت محکم اور مضبوط ہو جائے۔

وجہ تصنیف

غرض اس تحریر کا موضوع خدائی حکومت کے نام سے کسی رسمی پروگرام کا نقشہ پیش کرنا نہیں بلکہ عین حکومت کا حقیقی نقشہ اور انداز سامنے لاکر مذکورہ

بالا مقاصد کی تخصیص اور تکمیل کرنا ہے اس سے قدرتی طور پر مضمون دو حصوں میں منقسم ہو گیا ہے۔ ایک اللہ کی تکوینی حکومت یعنی اُس کے حاکمانہ افعال اور مشیت کی حکمرانی اور ایک اس کی تشریعی حکومت یعنی اُس کے حاکمانہ اقوال اور قانون شرعی کی جہانبانی پہلی حکومت کو آسمانی بادشاہت سے تعبیر کیا گیا ہے اور دوسری حکومت کو خلافت و امامت سے۔ حکومت دونوں صورتوں میں خدا ہی کی ہے لیکن واسطہ اور بلا واسطہ کا فرق ہے آسمانی بادشاہت اُس کی بلا واسطہ حکومت کا نام ہے اور خلافت اُس کی بالواسطہ حکومت کا عنوان ہے جو انسان کے توسط سے عالم پر بنام خلافت نمایاں ہوتی ہے پہلی صورت میں اُس کے افعال حکومت کرتے ہیں اور دوسری صورت میں اُس کے اقوال یعنی نازل کردہ قانون کی حکومت ہوتی ہے۔ مگر جب کہ یہ دونوں قسم کی حکومتیں اسی کی سچی فطرۃ سے نکلتی ہیں اس لئے ان دونوں کے مجموعہ کو فطری حکومت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اس رسالہ کا نام "فطری حکومت" تجویز کیا گیا کہ رسالہ دونوں ہی نوع کی حکومتوں کی نشاندہی پر مشتمل ہے جس میں تکوینی اور فعلی حکومت کا نقشہ پیش کر کے اُس کی تشریعی اور قانونی حکومت کا خاکہ سمجھایا گیا ہے۔ مضمون اپنی نوعیت اور طرز بیان کے لحاظ سے خالص طالبعلمانہ ہے اور طالب علمی ہی کے زمانہ میں آج سے تقریباً تیس برس پیشتر لکھا بھی گیا تھا جسے کسی قدر ترمیم اور ضروری اضافوں کے ساتھ سامنے لانیکی جرأت آج برخوردار سعادت اطوار مولوی قاری حافظ محمد سالم سلمہٗ کی فرمائش اور پیہم اصرار پر ہو رہی ہے۔ اس لئے آپ کو اس میں مضمون آرائی یا انشاؤ ادب کی تکلف آمیز چاشنی کہیں نہ ملے گی بلکہ صرف آیات و احادیث کا ایک ذخیرہ اُن کا

سادہ ترجمہ اور کہیں کہیں ضروری فوائد وتشریحات کا ایک مجموعہ دستیاب ہوسکیگا جس سے ایک عرفان دوست انسان کے نفس کو فرحت ہو یا نہ ہو لیکن روح کو تسکین ضرور ہوگی۔ اسی کے ساتھ انہی معارف قرآنی اور لطائف حدیث کے ضمن میں وقت کے متعدد اہم مسائل کی تنقیح اور اُن کے بارہ میں مذہبی رُخ بھی سامنے آسکے گا جس سے ممکن ہے کہ سیاست پسند طبقہ دلچسپی لے سکے۔ اور ساتھ ہی ساتھ پند ونصائح تذکیر و موعظت اور تنبیہ وعبرت کا بھی ایک معتد بہ ذخیرہ ملے گا جس سے خطابیات کے خوگر بھی فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اور سب پر مزید یہ ہے کہ بہت سی وہ آیات واحادیث سامنے آسکیں گی جو ہزارہا علوم اور کتنے ہی اخلاقی سیاسی اور تنظیمی امور پر مشتمل ہیں مگر عموماً نگاہوں سے اوجھل رہتی آئی ہیں اور اُن کے حقائق پر اس خاص نقطۂ نظر سے بہت کم لوگوں کو غور وفکر کرنے کا موقعہ ملا ہے۔ اس لئے اس میں علم دوست افراد کی دلچسپی کا سامان بھی میسر آسکے گا۔

کتاب کے دس نقاط بحث اصولی طور پر اس تالیف میں دس مطالب پیش نظر رکھے گئے ہیں جن کے اردگرد اس کی بحثیں گھوم رہی ہیں۔

(۱) آسمانی بادشاہت کا مفہوم اُس کی ماہیت اور اُس کے اجزاء ترکیبی کیا ہیں۔؟

(۲) آسمانی بادشاہت کی ضرورت کیوں ہے۔؟

(۳) حکومت مطلقہ کا حق کس کو ہے اور کیوں ہے؟

(۴) حکومت کا نصب العین کیا ہے۔؟

(۵) حکومت الٰہی کی پالیسی اور حکمت عملی کیا ہے۔؟

(۶) حکومت الٰہی کے مظاہر شوکت وشکوہ جن سے ذات شاہی کا رعب و

دا ب قائم ہو گیا ہیں۔ ؟
(۷) حکومت کے قانون کی نوعیت کیا ہے۔؟
(۸) ملکی انتظامات کی نوعیت جس سے رعایا امن وعافیت کی زندگی بسر کرے کیا ہے؟
(۹) دنیا کے امن وچین کا راز صرف خدائی حکومت میں کیوں مضمر ہے۔؟
(۱۰) ان سارے مباحث کا لب لباب اور اُس کے اصولی نتائج کیا نکلتے ہیں جن سے عمل کی راہیں استوار ہو جائیں۔؟

تلک عشرۃ کاملۃ

یہ دس مقاصد سات موضوعات اور ۵۳ عنوانات پر منقسم کر کے پیش کئے گئے ہیں — وباللہ التوفیق۔

۱

آسمانی بادشاہت کی ماہیت اور اُس کے عناصر ترکیبی

کائنات کا طبعی تضاد اس عنصری کائنات کی بنیاد باہمی تضاد اور ما بینی منافرت پر قائم ہے۔ کیونکہ اس کے عنصری اور مادی ارکان یعنی (آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی) جن کے اختلاط سے یہ جہان تیار ہوا ہے اپنی اپنی ذات اور خاصیات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد واقع ہوئی ہیں آگ پانی کی ضد ہے کہ ایک گرم ہے اور ایک سرد اگر ایک دوسرے کے قریب آجائے تو یقیناً ایک دوسرے کو فنا کئے بغیر نہ چھوڑے مٹی ہوا کے منافی ہے کہ ایک کثیف محض ہے تو ایک لطیف محض۔ ایک نیچے کی طرف آتی ہے تو ایک اوپر کو جاتی ہے۔ ہوا کا بس چلے تو مٹی کو اڑا دے اور

مٹی کا زور چل جائے تو ہوا کو دبا دے ہوا مٹی کی کثافت کو پادر ہوا کر دیتی ہے اور مٹی ہوا کی لطافت کو خاک میں ملا دیتی ہے۔ پانی اور مٹی میں الگ بیر ہے کہ ایک جامد ہے تو ایک سیال پانی چڑھ جائے تو مٹی کا جمود ختم ہو جائے۔ اور مٹی پانی میں مل جائے تو پانی کا سیلان گم ہو جائے آگ اور مٹی میں الگ تضاد ہے کہ ایک نورانی ہے تو ایک ظلمانی۔ مٹی اگر بکھراؤ اور بکھر جانے والے اجزاء رکھتی ہے تو آگ بکھراؤ اور تجزیے سے بالکل ہی بعید ایک بساطۃ رکھتی ہے جس کے ٹکڑے نہیں کئے جا سکتے۔ ایک کی تعریف ہی یہ ہے کہ خود بھی ٹکڑے ہو جائے اور جس میں اُس کا دخل آ جائے اُسے بھی لخت لخت کر دے۔ اگر مٹی پر آگ غالب آ جائے تو اُس کا انتشار اور بکھراؤ ختم کر دے اور مٹی غالب آ جائے تو آگ کو سرے ہی سے گم اور خاموش کر دے۔ غرض ان عناصر کی بنیاد ہی ایک دوسرے کی فنا و تخریب اور نفی پر قائم ہوئی ہیں۔ اگر ان کی طبائع کو بلا قید و بند انفرادی طور پر اپنی اپنی خاصیات دکھلانے کی کلی آزادی دیدی جائے تو ایک کو دوسرا فنا کئے بغیر نہیں رہے گا اور یہ عنصری کائنات یا بن ہی نہ پائے گی یا بن کر برقرار نہ رہنے پائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ ان چاروں عنصروں سے پیدا شدہ موالید یعنی جمادات۔ نباتات۔ حیوانات کی فطرت میں بھی وہی باہمی تصادم اور تزاحم رچا ہوا ہے۔ ان کے ہر ہر فرد کے نفس میں بھی یہی کشاکشی اس لئے ہے کہ اُس میں یہ ہی متضاد عناصر لڑ رہے ہیں چنانچہ موالید کے مزاج میں کبھی حرارت کا غلبہ ہے اور کبھی برودت کا کبھی رطوبت کا زور ہے اور کبھی یبوست کا اور ہر عنصر کے غلبہ سے اُسی نوع کے امراض پیدا ہو کر اُس میں سوء مزاج پیدا کر دیتے جس سے یہ نفوس تباہ ہوتے رہتے

ہیں پھر ہر ہر نوع کے افراد میں باہم بھی یہی تزاحم ہے کہ آپس میں ٹکرا رہے ہیں۔ انسان انسان سے اور حیوان حیوان سے ہر وقت لڑنے مرنے پر تلا ہوا ہے اور ایک دوسرے کو فنا کے گھاٹ اُتار دینے پر ہر وقت آمادہ ہے۔

اِهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ | نیچے ایسی حالت میں جاؤ کہ تم باہم بعضے دوسرے بعضوں کے دشمن رہو گے۔

اور پھر یہ تصادم نہ صرف ایک ہی نوع افراد میں قائم ہے بلکہ مختلف انواع میں بھی باہم یہی تصادم ہے کہ ایک نوع دوسری نوع کی دشمنی پر کمر بستہ نظر آتی ہے انسان جانوروں کا دشمن اور جانور انسان کے حیوانات نباتات کے دشمن ہیں اور نباتات حیوانات کے۔ غرض یہ عالم ایک اکھاڑا ہے جس میں چوبیس گھنٹہ عنصر عنصر سے فرد فرد سے نوع نوع سے اور جنس جنس سے آویزاں اور متصادم ہے جس سے اس کائنات میں چین اور سکون کا لفظ محض بے معنی ہو کر رہ گیا ہے یعنی لغت میں تو امن اور چین کا لفظ ملتا ہے لیکن خارجی موجودات میں اُس کے معنی دستیاب نہیں ہوتے بہر حال یہ نتیجہ صاف ہے کہ اس کائنات عنصری کے ہر ہر جزو کی طبیعت اور جبلت میں دوسرے کی دشمنی۔ مابینی تضاد آپس کی منافرت اور ایک دوسرے کو میٹنے مٹانے کی خاصیت رچی ہوئی ہے۔ اگر یہ عناصر اور اُن کی یہ اولاد جماد و نبات اور حیوان اپنی اپنی طبیعتوں پر بے قید چھوڑ دیئے جائیں تو یہ کائنات خود اپنے اندرونی تصادم ہی سے فنا کے گھاٹ اُتر جائے۔

۲

تضاد کائنات کا نظم | لیکن اگر انہی متصادم اجزاء کو کسی نظم و انتظام اور حد بندی کے ماتحت آپس ہی میں ٹکرانے کا اس طرح موقعہ دیا جائے کہ یہ کلیۃً فنا بھی نہ ہوں اور

حدود کے اندر تصادم رہ کر اپنی اپنی طبعی خاصیتیں بھی اجتماعی حیثیت سے دکھلاتے رہیں تو پھر یہی تصادم بجائے فنا و ہلاکت کے بقاء و حیات بلکہ ترقیات کا موجب بن جائے گا جس سے گوناگوں تمدنی عجائبات اور بوقلموں ایجادات و انکشافات عالم میں نمایاں ہونے لگیں گے۔ اور یہ کائنات مادی دلچسپیوں کے ساتھ کتنی ہی روحانی برکتوں کا خزانہ ثابت ہوگی کیونکہ عالم میں ترقی تصادم ہی سے رونما ہوتی ہے بلکہ ترقی نام ہی تصادم کا ہے۔ بشرطیکہ یہ تصادم حدود میں ہو اور کسی نظم کے ساتھ اُسے بروئے کار لایا جائے ورنہ یہی عناصر اگر بلا تصادم اپنے اپنے مرکزوں میں الگ الگ پڑے رہیں تو ان میں کوئی ترقی نہیں۔ سمندر ہزار ہا برس سے موجیں مار رہا ہے لیکن اُتنا کا اُتنا ہی ہے ہوا فضاء میں بھری ہوئی ہے لیکن اُس کی ایک ہی طبعی رفتار ہے۔ جس میں کوئی جدت و ترقی نہیں۔ مٹی سطح زمین پر پھیلی ہوئی ہے مگر ایک ہی انداز پر ہے۔ آگ سورج سے چھن رہی ہے مگر اُس کا ایک ہی طبعی وطیرہ ہے جس میں کوئی ارتقاء نہیں۔ لیکن اگر پانی اور آگ کے درمیان مثلاً ایک آہنی چادر کی حد لگا کر انہیں ٹکرایا جائے تو اُس سے اسٹیم کی طاقت پیدا ہو جائے گی جس سے لاکھوں مشینیں چل سکیں گی اور کتنے ہی تمدنی عجائبات کا ظہور ہو جائیگا پانی کو پانی سے ٹکرا دیا جائے تو برق پیدا ہوگی جس سے ہزاروں کلیں گھومنے لگیں گی جن سے ہزاروں سیاسی اور اقتصادی منافع نمایاں ہونے لگیں گے۔

پانی سے ہوا ٹکرا جائے تو بخار لطیف یعنی مانسون پیدا ہوگا جس سے بارشیں اُتریں گی زمین کی زندگی کا سامان ہو جائے گا اور اس سے رنگ برنگ کے جماد و نبات اور جاندار اور پھر اُن کے افعال و خواص سطح زمین پر نمایاں ہونے

لگیں گے۔ اسی طرح پتھر کو پتھر سے ٹکرا دیا جائے تو آگ پیدا ہو جائے گی جس سے فضاء کی روشنی کا سامان بہم پہونچ جائے گا آگ کو ہوا سے ٹکرا دیا جائے تو دخان (دھواں) پیدا ہو گا جس سے آسمان کی تخلیق کا سامان ہو جائے گا اور بادل بن جائیں گے جس سے زمین کی زندگی نکل آئے گی۔ یہ ان عناصر کی انفرادی ٹکر کے ثمرات ہیں جب کہ وہ ایک نظم سے ٹکرا دیئے جائیں۔ پھر انہی عناصر کو اگر کسی خاص نوع میں مثلاً نباتات میں جمع کر کے تصادم کا موقع دیا جائے تو رنگ برنگ کے پھل پھول نمایاں ہوں گے۔ حیوانی ظرف میں جمع کر کے ٹکرا دیا جائے تو طرح طرح کے افعال و خواص کا ظہور ہو گا۔ انسان میں جمع ہو کر ٹکرائیں گے تو قسم قسم کے افکار و نظریات اور اعمال و حرکات رونما ہوں گے معدنیات کے ظرف میں رکھ کر ایک معدنی چیز کو دوسری معدنیات سے کیمیاوی طریق ٹکرایا جائے تو قسم قسم کی دوائیں اور آبی و آتشیں مادے پیدا ہوں گے جو تمدن میں نئے نئے اضافوں کا موجب ہونگے پھر ان مجموعۂ عناصر افراد کو ایک دوسرے سے ٹکرایا جائے مثلاً ایک انسان کو انسان سے کسی وصف کے لحاظ سے جیسے پہلوان کو پہلوان سے ٹکرایا جائے تو طرح طرح کے داؤ پیچ کا ظہور ہو گا۔ کسی عالم کو عالم سے علمی میدان میں ٹکرا دیا جائے یعنی سوال و جواب اور بحث و مناظرہ ہو پڑے تو نئے نئے علوم و مسائل نمایاں ہوں گے کسی قوم کو قوم سے ٹکرا دیا جائے تو نئی نئی تدابیر اور تعمیر و دفاع کے نئے سے نئے ڈھنگ معرض ظہور میں آجائیں گے۔ حق کو باطل سے ٹکراؤ تو باطل کی نئی ملمع سازیاں اور حق کی اونچی سے اونچی حقائق کھلیں گی جس سے حق کی قوۃ و حجۃ اور باطل کا ضعف اور بے حجتی نمایاں ہو گی۔

غرض اگر مادہ کی مادہ سے موالید کی موالید سے نوع کی نوع سے وصف کی وصف سے اور فرد کی فرد سے ٹکر نہ ہو تو عالم میں ترقیات اور نئی نئی اشیاء کا ظہور نہیں ہو سکتا اور نہ ہی کسی شے کو اپنی زندگی ثابت کرنے یا زندگی کے مخفی سے مخفی جوہر دکھلانے کا موقع مل سکتا ہے جس کا نام ایجاد و ترقی ہے پس مادیات میں یہ برق گیس۔ مانسون۔ دخان اور اسٹیم وغیرہ معنویات میں علوم عجیبہ نظریات غریبہ اور حقائق واقعیہ افعال میں انکشافات جدیدہ تدابیر لطیفہ اور نئے نئے داؤگھاٹ وغیرہ خواص و آثار میں زمین اور اجزاء زمین کی مختلف پیداوار پھل پھول وغیرہ جن پر تمدنی ترقیات کا دار و مدار ہے درحقیقت تصادم باہمی کا ہی ثمرہ ہیں جب کہ یہ تصادم ایک خاص نظم اور خاص علم کے ماتحت عمل میں آئے۔ جس سے صاف واضح ہے کہ اس عالم کی ترقی بلکہ بقاء درحقیقت ان اضداد کی ٹکر میں پنہاں ہے۔ اگر سرے سے ان اشیاء میں تصادم ہی نہ ہو تو مقصد حیات یعنی ان کا ارتقاء فوت ہو جائے اور اگر بلا حدود اور بغیر کسی مقررہ نظام کے یہ تصادم ظاہر ہو تو ان سب کی فناء و ہلاکت رونما ہو جائے۔ پس ان کے آثار و خواص کا بقاء و ارتقاء نہ ان اضداد کے منفرد اور الگ تھلگ رہنے میں ہے اور نہ رل مل کر فنا ہو جانے میں بلکہ ایک علمی نظام کے ماتحت اندرون حدود ٹکراتے رہنے میں ہے گویا خدائے حکیم و علیم نے کائنات کی بنیاد متضاد عناصر پر رکھ کر درحقیقت اس کائنات کی ترقی اور نوع بہ نوع انکشافات کی راہیں کھول دی ہیں ورنہ ایک طبیعت اور ایک مزاج کے عناصر کی کائنات میں یہ ارتقائی شانیں اور بوقلموں ترقیات کہاں سے نمایاں ہو سکتیں اور خدا کی ان نئی نئی شانوں اور کمالات کا ظہور کیسے ہوتا۔۔۔؟

منظم کائنات میں حکم | لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ کائنات خود بخود اپنی طبیعت سے اپنا نظام قائم نہیں کر سکتی کیونکہ اول تو معروضۂ سابق کے مطابق اُس کے متضاد اجزاء خود بخود اپنے مزاج اور افتاد طبع سے جمع ہی نہیں ہو سکتے کہ ہر ہر فرد اپنی ذات اور طبیعت میں دوسرے کی فنا و تخریب لئے ہوئے ہے اور طبعاً اُس کی فنا کا متقاضی ہے، ورنہ اگر یہ متضاد عنصر بھی آپس میں جمع ہونے لگیں تو اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین کی محال ہونے کے کوئی معنی ہی نہ رہیں گے۔ حالانکہ یہ اجتماع ضدین خود ہی محال نہیں بلکہ سارے محالات کی جڑ بنیاد یہی ہے۔ پھر اگر کسی حد بندی کے ماتحت اندرون حدود ان کا اجتماع ممکن بھی ہو تو حدود کی تعیین علم و ادراک سے ہوتی ہے اور علم و ادراک سے ان سب مادی عناصر کی طبیعت کوری ہے۔ آگ۔ پانی۔ ہوا۔ مٹی یا مطلقاً مادہ اپنی طبیعت سے مسلّمہ طور پر بے شعور واقع ہوا ہے۔ ان عناصر کا کوئی بھی طبعی فعل سوچ سمجھ کر یا ادراک و شعور سے نہیں ہوتا چہ جائیکہ یہ اپنی اپنی حدود اور خاصیات سے باخبر ہو کر آپس میں حد بندی اور جوڑ بند کا کوئی شعور اور ادراک رکھتے ہوں جس کے ماتحت عالم کا نظام محکم قائم کر دیں اس لئے نتیجہ صاف ہے کہ یہ نابینا اور اندھے بہرے مادّے اپنے طبعی مزاج اور اپنی بے شعوری کے سبب نہ خود بخود جمع ہو سکتے ہیں، نہ اپنے افعال کی حدود کی تشخیص کر سکتے ہیں، نہ اندرون حدود از خود شان اجتماعیت پیدا کر کے خود ہی اپنی کائنات کو منظم کر دینے کی کوئی صلاحیت رکھتے ہیں، اس لئے ماننا پڑے گا کہ ان میں شان اجتماعیت قائم کر کے ان سے گونا گوں خاصیتیں برآمد کرا دینے والی طاقت ان سے باہر ہی کی کوئی طاقت ہو سکتی ہے جو ان سے بالاتر

ہو اور اپنے علم و ادراک سے ان کی حد بندیوں کا مضبوط نظام باندھے اور پھر ان کی طبیعتوں کے خلاف اپنے قاہرانہ حکم سے انہیں مقہور و مجبور کرکے ان میں وہ جوڑ بند لگائے جس سے یہ رنگ برنگ کے تماشے نمایاں ہونے لگیں پس جہاں یہ ثابت ہوا کہ اس عالم کی نئی نئی ترقیات اُس کے متضاد اجزاء کے منظم ٹکراؤ میں پنہاں ہیں وہیں یہ بھی واضح ہوگیا کہ اس ٹکراؤ کا نظام خود عالم کی طبیعت سے ممکن نہیں بلکہ کسی بالاتر قاہرانہ اور جابرانہ غلبہ و استیلا سے ممکن ہے جسے اصطلاح میں حکم کہتے ہیں۔

حکم کائنات میں رنگ حکمت | ہاں پھر چونکہ اس نوپید عالم میں محض منظم ٹکراؤ اور محکم حکم ہی مقصود نہیں بلکہ اس نظم و حکم کے ماتحت ہر حادث اور ہر نوپید شے کو اُس کی حد کمال تک پہونچانا بھی مقصود بلکہ اصل مقصود ہے جسے نزمین کہتے ہیں تاکہ ہر شے کی تمام اندرونی استعدادیں اور صلاحیتیں درجہ بدرجہ اور رتبہ برتبہ کھل کر سامنے آجائیں اور وہ شے اپنے مراتب خلقی طفولیت و شباب اور کھولت سے طبعی رفتار کے ساتھ گذرتی ہوئی بالآخر حد کمال پر پہونچ جائے اس لئے اس کائنات کے نظم میں تدریج اور ترتیب بھی لازمی تھی کہ کونسی شے کب نمایاں ہو کن مراتب سے گذرتی ہوئی کتنی مدۃ میں کن کن اسباب کے مدد سے اپنی تکمیل کا دائرہ طے کرے اور کس وقت اپنی خلقت کا پورا کمال دکھلا کر خاموش ہو جائے یعنی اس عالم کو خیرباد کہکر اپنی زندگی کا دوسرا دورہ شروع کرے۔ ظاہر ہے کہ اگر عالم میں ہر چیز ایک دم مکمل پیدا ہوا کرتی تو اُس کی روحانی ترقی کی استعدادیں اور ان استعدادوں کے ماتحت مقامات زندگی کو فعلیت

میں لانے پھر ان مقامات کو عبور کرکے اُن کے خواص و آثار دکھلانے اور اس طرح اپنے اندر نوعی جامعیت پیدا کرنے کے تمام درجات و مراتب پردۂ عدم ہی میں مستور رہجاتے اور کبھی نہ کھل سکتا کہ اس شئے کے اندر کیا کیا جوہر پنہاں تھے۔ جنھیں اسباب و مقدرات کے ماتحت اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہونا چاہئے تھا اور کیا کیا معائب تھے جنھیں زمانہ کی دست بُرد اور حوادث کے تھپیڑوں سے کچل کر فنا ہوجانا چاہئے تھا اور ظاہر ہے کہ کسی شے کا کمال بغیر جمع فضائل اور دفع رذائل کے حاصل نہیں ہوسکتا اور یہ جمع و تفریق بغیر امتدادِ مدۃ اور بغیر اسباب و مسببات کی تدریجی ترتیب کے ناممکن تھی اس لئے اشیاء کائنات میں نظم اور علم کے ساتھ تدریج۔ اور اُس کی طبعی رفتار کے لئے مسافۃ کی ضرورت تھی۔ تاکہ ہر شے آہستہ آہستہ اپنی نوعی طبیعت کے مخفی جوہر کھولتی ہوئی کمالات زندگی کے مقام معلوم تک پہونچ جائے۔ اِسی نظریۂ ترتیب و تدریج کو جب کہ وہ درجۂ نظر و فکر میں رہے اصطلاح میں حکمۃ کہا جاتا ہے جس سے واضح ہوا کہ عالم کے نظام میں حکمۃ ایک اہم مقام رکھتی ہے جس کے بغیر نظام عالم نامکمل ہوتا۔ بلکہ چل ہی نہیں سکتا۔

حکیمانہ کائنات میں طرزِ تدبیر

ہاں پھر جب اسی تدریج و ترتیب کو نظر و فکر سے آگے بڑھاکر فعلاً نمایاں کیا جائے یعنی ہر شے کے ان مخفی اجمالات کو عملی تفصیل سے کھولدیا جائے مثلاً سلسلۂ اسباب کے ماتحت نطفہ میں سے تدریجاً جاندار نکالا جائے اور تخم میں سے بتدریج تناور درخت نمایاں کیا جائے۔ سمِ قاتل کے خورونوش پر موت مرتب کردی جائے اور افراط کی استعمال پر بذل اسباب حیاۃ متفرع کردیجائے

تو اسی فراہمی اسباب اور اُن پر ترتیب نتائج عمل کا نام تدبیر ہے جس سے کھل گیا کہ نظام عالم کے لئے اگر نظم و حکم اور حکمۃ کی ضرورت تھی تو اُس سے زیادہ تدبیر و تصرف کی حاجت تھی کہ اس کے بغیر بھی نظم ناقص بلکہ بے نتیجہ ہوتا اور کائنات کی استواری بے سود ہو کر رہجاتی۔ پس خلاصۂ مقام یہ نکلا کہ اس عالم اضداد کے کمالات نمایاں کرنے کے لئے چار چیزیں بطور ارکان کے ضروری اور ناگزیر ہیں۔ ایک نظم دوسرے حکم تیسرے حکمۃ اور چوتھے تدبیر اور ظاہر ہے کہ جب کسی ادارہ اور تنظیم میں محکم نظم طاقتورانہ حکم بالغ حکمۃ اور نتیجہ آور تدبیر و تصرف جمع ہو جاویں تو اُسی ادارہ کا نام حکومت اور بادشاہت ہوتا ہے جس سے اجتماعی نظام کی اساس قائم ہوتی ہے اس سے واضح ہوا کہ خلقی کمالات کا ظہور بغیر نظم و حکم اور حکمۃ و تدبیر کے اور بالفاظ دیگر بغیر بادشاہت اور حکومت کی سرپرستی کے محض انفرادیت سے نہیں ہو سکتا۔

یہاں سے ہم اس نتیجہ پر پہونچ گئے کہ نظم و حکم اور حکمۃ و تدبیر ہی حکومت کے اجزاء ترکیبی ہیں جن پر حکومت کی تعمیر کھڑی ہوتی ہے۔ ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو نظام کائنات برقرار نہیں رہ سکتا۔ مثلاً اگر محض نظم ہو لیکن قہر و غلبہ یعنی طاقتور حکم نہ ہو تو اُسے حکومت نہیں کہا جائے گا۔ ایسے ہی اگر قہر و غلبہ ہو مگر بد نظمی کے ساتھ ہو جس سے بدامنی اور رعایا میں بے چینی قائم رہے اور انتشار نمایاں رہے تب بھی حکومت نہیں اور اگر حکم و نظم دونوں ہوں لیکن اُس سیاسی نظم و حکمۃ یعنی امور عامہ میں فکری تدریج و تأنی نہ ہو تب بھی حکومت نہیں اور اگر فکری تدریج ہو مگر عملی تدبیر نہ ہو تب بھی حکومت نہیں بلکہ محض ایک جبری چودھراہٹ ہوگی

جس کے لئے کوئی بقاء اور ثمرہ نہیں اس لئے حکومت ان سارے ہی اجزاء ترکیبی کے جمع ہو جانے سے بنتی ہے۔ ان کے بغیر بلکہ ان میں سے کسی ایک کے بغیر حکومت کا ڈھانچہ قائم نہیں ہو سکتا۔

آسمانی بادشاہت کی ضرورت

اب ہمارا وہ سابقہ دعویٰ کافی روشنی میں آجاتا ہے کہ یہ "عنصری کائنات اپنے اوپر خود حکومت کرنے کی اہل نہیں" کیونکہ حکومت کے لئے نظم یا نظام اجتماعی اولین رکن ہے اور اس کائنات کے اجزاء کی طبیعت میں اجتماع و توافق کے بجائے تضاد اور تنظیم کے بجائے ایک دوسرے کی تخریب پیوست ہے جس سے یہ اجزاء نہ از خود جمع ہی ہو سکتے ہیں اور نہ از خود منتظم ہی ہو سکتے ہیں تو از خود حکومت بھی اپنے اوپر کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر حکومت کے لئے اعلیٰ ترین رکن حکمۃ نظری فکر و غور اور علم و ادراک ہے اور اس کائنات کے کسی جزو کی طبیعت میں بجز "انسان" تک کی طبیعت میں نہ علم ہے نہ ادراک جس سے ایک دوسرے کی خبر گیری ممکن ہو اور نظام قائم رہے۔ پھر حکومت کے لئے اہم ترین اساس حکمۃ یعنی ایک تدریج طلب مخفی پالیسی اور حکمۃ عملی ہے جس کے ماتحت تدریجی طور پر مبادی سے مقاصد تک پہونچا جائے اور مبادی و مقاصد کے ان درمیانی مرتب سلسلوں کے تحت مقاصد اپنے مبادی سے نتائج اپنے اسباب سے اور تفصیلات اپنے اجمالات سے اپنے اپنے موقعہ اور وقت پر اس طرح نمایاں ہوتی رہیں کہ کسی کو نظم کی یہ ساری درمیانی کڑیاں محسوس بھی نہ ہوں اور نتائج کھل کر سامنے آتے رہیں گویا کام انجام پاتا ہے لیکن یہ پتہ بھی نہ چلے کہ کس طرح انجام پا رہا ہے گویا حکومت کا اندرونی ہاتھ اپنی حکمۃ و تدبیر سے ان سارے سلسلوں کو اس طرح حرکت دیتا رہے کہ حرکت اور

محرک تو نظر نہ آئے مگر مقاصد پورے ہوتے رہیں اور ظاہر ہے کہ اس بے شعور کائنات کی طبائع میں خود یہ سلیقہ کہاں؟ کہ یہاں تو سرے سے شعور و ادراک ہی کا پتہ نہیں تا بحکمت و سلیقہ چہ رسد؟ ؎

چرخ کو کب یہ سلیقہ ہے ستمگاری میں
کوئی معشوق ہے اس پردۂ زنگاری میں

آسمانی بادشاہت کا بادشاہ اور جب حکومت کے اجزاء ترکیبی کا ہی ان عنصریات میں پتہ نہیں تو حکومت کی اہلیت ان میں کہاں سے آسکتی ہے اس لئے ناگزیر ہے کہ اس کائنات کا یہ قائم شدہ نظام محکم اور تدبیر و تصرف کا یہ حکیمانہ پھیلاؤ جو ایک عظیم حکومت اور ہمہ گیر بادشاہت کا پتہ دیتا ہے خود اس کی اپنی حکومت کا ثمرہ نہ ہو بلکہ اس ساری کائنات سے بالاتر کسی ایسی ہستی کی کرشمہ سازی ہو جسکا علم و ادراک ساری کائنات پر محیط اور جس کی حکمۃ و تدبیر اُس کے جزو و کل میں جاری و ساری ہو۔ اور جس کا حکم اور قہر و غلبہ پورے عالم پر مستولی ہو بلکہ وہ ذات ان سارے کمالات حکم و حکمۃ اور نظم و تدبیر کا بذاتہ سرچشمہ ہو اور کائنات سے کلیۃً بری و بالا اور بے نیاز ہو کر اپنے ذاتی قہر و غلبہ سے اس پر حکمرانی کرے وہی ذات بابرکات اللہ رب العزۃ مالک الملک ملک السموات والارض ملک الناس اور ملیک مقتدر ہے۔ جو علی الاطلاق اور بالذات صاحب نظم بھی ہے صاحب حکم بھی ہے صاحب حکمۃ بھی ہے اور صاحب تدبیر و تصرف بھی ہے یعنی علی الاطلاق بادشاہ کائنات ہے۔

حکم الٰہی ہاں پھر جیسے اُس کی ذات و صفات لامحدود ہے ویسے ہی اُس کی حکومت

بھی لامحدود ہے کہ اجسام ہی پر نہیں ارواح پر بھی ہے افعال ہی پر نہیں خیالات پر بھی ہے۔ اور ظاہر سے لے کر باطن تک کوئی دقیق سے دقیق تصور و ادراک اور وہم و خیال بھی اُس کے احاطۂ حکومت سے باہر نہیں۔ نیز پھر جیسی حکومت ہے ویسے ہی اُس کی حکومت کے اجزار ترکیبی بھی لامحدود وسعتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہیں یعنی اُس کے حکم و نظم اور حکمۃ و تدبیر کی پہنائی کی بھی کوئی حد و انتہا نہیں ہے۔

آسمانی بادشاہت کے اجزار ترکیبی کی تفصیلی نوعیت

نظم آلہی | چنانچہ اس حکم کے ماتحت نظم تو اُس کا یہ ہے کہ ان متضاد اور کینہ پرور عناصر اور اُن کے متصادم موالید کو اُس نے ایسے حسن و انتظام کے ساتھ جوڑ رکھا ہے کہ اس آب و گل کی محفل میں یہ سب ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں اور پھر ایک دوسرے کے لئے نافع اور کار آمد بھی۔ ایک ضد کو دوسری ضد سے ٹکرا بھی رکھا ہے جس سے عالم میں ترقیات رونما ہو رہی ہیں اور جوڑ بھی رکھا ہے جس سے مجموعۂ عالم کا ڈھانچہ قائم اور اس سے عالم کے عجائبات کا ظہور ہو رہا ہے گویا اجزار کائنات میں وصل بھی ہے اور فصل بھی ملاپ بھی ہے اور تفریق بھی محبت بھی ہے اور عداوت بھی۔ اور ان میں سے ہر ایک چیز اپنی اپنی جگہ ضروری اور اپنے اپنے محل پر نمایاں ہو کر مجموعۂ عالم کیلئے حسن و کمال ثابت ہو رہی ہے پھر نظم کا عجیب و غریب کمال اور کنٹرول کا محیر العقول کارنامہ یہ ہے کہ جس چیز کیلئے جو حد مقرر کر دی ہے خواہ وہ زمانی ہو یا مکانی کیا مجال ہے کہ وہ اس حد سے سر مو تجاوز کر سکے فلکیات ہوں یا عنصریات ارواح ہوں یا اجسام سلسلۂ نظام میں مزدوروں کی طرح اپنے اپنے دائرہ میں مقررہ وظائف انجام دے رہے ہیں اور ہر کام

اپنے وقت پر تمام وکمال کے ساتھ انجام پا رہا ہے نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے رہ سکتا ہے۔ سورج کی مجال نہیں کہ چاند کو جا پکڑے رات کی مجال نہیں کہ دن سے پہلے آکودے بہار کی مجال نہیں کہ خزاں سے پہلے نمودار ہو جائے۔ مانسون کی مجال نہیں کہ موسم سے پہلے اُبھر آئے برسات کی مجال نہیں کہ گرمی سے پہلے آجائے سردی کی مجال نہیں کہ برسات سے آگے ہو جائے۔ غرض ہر چیز کی حرکت بھی منظم ہے اور سکون بھی۔ ہر چیز کا ایک نظام بھی ہے اور ہر نظام کی ایک موزوں تشکیل بھی ہے جس کے ماتحت کائناتی حوادث اپنے اپنے موسم موقعہ اور محل پر خوبصورتی سے مرتب ہوتے چلے جارہے ہیں۔

لا الشمس ینبغی لہا ان تدرك القمر ولا اللیل سابق النہار وکل فی فلك یسبحون۔ (اور) اذا جاء اجلھم لا یستأخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔	نہ آفتاب کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑ سکے۔ اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے۔ اور ہر ایک ایک دائرہ میں تیر رہے ہیں جس وقت اُن کی میعاد معین آجاویگی اسوقت ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکینگے اور نہ آگے بڑھ سکیں گے۔

پھر عالم کی ہر چیز کی ایک حد ہے اور ہر حد کی ایک طاقت ہے نہ شے اپنی حد سے گذر سکتی ہے اور نہ طاقت اپنے مقررہ معیار سے گر کر یا گذر کر کام کر سکتی ہے۔ انسان۔ جن۔ فرشتے۔ جاندار اور بے جان پھر ان کے عوارض و افعال اور اور ان سے ظاہر شدہ نتائج واحوال اپنے ہی اپنے اندازہ اور حد میں ظہور پذیر ہونے پر مجبور ہیں۔ جو اس کائنات کے لامحدود العلم بادشاہ کے سچے اور پکے اندازہ اور تقدیر کامل کی نمایاں دلیل ہے۔

۱- انا کل شیٔ خلقناہ بقدر ۲۷-۱۰	ہم نے ہر چیز کو اندازے سے پیدا کیا۔
۲- وخلق کل شیٔ فقدرہٗ تقدیرا ۱۸-۱۴	اور اُس نے (ممکنات میں سے) ہر موجود چیز کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ کیا۔
۳- قد جعل اللہ لکل شیٔ قدرا ۲۸-۱۶	اللہ تعالیٰ نے ہر شے کا ایک اندازہ اپنے علم میں مقرر کر رکھا ہے۔
۴- خلقہٗ فقدرہٗ ثم السبیل یسرہٗ ۳۰	اسکی صورت بنائی پھر اسکے اعضاء کو اندازے سے بنایا پھر اُسکو نکلنے کا راستہ آسان کر دیا۔
۵- والشمس تجری لمستقر لھا ۲۳-۲	اور ایک نشانی آفتاب ہے کہ وہ اپنے ٹھکانے کی طرف چلتا
ذٰلک تقدیر العزیز العلیم "	رہتا ہے۔ یہ اندازہ باندھا ہوا ہے اُس خدا کا جو
۶- والقمر قدرناہ منازل "	زبردست علم والا ہے۔ اور چاند کے لئے منزلیں مقرر
حتی عاد کالعرجون القدیم ۔	کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی۔
۷- واللہ یقدر الیل والنھار ۲۹-	اور رات اور دن کا پورا اندازہ اللہ ہی کر سکتا ہے۔
۸- وقدر فیھا اقواتھا ۲۴-۱۵	اور اُس میں اُس کے رہنے والوں کی غذائیں تجویز کر دیں۔

غرض ہر شے کی ذات وصفات اور افعال واحوال کا یہ خاص اندازہ یہ مخصوص مقسوم ومقدر اور اُس پر یہ قاہرانہ حد بندی کہ عالم کا ذرہ ذرہ خواہ وہ فلکیات میں سے ہو یا عنصریات میں سے مادیات میں سے ہو یا روحانیات میں سے مجردات میں سے ہو یا مرکبات میں سے۔ بر وقت بر محل اور اندرونی حدود اپنی زندگی کی مسافتیں طے کر رہا ہے آخر کس کے محکم نظام اور کس کی مستحکم تقدیر کا کرشمہ ہے؟۔ عالم کی بے شعور طبائع کا نہیں مادہ کی بے دست وپائی کا نہیں۔ اور محتاج تربیت رُوح کا نہیں بلکہ اُسی بادشاہ مطلق اور غنی حمید کی حکومت کا جس کی حکومت ہر قید وبند سے بالا جس کا قانون اٹل اور جس کا اقتدار ہر ہر ذرہ پر علی الاطلاق چھایا ہوا ہے۔

حکمۃ الٰہی | پھر اس نظم میں حکمۃ کا یہ عالم ہے کہ اجزاء عالم کی ترتیب محیر العقول ہر

چیز اپنے اصول سے جڑی ہوئی ہر جزو اپنے کل میں سمایا ہوا اور ہر جزئی اپنی کلی کے نیچے آئی ہوئی ہے جمادات کی ہزارہا انواع۔ مٹی۔ ریتہ۔ چونہ۔ اینٹ۔ پتھر سرمہ۔ ہڑتال۔ شنگرف۔ رانگ۔ سیسہ۔ یاقوت۔ زمرد۔ لعل۔ ہیرہ اور سونا۔ چاندی وغیرہ کے لاتعداد افراد اپنی اپنی انواع سے وابستہ اور اونھی کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ نباتات کے ماتحت ہزارہا انواع۔ آم۔ کھجور۔ سیب۔ انگور۔ خربوزہ۔ تربوز۔ انار و سنترہ وغیرہ ترکاریوں میں شلجم۔ مولی۔ گاجر۔ ٹماٹر۔ سیم اور لوبیا وغیرہ۔ غلات میں گیہوں۔ چنا۔ جو۔ چاول۔ باجرہ۔ مکئی۔ جوار۔ ماش۔ مونگ وغیرہ کے ان گنت افراد اپنی اپنی انواع کے نیچے لگے ہوئے ہیں۔ حیوانات کی ہزارہا انواع۔ انسان۔ شیر۔ گھوڑا۔ گدھا۔ لومڑی۔ بھیڑیا۔ ریچھ۔ گیدڑ۔ ہرن۔ بکری۔ گائے۔ بھینس۔ مرغ۔ کبوتر۔ تیتر۔ بٹیر۔ سانپ۔ بچھو۔ کیڑا۔ مکوڑا۔ مکھی۔ مچھر کے بے شمار افراد اپنی اپنی انواع سے وابستہ اور اُن کے ماتحت آئے ہوئے ہیں گویا ہر ہر نوع کے اربوں کھربوں افراد پر ایک ایک ربّ النوع قائم ہے جس سے نکل نکل کر باذن اللہ یہ افراد پھیل رہے ہیں اور اس طرح گویا انواع اپنے افراد کے پردہ میں اور کلیات اپنی جزئیات کے لباس میں ظہور کر رہی ہیں۔

پھر یہ جمادات نباتات اور حیوانات کی ساری انواع سمٹ کر اپنی ہمہ گیر جنس جسم میں جا ملتی ہیں گویا جسم ان انواع کے پردہ میں اپنا مظاہرہ کر رہا ہے۔ جس سے یہ تمام انواع جسمانی ثابت ہو رہی ہیں۔ پھر جسم اور غیر جسم یعنی روحانیات کی ساری جنسیں مل کر ایک جنس عالی جوہر کے نیچے آجاتی ہیں کہ یہ سب جسمانی اور روحانی اشیاء قائم بنفسہ ہیں ان میں سے کوئی چیز بھی رنگ و بو اور ذائقہ

وغیرہ کی طرح کسی دوسرے کے سہارے قائم نہیں بلکہ خود اپنا پیکر اور ہیکل مستقل رکھتی ہیں کہ یہی معنی جوہر کے ہیں اس طرح گویا ان افراد میں جوہریت کی نمائش ہو رہی ہے۔ پھر جوہر اور غیر جوہر (عرض) گویا قائم بنفسہ اور قائم بغیرہ اشیاء مل کر ایک انتہائی ہمہ گیر کلی اور کلی الکلیات جنس اعلیٰ کے نیچے سمٹ آتی ہیں۔ جس کا نام وجود ہے کہ اس سے اوپر اور اس سے زیادہ اعمؔ و اشمل کوئی کلی نہیں کیونکہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر بلا استثناء صرف وجود ہی چھایا ہوا ہے جس سے کوئی جوہر و عرض کوئی نامی غیر نامی کوئی جسم غیر جسم اور خلاصہ یہ کہ موالید ثلاثہ مقولات عشرہ فلکیات سبعہ۔ اور مجردات غیر محصورہ کا کوئی فرد اور فرد کا کوئی جزو اور جزو کا کوئی حصہ وجود کے احاطہ سے باہر نہیں۔ اور جبکہ وجود اُس بادشاہ مطلق کا عین ذات اور خانہ زاد ہے تو حاصل یہ نکلا کہ کائنات کے تمام لاتعداد اجزاء بواسطۂ افراد اور افراد بواسطۂ انواع اور انواع بواسطہ اجناس اور اجناس بواسطۂ وجود ذات بابرکات حق سے وابستہ اور حکم وجود کے نیچے آئے ہوئے ہیں گویا ہر تفصیل اپنے اجمال سے پھیل رہی ہے اور ہر اجمال اپنی تفصیل سے سمٹ رہا ہے پس عالم میں جس قدر بھی حرکت اور بالفاظ دیگر جتنی بھی زندگی ہے وہ وجود ہی کی آمد و شد اور درآمد برآمد سے ہے۔ کبھی مرکز وجود سے وجود اپنے محیط کی طرف جاتا ہے اور کبھی محیط سے واپس آکر مرکز کی طرف لوٹتا ہے اس آمد و رفت کے تموج اور وجود کی انقباضی اور انبساطی ٹکروں سے مکونات کے نئے نئے نقشے اور ممکنات کے نو بہ نو ڈیزائن عالم ظہور میں آرہے ہیں جن میں کو ہو ہو کر وجود با جود اپنے کمالات دکھا رہا ہے اور ان مرتب اور سلسلہ وار

مافوق اور ماتحت کلیات کے مخفی واسطوں سے وجود ہی اس ہستی کائنات میں اپنا مظاہرہ کر رہا ہے زیادہ کھُلے لفظوں میں یوں سمجھو کہ ساری کائناتِ انفس و آفاق مظہر جمالات حق بنی ہوئی ہے جس سے وجود آلہی کے محاسن و کمالات نوع بنوع ظاہر ہو رہے ہیں گویا وجود کے سوا کہیں کچھ ہے ہی نہیں۔ کہ ہونا نام وجود ہی کا ہے نہ کہ عدم کا۔ پس جو ہے وہ وجود کے سوا اور کیا ہے۔؟

ہر چہ دیدم در جہاں غیرِ تو نیست
یا توئی یا خوئے تو یا بوئے تو

سنریھم آیاتنا فی الآفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربك انہ علی کل شئ قدیر	ہم عنقریب انکو اپنی نشانیاں انکے گردونواح میں بھی دکھائینگے اور خود انکی ذات میں بھی یہانتک کہ ان پر ظاہر ہوجائیگا کہ یہ قرآن حق ہے کیا آپکے رب کی یہ بات کافی نہیں کہ وہ ہر چیز کا شاہد ہے،

حکمت سے پیدا شدہ نتائج | غرض کس کمال کی تنظیم و ترتیب ہے کہ عالم کی لا تعداد کثرتیں سلسلہ وار ایک وحدۃ کی طرف سمٹتی ہوئی دوڑ رہی ہیں اور صرف ایک وحدۃ حقیقی ان ساری کثرتوں میں پھیلتی ہوئی جلوہ گری کر رہی ہے اور کائنات کا ایک ایسا مرتب نظام قائم ہے کہ کوئی ایک ذرہ اور تنکا اپنے سلسلہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہو سکتا یعنی ایک قہرمانی طاقت کی گھور کے نیچے سارے جہانوں کا ہر ہر جزو اپنے کل سے اور ہر ہر فرد اپنی کلی سے اس طرح بندھا ہوا ہے کہ اُسے ہلنے یا سرکنے کی مجال نہیں۔

خدا کی حکومت فطری اور طبعی ہے | یہاں سے ایک یہ لطیفہ خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر خدا کی یہ حکومت محض جبری یا غیر طبعی نہیں کہ اجزاء کائنات کے خلاف مرضی و پسندیدگی زبردستی اُن پر حاکمانہ قبضہ کر لیا گیا ہو اور وہ دل سے اس

حکومت کو پسند نہ کرتے ہوں کہ من حیث الحکومت نہ ایسی جبری حکومت پسندیدہ ہوتی ہے اور نہ زیادہ دیر تک برقرار ہی رہتی ہے۔ یا حکمراں نہیں رہتا یا رعیت ختم ہو جاتی ہے۔ خدائے حلیم کی یہ حکومت مطلقہ باوجود اپنے بے انتہا غلبہ و اقتدار اور لازوال تسلط و استیلاء کے پھر بھی اس درجہ اخلاقی اور محبوب القلوب حکومت ہے کہ ذرہ ذرہ اُس کا گرویدہ اور اُس کی حکومت کے زیر سایہ رہنے کا شائق ہے ایک لمحہ کے لئے بھی کسی ممکن اور مکون کو گوارہ نہیں کہ اُس کی حکومت سے باہر نکل آنے کا تصور بھی کرے جس کا راز یہ ہے کہ عالم کے ہر موجود کو وجود بالطبع مرغوب و مطلوب ہے اور عدم بالطبع مکروہ و مبغوض ہے کونسی چیز ہے کہ اپنی نیستی اور عدم کی خواہش مند ہو اور کونسی چیز ہے کہ دل سے وجود کی گاہک اور خواہش مند نہ ہو۔؟ پس ہستی اور وجود کی کلّی کے ماتحت اور اُس کے حکم کے نیچے رہنا ہر شے کا طبعی تقاضا ہوا اور ابھی یہ واضح ہو چکا ہے کہ وجود اُس مالک الملک کا عین ذات ہے تو خود بخود ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ اللہ ہی کے حکم کے نیچے رہنا ہر شے کو طبعاً محبوب اور اُس کا فطری تقاضا ہے۔ پس اللہ کی حکومت کامل اقتدار اور جبر و تسلط کے باوجود بھی اخلاقی اور طبعی ہے جس سے ساری رعایا یعنی ساری مخلوق کو طبعاً محبت اور رغبت ہے۔ پس اُس غالبِ مطلق نے اپنا حکم باوجود جبر کامل کے جبراً نہیں چلایا بلکہ سب کو اپنے سے راضی اور مربوط رکھ کر اور اپنا گرویدہ بنا کر چلایا ہے۔ پس یہ ساری کائنات باوجود ما بینی دشمنی اور باہمی منافرت کے چونکہ ایک محبوب مرکز سے طبعاً وابستہ ہے اس لئے آپس میں بھی جڑی ہوئی ہے

غیر خدا کو حکومت کا حق ہی نہیں	اور ساتھ ہی جب کہ کائنات کی ہر چیز تا بقاء وجود وجود

کی نسبت بے درم اور اُس موجود مطلق کی عاشق صادق ہے۔ اس لئے قدرتی طور پر خدا کی حکومت کے سوا کسی کی حکومت بھی فطری اور محبوب نہیں ہو سکتی اس سے واضح ہو گیا کہ خدا کی حکومت صرف اجسام ہی پر نہیں بلکہ ارواح پر بھی ہے۔ قوالب ہی پر نہیں بلکہ قلوب پر بھی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ ایسی حکومت کسی بھی غیر اللہ اور مخلوق کی نہیں ہو سکتی کہ یہ طبعی محکومی وجود کی محبت کے سبب سے ہے اور وجود کی باگ ڈور کسی مخلوق کے قبضۂ قدرت میں نہیں۔ نہ کوئی وجود کا مالک ہے نہ تصرفات وجود کا۔ اس لئے حکومت بھی بلا شرکت غیرے صرف خدا ہی کا حق ثابت ہوتی ہے جس میں کسی غیر کی ادنیٰ مداخلت شامل نہ ہو۔

غیر خدا کی حکومت ہی موجب فساد کائنات ہے

اسی سے خود بخود یہ بھی کھل جاتا ہے کہ اس کائنات میں امن وسلامتی اُسی وقت تک رہ سکتی ہے جب تک کہ یہ ساری اشیاء اپنے نوعی مزاجوں کو لے کر صرف اُسی کے قانون فطرت پر چلتی رہیں کہ ٹکراتی بھی رہیں اور وابستۂ نظام حق بھی رہیں کہ یہی صورت عالم کی بقاء وترقی کی ہے ورنہ قانون قدرت سے کٹ کر اگر یہ اشیاء صرف اپنے اپنے نوعی مزاج کی انفرادیت کے ساتھ خود ہی حاکم ومحکوم ہو جائیں تو یہی اس کائنات کا اندرونی فساد ہوگا۔ جس سے اس کے سارے اجزاء باہم ٹکرا کر فنا ہو جائیں گے۔ اور وہ اجتماعی منافع برباد ہو جائیں گے جن کے لئے یہ کائنات استوار کی گئی ہے۔ بہر حال اس سے واضح ہے کہ کائنات خدائی نظام ہی سے منظم بھی ہے خدائی حکمت سے ہی انتہائی طور پر سلسلہ وار مرتب بھی ہے اور اس مرتب سلسلہ کی بدولت آخر کار اُسی کی طرف رجوع کر کے ہر شے اُس کی حکمت کی ثنا خواں بنی ہوئی ہے۔

سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔	يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ

تدبیر الٰہی پھر اس بے مثال حکمۃ نظری کے مطابق اُس مالک الملک کے حسنِ تدبیر کا یہ عالم ہے کہ اسباب میں لپٹے ہوئے نتائج اپنی تدریجی رفتار سے ٹھیک مقررہ ساعتوں میں نمودار ہو رہے ہیں اور ہر مقصد اور نتیجہ کے لئے اسباب ومسببات کا ایک طویل وعریض سلسلہ پھیلا ہوا ہے جس سے گذر کر تدبیر الٰہی اُس آخری مقصود کو سامنے لے آتی ہے جس کے لئے یہ سلسلۂ اسباب دیر سے مہیا کیا گیا تھا گویا ہزارہا حوادث کے مرتب سلسلہ میں کوئی مخصوص حادثہ مقصود اصلی ہوتا ہے جس کیلئے اسباب ونتائج کا لمبا سلسلہ لمبے وقت سے شروع کیا جاتا ہے اور وہ بالآخر تدبیر الٰہی کے ماتحت اُس آخری نتیجہ پر آکر رُکتا ہے جس کے لئے یہ مسلسل واقعاتی تمہید اُٹھائی گئی تھی مثلاً آسمان سے پانی اُترا اُس سے زمین زندہ ہوئی زمین پر سبزہ آغاز ہوا پھل پھول نمایاں ہوئے اُن سے جانور اور انسان پلے اور ہر ایک کی نوعی طبیعت کے مناسب اُس میں خواص وآثار پیدا ہوئے۔ سانپ نے اپنی غذا کھائی اور شبنم چاٹی اُس سے سانپ کے منہ میں زہر کا ذخیرہ مہیا ہوا اُسے ڈسنے کا ذوق پیدا ہوا اور اُس نے کسی کو ڈس کر زہر کا انجکشن کیا زہر سرایت کر جانے سے اس شخص کی موت واقع ہوئی میت کی لاش تماشا گاہ بن گئی اور لوگ جمع ہو کر افسوس کرنے لگے یہانتک کہ اُسے دفن کر دیا گیا پس آسمان سے ایک سلسلہ چلا اور زمین پر پہونچ کر مختلف رنگوں سے اُس کے مخفی اور مجمل حقائق کھلے

اس مدبرانہ ترتیب واقعات سے کس قدر معنوی اور حسی نتائج متعلق ہو سکتے تھے جن کے لئے یہ واقعاتی تمہید اٹھائی گئی۔؟ اس کا کون احصار کر سکتا ہے۔؟ تاہم اتنا واضح ہے کہ اس واقعاتی سلسلہ سے مثلاً میت کی تعزیر مقصود تھی۔ تماش بینوں کی عبرت مقصود تھی۔ آسمانی تاثیرات کا اظہار مقصود تھا۔ زمینی تاثرات کا ایضاح مدنظر تھا۔ سانپ کی خاصیت دکھلانی مقصود تھی۔ کسی کو غذا دینا مقصود تھا کسی کی غذا ختم کرنا مقصود تھا۔ کسی کو تدبیر و حکمت کا علم کرانا مقصود تھا کسی کی لاعلمی ظاہر کرنی مقصود تھی پس ایک ہی واقعہ سے کسی مستحق کا مفاد نکلا اور کسی مستوجب کا ضرر واقع ہوا کسی کو تنبیہہ ہوئی کسی کی طبعی خاصیت کھلی کسی کی تاثیر ظاہر ہوئی اور کسی کا تاثر کسیکا فعل نمایاں ہوا اور کسیکا انفعال۔ پس اس ایک واقعہ میں۔ تعزیر۔ عبرت۔ موعظت۔ اظہار خاصیت۔ تربیت مخلوق احیاء و اماتت نفع و ضرر تعلیم و تنبیہ وغیرہ کتنے ہی اہم امور لپٹے ہوئے تھے جن کے مجموعہ سے خدا کی شان حکمۃ و تدبیر کا ظہور ہوا اور اس تدبیر کے ماتحت مجملات کی کتنی ہی تفاصیل کھل کر عام نگاہوں کے سامنے آگئیں۔ جو تدبیر کا حاصل ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ۔	وہ ہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے دلائل کو صاف صاف بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کے پاس جانیکا یقین کر لو۔

ظاہر ہے کہ جب انہی چار چیزوں حکم و نظم۔ اور حکمۃ و تدبیر کے مجموعہ کا نام حکومت اور بادشاہت تھا اور یہ چاروں وصف اس خداوند ذوالجلال و الاکرام کے خانہ زاد اور دریوزہ گر ہیں تو پھر اسکے سوا کون ہے کہ زمین و آسمان کی بادشاہت اور حکومت مطلقہ کا حقدار ہو۔؟

آسمانی بادشاہت کی اندرونی حقیقت

حکومت کی باطنی حقیقت | بہرحال اب حکومت کی حقیقت کا خلاصہ یہ نکلا کہ جسمیں نظم ہو یعنی اشیاءِ عالم اور اُنکے افعال وخواص نے برمحل اور بروقت رونما ہونیکے سبب ایک موزوں ھیئۃ اجتماعی اختیار کرلی ہو حکمۃ وتدبیر ہو یعنی یہ منظم ہیئۃ اجتماعی اپنے اصول وفروع اور نتائج خیز ترتیب کے ساتھ سلسلہ وار مرتب بھی ہو اور حکم ہو یعنی اس منظم اور مرتب سلسلہ میں قاہرانہ تصرفات ہورہے ہوں جنمیں عجز وکسل کا شائبہ تک نہو۔ حکمرانی کی اس ماہیت کا حاصل بالفاظ دیگر یہ ہے کہ موجودات عالم کا موزوں اجتماعی ڈھانچہ بنانا یعنی اُنکی ہیئۃ ظاہری کو وجود دینا۔ پھر اُس ہیئۃ میں چھپی ہوئی باطنی صلاحیتوں کو بذریعہ ترتیب مبادی واسباب اُنکے نتائج سے ہمکنار کرنا یعنی اس نقشہ کو باطنی وجود دینا اور پھر اس وجود کو وقتاً فوقتاً اور محل بمحل حرکت وانتقال میں رکھنا کہ کہیں بتقاضائے استعداد وجود کی درآمد ہو اور کہیں سے بتقاضائے سلب استعداد وجود کی برآمد ہو۔ پس نظم سے تو گویا سلطنت کا ڈھانچہ اور ظاہری وجود بنتا ہے حکمۃ وتدبیر سے اُسمیں جان پڑتی ہے یعنی باطنی وجود بنتا ہے اور حکم سے یہ زندہ ڈھانچہ حرکت میں آتا ہے یعنی اشیاء کائنات کے افعال وخواص عیاں اور نہاں کو وجود ملتا ہے اور وجود کی آمد ورفت اور عطاء وسلب کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ اس لئے حکومت کے ان چاروں اجزاء نظم۔ حکمۃ۔ تدبیر اور حکم میں ساری کارفرمائی وجود کی نکل آتی ہے۔ ظرف وجود بنانا نظم ہوا اور اُسمیں وجود ڈالنا حکمۃ وتدبیر ہوا اور وجود کو چلتا پھرتا کرنا یعنی کہیں وجود دیدیا جسے حیاۃ کہتے ہیں اور کہیں سے کھینچ لیا جسے موت کہتے ہیں حکم اور امر ہوا غرض حکمرانی کا سارا کارخانہ عطاء وجود اور سلب وجود یعنی حیاۃ اور

مماۃ نکل آتا ہی۔ اسلئے حکمرانی کا حاصل ایجاد و اعدام یا عطاء و سلب نکل آتا ہی کہیں ظاہراً اور کہیں باطناً کہیں حسی طور پر اور کہیں معنوی طرز پر، کہیں صورتاً کہیں سیرۃً پس اب غور کرو کہ اس محی و ممیت کی سوا کون ہے کہ وجود و عدم حیاۃ و ممات اور عطاء و منع کی باگ ڈور اسکی قبضۂ قدرت میں ہو اور جب نہیں تو پھر کون ہی کہ علی الاطلاق حکومت کا دعویدار ہو۔ جبکہ حکومت کے معنی ہی عطاء وجود اور سلب وجود یعنی ایجاد و اعدام کے ہیں اسلئے حق تعالیٰ نے اپنا ملک اور اس ساری مملوکہ کائنات پر اپنا قبضہ و اقتدار ثابت کرنے کیلئے موت و حیاۃ پر اپنا قبضہ دکھلا دینا کافی دلیل سمجھا ہی۔ اب اس آیت کریمہ کو پڑھے جسکو ہمنے زیب عنوان کیا ہی تو سلطنت و حکومت کی یہ باطنی حقیقت قرآن کے الفاظ سے نمایاں ہو جائیگی۔

تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ	وہ بڑا عالیشان ہی جسکے قبضہ میں تمام سلطنت ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہی جس نے موت اور حیات کو پیدا کیا۔

یعنی کل عالم پر شاہی اقتدار اسی واحد قہار کا کیوں ہی۔؟ اسلئے کہ عالم کائنات میں سارا جھگڑا حیاۃ و مماۃ اور وجود و عدم کا ہی وجود دیدیا گیا تو ہر چیز نمایاں ہوکر اپنے جوہر دکھلانے لگی وجود چھین لیا گیا تو ہر چیز پردۂ عدم میں مستور ہوکر گم ہوگئی۔ سو جب اشیاء کے وجود و عدم ہی کی باگ ڈور اس شہنشاہ کے ہاتھ میں ہی تو وجود لگی ہوئی اشیاء اس کے سوا کسکے قبضۂ قدرت میں ہو سکتی ہیں اور جب موجودات کی ذوات پر اس کا قبضہ ہے تو پھر ان موجودات کے افعال و احوال خواص و آثار اور تمام متعلقات کسطرح اسکے سوا کسی دوسرے کی قبضہ و اقتدار میں رہ سکتے ہیں پس جب کل عالم اسکا مخلوق و مملوک اسی کا مجعول و مقدور اور اسکے قبضہ و تصرف میں ہے تو پھر بادشاہی اس کائنات پر اسکے سوا کسکی ہو سکتی ہی۔؟ اندریں صورت جہاں بادشاہی تن تنہا اسی کی ثابت ہوتی ہی وہیں ہر ماسوی کی بادشاہت

کی نفی بھی ہو جاتی ہے کیونکہ جب وجود و عدم پر قبضہ کے معیار سے حکومت ثابت ہوتی ہے اور وجود و عدم بلا شرکۃ غیرے صرف اُسی کے ہاتھ میں ہے تو ظاہر ہے کہ ملک و سلطنت میں بھی کسی ماسوی کی ذرہ برابر شرکۃ نہیں ہو سکتی چنانچہ قرآن نے اُسکے ملک و سلطنت سے شرکۃ غیر کی نفی کرتے ہوئے دلیل کے طور پر اُسکی خالقیت یعنی عطاء وجود ہی کو بطور دلیل کے پیش کیا ہے جسکا حاصل مطابقۃً وہی ایجاد اور استلزاماً وہی اعدام ہے۔ ارشاد حق ہے۔

ولم یکن له شریك فی الملك وخلق	اور نہ کوئی اسکا شریک ہے حکومت میں اور اسنے ہر چیز
كل شیءٍ فقدره تقدیرا	کو پیدا کیا پھر سب کا الگ الگ اندازہ رکھا

حکومت الٰہی ذرہ ذرہ سے عیاں ہے

خلاصہ یہ ہے کہ عرش سے لیکر فرش تک یعنی مجموعۂ کائنات کے ذرہ ذرہ اور چپہ چپہ سے جو چیز عمومی اور کلی طور پر نمایاں اور سب سے زیادہ اُسکا ہے وہ بلا شرکت غیرے اُسکی سلطنۃ و شوکۃ اور تنہا اُسی واحد قہار کا استیلاء و اقتدار ہے جو ظاہر سے لیکر باطن تک قالبوں سے لیکر قلوب تک اور علانیہ سے لیکر اسرار و خفیات تک سب پر اسطرح چھایا ہوا ہے کہ کوئی تنکا کوئی پتہ اور کوئی ذرہ اُسکے ایماء و اذن کے بغیر حرکۃ میں نہیں آسکتا۔ پس یوں تو عالم کا ذرہ ذرہ اُسکے کسی نہ کسی کمال کا مظہر اور شاہد عدل بنا ہوا ہے کسی نوع سے اُسکا علم لامحدود کھلتا ہے اور کسی چیز سے اُسکی قدرت بے انتہا کسی چیز سے اُسکی شان ربوبیت و تربیۃ واضح ہوتی ہے اور کسی چیز سے اُسکی شان زاتی وداد و دہش کسی چیز سے شان انعام و اکرام کھلتی ہے اور کسی چیز سے شان جلال و انتقام لیکن مجموعۂ عالم کے ذرہ ذرہ سے جو چیز عمومی طور پر کھلتی ہے وہ اُسکی شان اقتدار و سلطنت اور شان بادشاہی و حکومت ہے۔

بہر حال یہاں تک ہم نے آسمانی بادشاہت اُس کی ماہیت اُسکے اجزاء ترکیبی اُسکی

طبعی ضرورت اور اس بادشاہت کے بادشاہ حقیقی کے چند مرکزی اوصاف و کمالات کی نوعیت جن پر آسمانی بادشاہت کی لازوال عمارت کھڑی ہوئی ہے واضح کئے اور یہ کہ اس محیط الکل اور عمومی بادشاہت کا تنہا حقدار کون ہے اور وہ بھی اس شان سے کہ اگر دنیا کے سارے مجازی مالک اور بادشاہ یکے بعد دیگرے ختم ہوتے رہیں تو ملک کا حقیقی وارث اور مالک کون رہتا رہیگا۔ اور پھر دوسروں کو بھی اگر وراثت دیگا تو کون۔؟ آیا وہ جو مر کر ملک کو چھوڑ جانے والا ہے، یا وہ جو دواماً باقی رہ کر ملک پر قابض و متصرف رہنے والا ہے۔؟ ظاہر ہے کہ وارث حقیقی اور مورث تحقیقی وہی ہوگا جو سب سے پہلے بھی ہے اور سب کے بعد بھی باقی رہنے والا ہے یعنی وہی حی و قیوم اول و آخر اور ظاہر و باطن جل ذکرہٗ و عز اسمہٗ۔

۱۔ انا نحن نرث الارض و من علیھا و الینا یرجعون — تمام زمین اور زمین کے رہنے والوں کے ہم ہی وارث رہ جائینگے اور یہ سب ہمارے ہی پاس لوٹائے جائینگے۔

۲۔ و کم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا فتلک مسا کنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلا و کنا نحن الوارثین۔ — اور ہم بہت سی ایسی بستیاں ہلاک کر چکے ہیں جو اپنے سامان عیش پر نازاں تھے۔ سو (دیکھ لو) یہ ان کے گھر ہیں کہ ان کے بعد آباد ہی نہ ہوئے مگر تھوڑی دیر کیلئے۔ اور آخرکار انکے ان سب سامانوں کے ہمیں مالک رہے۔

۳۔ ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہ — یہ زمین اللہ تعالیٰ کی ہے جسکو چاہیں مالک (و حاکم) بنادیں اپنے بندوں میں سے

آسمانی بادشاہت کے مظاہر شوکت و حشم

ذات بادشاہی کی تعیین اور اُس کے لاشریک غلبۂ و اقتدار کے واضح ہو جانے کے بعد سلطنت کی رسمی تشکیلات کا مرتبہ آتا ہے۔ یعنی ایک مستحکم اور لازوال سلطنت کے لئے جہاں بادشاہ کے ذاتی اقتدار ذاتی کمالات و محاسن اور اعلیٰ ترین فضائل و اخلاق ربوبیت ملاطفہ۔ رحمۃ عامہ ہدایت تامہ اور تدبیر و تفصیل وغیرہ ضروری ہیں جن سے رعیت اپنے بادشاہ کی گرویدہ رہکر احکام شاہی بلاچون و چرا اور بصد طوع رغبت بجالاتی رہے وہیں بادشاہ کے شاہانہ جاہ و جلال اور باضابطہ کر و فر کی ایسی تشکیلات بھی ضروری ہیں جن سے بادشاہ کی عظمت و ہیبۃ رعایا کے قلوب میں جاگزیں رہے جس سے اُن میں بغاوت و سرکشی کا تصور بھی نہ آنے پائے انھیں چیزوں کو ہم نے مظاہر شوکت سے تعبیر کیا ہے۔

مثلاً شاہی کر و فر اور دبدبہ و عظمت ظاہر کرنے کیلئے عادۃً سلاطین۔ انمول تخت و تاج طویل الذیل قباء شاہی۔ بے مثال ایوان شاہی۔ مستحکم قلعہ۔ عظیم الشان دار السلطنت۔ درباروں کے لئے قصر اور وسیع ہال۔ تخت پر جلوس بادشاہی حشم و خدم۔ شاہی باڈی گارڈ۔ فوج دریا موج۔ مجلس ندماء و مصاحبین مقربوں کے لئے۔ شاہی مہمان خانہ۔ مجرموں کے لئے سرکاری جیل خانہ۔ اور ملکی ضروریات کے لئے لائق اعتماد خزانۂ عامرہ جیسی پرشکوہ و حشمت چیزیں اختیار کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن سے عادۃً رعایا کے قلوب اور ممالک غیر یا بغاوت پسند افراد کو متاثر و مرعوب رکھا جاتا ہے اور اس رعب و ہیبۃ ہی کے زیر اثر

رعایا ہر شاہی حکم کی تعمیل میں بقدر ادراک و معرفت اپنے کو مجبور پاتی ہے۔

حق تعالیٰ شانہ اس سارے رسمی کر و فر سے بالاتر اور ان ساری چیزوں سے اُس کی حقیقی عزت وجاہ بے نیاز ہے لیکن شان سلطنت دکھلانے اور ضابطۂ حکومت کے تقاضا کے مطابق اپنی سلطنت و حکومت مطلقہ کے شایانِ شان لوازمِ حکومت اُس نے بھی ترتیب دیئے جنہیں مظاہر شوکت کہنا چاہیئے۔

تخت گاہ شاہی | ان میں سب سے پہلی چیز جس سے حکومت کا ظہور ہوتا ہے حکومت کا مستقر اور دار السلطنت کے لئے موقعہ کا انتخاب ہے جس کی آب و ہوا منتخب ہو اور جس کو محل وقوع کے لحاظ سے ایسی مرکزیت حاصل ہو کہ اُس کی نسبت پورے ملک سے مساوی ہو تاکہ تدابیر ملکی وہاں سے چل کر بیکدم پورے قلمرو میں پھیل سکیں سو حضرت مالک الملک جل و علا نے پہلے پائگاہ یا تخت گاہ کا انتخاب فرمایا اُسکے لئے پانی کو پیدا کیا تاکہ اُسے عرش گاہ قرار دیا جائے۔ گویا پائگاہِ سلطنت کے لئے یہ زمین کا انتخاب تھا۔ بادشاہ چونکہ لطیف و خبیر ہے اس لئے اُس نے زمین بھی کثیف ہونے کے بجائے لطیف ترین تجویز فرمائی کہ پانی خود بھی لطیف ہے اور حیاۃ جیسی لطیف چیز کے لئے بنیادی جوہر ہے کہ ہر چیز اسی سے زندہ بلکہ ہر چیز کا مادّہ بھی اُسی سے پیدا شدہ ہے پانی ہی کی تلطیف سے ہوا اور دخان پیدا ہوتا ہے جس سے آسمان بنایا گیا ہے اُسی کی تکثیف سے مٹی بنتی ہے جس سے زمین بنی اور اُسی کے تصادم سے آگ نکلنی شروع ہو جاتی ہے جس سے سورج و ستارے تیار ہوئے۔ پس اُس بادشاہ حقیقی کی تخت گاہ کے لئے جو ہر چیز کا موجد ہے ایسے ہی جوہر لطیف کی ضرورت تھی جو ہر چیز کے لئے مبدأ وجود اور منشا حیاۃ

ثابت ہو۔ اور زمین و آسمان کی خلقت اسی سے ہوئی ہو جس کے اندر کائنات سمائی ہوئی ہے۔ بدیں لحاظ یہ شاہی تخت گاہ ساری ہی کائنات کی اصل ثابت ہوئی اس لئے تخت شاہی کے اصل عالم پر قائم ہو کر عالم کے لئے امرگاہ ہونا موزون تر ثابت ہوا۔

وجعلنا من الماء کل شیئ حی ۔ ہم نے ہر زندہ چیز پانی ہی سے بنائی ہے (یعنی ہر چیز کو حیاۃ پانی ہی سے بخشی ہے)

تخت شاہی

پس اس لطیف و طاہر جوہر پر جو دوسری اشیاء کو بھی پاک بنانے والا مادہ ہے بادشاہ حقیقی نے اپنا تخت سلطنت قایم کیا جسے عرش عظیم کہتے ہیں۔

عن ابی رزین لقیط بن عامر العقیلی انہ قال یا رسول اللہ این کان ربنا قبل ان یخلق خلقہ قال کان فی عماء ما فوقہ ھواء وما تحتہ ھواء ثم خلق عرشہ علی الماء (مسند احمد البدایۃ النہایہ ج ۱)

ابو رزین لقیط بن عامر عقیلی فرماتے ہیں کہ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہمارا پروردگار کہاں تھا؟ فرمایا پتلے بادل میں تھا کہ اس کے اوپر بھی ہوا تھی اور نیچے بھی ہوا تھی پھر اس نے اپنا عرش (تخت) پانی پر بنایا۔

تخت نشینی سے قبل کا شاہی جھروکہ

اس حدیث سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ تخت شاہی پر جلوس سے قبل یعنی نظام حکومت قائم کرنے سے پیشتر بادشاہ مطلق کس مقام پر تھا سو اس حدیث نے اس مقام کی تشخیص کرتے ہوئے تبلایا ہے کہ وہ پتلا بادل تھا۔ اور حق تعالیٰ اس میں جلوہ فرما تھا۔ ظاہر ہے کہ جب عرش الٰہی کے لئے جاء قرار پانی کو قرار دیا کہ وہ لطیف ترین عناصر تھا تو ذات الٰہی کے لئے مقام ظہور پانی سے بھی زیادہ لطیف چیز ہونی چاہیئے تھی سو وہ پتلا بادل ہے کیونکہ پتلا بادل درحقیقت پانی کا بھی لطیف جوہر ہے جسے مانسون کہتے ہیں جو بالآخر پانی ہو کر برستا ہے۔ پس اگر پانی

اشیاء کائنات کے لئے مادۂ حیات ہے تو یہ مانسون خود پانی کے لئے سرچشمۂ حیاۃ ہے اگر یہ نہ ہو تو پانی بہنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس لئے اگر عالم کا مادۂ حیات یعنی پانی تخت الٰہی کا مستقر بنا تو خود پانی کا مادۂ حیات وقرار بلاشبہ ذات الٰہی کا جلوہ گاہ بننا چاہیئے تھا۔ اور اگر پانی اس وجہ سے اول مخلوق ہے کہ وہ مخلوقات کا مادۂ زندگی تھا تو پتلا بادل اور مانسون اس لئے اول اشیاء ہونا چاہیئے تھا کہ خود پانی اُسی کے طفیل سے جنم لیتا ہے، بہرحال حق تعالیٰ چونکہ اول الاوائل ہے اس لئے اُس نے عالم کی اولیت اور آغاز کے لئے اوائل ہی کو پسند فرمایا۔ پتلا بادل اول الاشیاء تھا تو اُسے اپنا جلوہ گاہ قرار دیا۔ پانی اول مخلوقات تھا تو اُسے اپنا تخت گاہ قرار دیا۔ اور مرکبات میں عرش اول کائنات تھا تو اُسے اپنا حکومت گاہ قرار دیا۔

مظروفیت باری کا شبہ اور اُس کا جواب

یہاں ایک شبہ اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تخلیق عالم سے پہلے ذات حق پتلے بادل میں تھی تو اس سے تو اُس کی محدودیت اور مظروفیت ثابت ہوتی ہے جس سے اُسکی صفۃ احاطہ کہ وہ ہر شئے کو محیط ہے باطل ٹھہر جاتی ہے پھر نہ صرف یہی بلکہ عین خدائی کی بھی نفی ہو جاتی ہے کیونکہ جو شئے محدود ہو اور اُس کی حدود سے باہر دوسری اشیاء کا وجود ہو جو خدا کی حدود سے خارج وباہر ہے تو وہ خدا نہ رہی خدا تو ہے ہی وہ جو ہر قید وبند اور احاطہ وحد بندی سے بری وبالا اور لامحدود ہو اور کوئی بھی موجود شئے اُس کی حدود سے باہر نہ ہو۔ پس کہاں تو حدیث کی غرض خدائی کا اثبات اور اُس کے خالق الکل ہونے کا اقرار تھی اور کہاں اُس سے ثابت ہو گیا انکار خدائی جو قلب موضوع ہے؟

سو اس کا اصل جواب تو یہ ہے کہ یہ حدیث متشابہات میں سے ہے۔ پتلے بادل کے کیا معنی ہیں؟ اُس میں خدا کے ہونے کی کیا کیفیت ہے؟ اسے اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ اور اپنی مراد کا حقیقی علم اسی کو ہے۔ نہ کوئی اُس کی کنہ اور حقیقت کو سمجھ سکتا ہے نہ اس کی کوشش کرنی چاہئے کہ یہاں رائے زنی کی مجال ہی نہیں اس لئے متشابہات کے بارہ میں اسلم طریقہ یہی ہے کہ اُس کی مراد کو اُسی کے سپرد کر کے ایمان لے آنا چاہئے۔ اگر ہم ان حقائق کی تفصیلات پر مطلع نہ ہو سکیں تو کوئی ضرر نہیں کہ قیامت میں ہم سے اُن تفصیلات کے بارہ میں کوئی سوال نہ ہو گا۔

لیکن جب کہ ایک خاص موضوع کے سلسلہ سے یہ حدیث عام نظروں کے سامنے آرہی ہے اور طبعی طور پر سوالات کا یہ سلسلہ دلوں میں پیدا ہوتا ہے کہ عماء کیا چیز ہے۔؟ اور خدا کے اُس میں ہونے کے کیا معنیٰ ہیں۔؟ اور اگر اس کو اسی طرح بادل میں مان لیا گیا تو خدا کے کسی ظرف میں محدود اور مقید ٹھہر جانے کا کیا جواب ہو گا؟ وغیرہ وغیرہ۔ پھر ان سوالات و خلجانات کے ماتحت بہت سے افراد از خود ہی اپنے ذاتی فکر سے حقیقت کی تلاش میں سرگرداں بھی ہو جائیں گے اور نہ معلوم کہ اُن کے تفکر اور آخر کار تحیّر کا کیا نتیجہ نکلے؟ اس لئے طمانینت قلوب کے لئے چند تشریحی جملے عرض کئے بغیر چارہ کار نظر نہیں آتا۔ جن کا مقصد صرف حدیث کی تشریح ہو گی اور وہ بھی رفع شکوک کی حد تک۔ حقائق حدیث پر کوئی کلام نہیں کیا جائے گا۔ اگر تحقیقِ معارفِ حدیث کا کسی کو شوق دامنگیر ہو تو رسالہ حلِ بنیت العماء دیکھنا چاہئے جو حضرت جدّی و سندی قاسم العلوم والخیرات حضرت

مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ بانی دار العلوم دیوبند کی لطیف ترین تصنیف ہے اور اسی حدیث ابی رزین کی تشریح و تحقیق کے طور پر لکھی گئی ہے۔ توفیق رفیق ہوئی اور اسباب نے مساعدت کی تو ممکن ہے کہ اُس کو عنوانات اور تشریحی نوٹوں کیساتھ مزین کر کے قریب ہی میں شائع بھی کیا جا سکے۔

بہر حال اس حدیث پر جو کھلا شبہ واقع ہوتا ہے اُس کا حاصل یہی ہے کہ قبل از تخلیق عالم ذات حق کے عما (پتلے بادل) میں ہونے سے حق تعالیٰ کا کسی ظرف میں محدود و مقید اور اندرون احاطہ ہونا لازم آتا ہے حالانکہ محدود چیز خدا نہیں ہو سکتی۔ خدا ہے ہی وہ جو ہر قید و بند اور ہر احاطہ سے بری و بالا اور لا محدود ہو۔ پس حدیث کی غرض تو تھی خدا کی خدائی اور اُس کے خالق الکل ہونے کا اثبات اور نکل آتا ہے خدائی کا انکار جو بلا شبہ قلب موضوع ہے۔

جوابِ شبہ کے دو طریقے

اس شبہ کے جواب کے دو طریقے ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ عما یعنی پتلے بادل کو تو اُس کے اصلی معنی پر رکھا جائے مگر حق تعالیٰ کے اُس میں ہونے کے ایسے معنے بیان کئے جائیں کہ یہ ظرفیت کا شبہ جاتا رہے۔ دوسرے یہ کہ ذات حق کو تو ظاہری معنی ہی کے ساتھ پتلے بادل میں مانا جائے مگر پتلے بادل کے کوئی ایسے معنی بیان کئے جاویں کہ ظرفیت کا وسوسہ نہ گذرے سطور ذیل میں دونوں قسم کی توجیہات کو لیا گیا ہے جواب کی صورت اول یہ غور کیجئے کہ۔

جواب کا طریقۂ اوّل

بادل میں ذات نہ تھی عکس ذات تھا

حدیث میں عما یعنی پتلے بادل کو اُس کے اصلی ہی معنی

پر رکھا جائے اور پھر ذات حق کو اُس کے اندر مانا جائے۔ لیکن اس وقت ذات
کے اُس میں ہونے کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ خود بنفسہ حق تعالیٰ اُس کے اندر تھے
یا بادل نے اُن کی ذات کو چاروں طرف سے گھیر رکھا تھا جس سے مظروفیت
حق کا شبہ گذرے بلکہ یہ ہوں گے کہ اس پتلے بادل میں اُن کا عکس نمایاں تھا۔
جسے تجلی کہتے ہیں۔ یعنی قبل از تخلیق عالم ذات حق کی تجلی پتلے بادل پر ہوئی اور اظہار
کمالات کے لئے مظہر تجلی یا تجلی گاہ اُسے قرار دیا گیا۔ یہاں دو بحثیں پیدا ہوتی ہیں۔
ایک یہ کہ ساری مخلوقات میں سے اولیت کے ساتھ پتلے بادل ہی کو اپنی تجلی اور
اور اپنا عکس ڈالنے کے لئے کیوں منتخب فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ تجلی اور عکس خداوندی
کس طرح کسی مخلوق میں نمایاں ہو سکتا ہے۔؟

اولین تجلی گاہ بادل کیوں بنا

پہلی بحث کا جواب یہ ہے کہ یہ پتلا بادل جو درحقیقت آب معلق ہے جسے
مانسون بھی کہتے ہیں اول تو اپنی ذات سے لطیف ترین عنصر ہے دوسرے
تمام عنصری کائنات کی پیدائش کا مادۂ اولین اور مادۂ حیات ہے جیسا کہ وجعلنا
من الماء کل شیئ حی اس پر شاید عدل ہے۔ پس جو چیز اپنی ذات سے تو لطیف ہو
اور اپنے ماسوا کے لحاظ سے مادۂ حیات ہو تو اُسے ذات بابرکات خداوندی
سے ایک نسبتہ خاص پیدا ہو جاتی ہے کیونکہ خود ذات اقدس جل ذکرہٗ بھی اپنی ذات
سے لطیف مطلق اور ماسوا کے لئے موجد و مبدأ حیات ہے اس خاص مناسبتہ کے
سبب سے تمام اشیاء کائنات میں سے اُسے تجلی گاہ بنانے کے لئے منتخب فرمایا گیا۔
نیز اگر دوسری اشیاء کائنات تجلی گاہ بنائی بھی جاتیں تو اُسی وقت جب کہ
وہ پیدا ہو لیتیں۔ اور پیدا جب ہوتیں جب مادۂ حیات موجود ہو جاتا اور مادۂ

حیاۃ بھی پانی تھا جس کا نام پتلا بادل ہے۔ چنانچہ اسی لئے یہ اولین مخلوق ہو جس سے پھر دوسری مخلوقات پیدا کی گئیں اس لئے قدرتاً اولین تجلی گاہ بھی یہی ہو سکتا تھا جو اولین کائنات تھا۔ نہ کہ دوسری اشیاء کائنات۔

تجلی کی واضح مثال

پس اس صورت میں کہ پتلے بادل میں عکس جمال خداوندی نمایاں تھا خود ذات نہ تھی۔ ذات کی مظروفیت یا لامحدود ذات کی محدود میں سمائی کا خلجان تو دور ہو گیا مگر یہ سوال پھر بھی باقی رہا کہ اس لامحدود ذات کے عکس و تجلی اور بالفاظ دیگر اُس کی عکس تصویر کو جو اُس ذات کے مناسب شان ہی ارفع و اعلیٰ ہے پتلا بادل جو اُس کی نسبت سے حقیر و ذلیل ہے اپنے اندر کیسے اُتار سکتا ہے۔؟ اور یہ عظیم المرتبت عکس اس دنی المرتبت مخلوق میں کس طرح نمایاں ہو سکتا ہے۔؟ سو یہ شبہ اس سے پیدا ہوا ہے کہ تجلی کی ظرفیت کو اصل شے کی ظرفیت پر قیاس کر لیا گیا ہے۔ حالانکہ خود محسوسات اور اجسام کے عکس و تجلی کی ظرفیت کو بھی خود ان کی ظرفیت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ چہ جائیکہ روحانیات اور ان سے بھی اوپر مغیبات میں ذات بابرکات حق کی تجلی کی مظروفیت کو اجسام کی ظرفیت پر قیاس کیا جائے۔؟ جس کی وجہ یہ ہے کہ اصل کی ظرفیت سے عکس کی ظرفیت بوجوہ مختلفہ برعکس ہوتی ہے جن میں باہم کوئی وجہ قیاس نہیں ہوتی۔

تجلی اور انعکاس کی خصوصیات

ظرف تجلی کا مظروف سے بڑا ہونا ضروری نہیں

مثلاً اجسام کی ظرفیت میں تو ظرف بڑا ہونا چاہئے اور مظروف چھوٹا جو اُس میں سما جائے لیکن تجلیات کی ظرفیت میں قصہ

برعکس بھی ہوسکتا ہے کہ ظرف چھوٹا ہو اور مظروف بڑا۔ اجسام میں ظرف اپنے مظروف کو احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے اور مظروف ظرف کے احاطہ اور گرفت میں ہوتا ہے۔ لیکن تجلیات میں خود ظرف بھی مظروف کے احاطہ اور گرفت میں ہوسکتا ہے آفتاب عالمتاب اور زمین و آسمان جیسے عظیم الجثہ اجسام کی ضخامت اور بڑائی کو دیکھئے اور ان کے مقابلہ میں فٹ بھر کے آئینہ کی خوردی اور حقارت کو دیکھئے لیکن اسی عظیم الجثہ آفتاب کی تجلی اور اُس کا پورا پورا عکس اس چھوٹے سے آئینہ میں اس طرح اُتر آتا ہے کہ اُس کا ایک کنارہ بھی چھوٹنے نہیں پاتا پس عکس آفتاب آفتاب کی عکسی صورت ہے جو بلاشبہ اصل صورت سے متحد ہے اور اسی لئے اس عکس کو دیکھکر ہم اصل آفتاب کی شکل پہچان لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ لو آفتاب آئینہ میں آگیا۔ اگر یہ عکس اصل صورت سے متحد نہ ہو بلکہ مغائر ہو تو اصل صورت کے لئے عکس ذریعہ تعارف نہیں بن سکتا اور ظاہر ہے کہ جب اصل صورت آفتاب آئینہ سے کہیں زیادہ بڑی ہے تو بلاشبہ عکس ہی بوجہ اتحاد مذکور آئینہ سے بڑا ہونا چاہئے مگر باوجود اس واجبی بڑائی کے چھوٹے سے آئینہ میں سما گیا جس سے واضح ہو گیا کہ تجلیات کی ظرفیت کا قصہ اجسام کی ظرفیت کے برعکس ہے اجسام کی ظرفیت میں ظرف کا بڑا ہونا اور مظروف کا چھوٹا ہونا ضروری ہے لیکن تجلیات میں یہ ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ مظروف بڑا اور ظرف چھوٹا ہو۔

ظرف تجلی کے تعدد سے مظروف کا تعدد ضروری نہیں

اسی طرح مثلاً اجسام کی ظرفیت کے سلسلہ میں ایک جسم بیکدم کئی کئی ظرفوں میں نہیں سما سکتا جب اُسے ایک ظرف سے دوسرے ظرف میں لانا چاہیں گے تو پہلے ظرف میں سے نکال کر لاسکینگے

یہ ناممکن ہے کہ وہ پہلے ظرف میں بھی رہے اور دوسرے میں بھی آجائے۔ لیکن تجلیات کی ظرفیت میں قصہ برعکس ہے۔ یہاں یہ بھی ممکن ہے کہ ایک عکس کئی کئی ظرفوں میں یکدم نمایاں ہوجائے۔ اگر ایک شفاف آئینہ ایک مکان کے سامنے کردیا جائے تو بلا شبہ مکان کا عکس آئینہ کے ظرف میں آجائے گا لیکن اگر اس عکس کو دوسرے آئینہ کے ظرف میں لانا چاہیں تو ضروری نہیں ہے کہ پہلے آئینہ کو عکس سے خالی کیا جائے تب یہ عکس دوسرے آئینہ میں آئے نہیں بلکہ بیکدم دونوں آئینے ایک ہی عکس کو نمایاں کریں گے۔ گویا ظرف کئی اور مظروف ایک۔

ظرف بھی بحالت ظرفیت مظروف بھی ہوسکتا ہے

ساتھ ہی اجسام کی ظرفیت میں ظرف اپنے مظروف کو گھیرے ہوئے ہوتا ہے اور مظروف گھرا ہوا ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ طشت میں پانی ہو اور جبکہ طشت نے پانی کو گھیر کر اپنے اندر لے رکھا ہو تو اُسی حالت میں وہ پانی طشت کو گھیرے ہوئے ہو یعنی ظرف مظروف نہیں بن سکتا اور مظروف ظرف نہیں ہوسکتا۔ لیکن تجلیات کی ظرفیت میں اس کا بھی عکس ممکن ہے کہ جو چیز عکس کو گھیرے ہوئے ہو وہ چیز خود اُس کی صورت سے گھری ہوئی بھی ہو۔ ایک مکان کے وسط میں آپ ہشت پہلو آئینہ رکھ دیجئے تو مکان کی ساری سمتیں اُس آئینہ میں جلوہ گر ہوجائیں گی گویا سارا مکان آئینہ کے اندر آجائے گا۔ لیکن اُسی حالت میں خود آئینہ مکان سے گھرا ہوا بھی ہوگا جو اسی عکس کا اصل ہے اور وسط مکان میں رکھا ہے۔ پس یہاں ظرف مظروف بھی ہے اور مظروف ظرف بھی بنا ہوا ہے۔

غرض اجسام میں ظرف کی بڑائی اور مظروف کی چھوٹائی ضروری ہے عکس و تجلی میں ضروری نہیں۔ اجسام میں ایک مظروف دو ظرفوں میں بیکدم نہیں سما سکتا

تجلیات میں یہ بھی ممکن ہے۔ اجسام میں ظرف مظروف اور مظروف ظرف نہیں ہوسکتا تجلیات میں یہ بھی ممکن ہے پس جب کہ ان مادی اجسام کی تجلی اور عکس کی ظرفیت کو خود اجسام کی ظرفیت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا تو پھر تجلّیٔ آلٰہی کو اجسام تو اجسام ان اجسام کی تجلی پر بھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اُس کی لطافتیں اور پاکیزگیاں تو اپنی لا محدودیت کے ساتھ ان سب سے وراء الورا ہیں۔

تپلے بادل میں عکس خداوندی کیسے اُتر آیا ـــ؟

پس اب ان مذکورہ تجلیات کی جلوہ گری اور اُن کے عرض کردہ اُصول انعکاس کو سامنے رکھ کر غور کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ اپنی لامحدود عظمت کے ساتھ اس سے بری ہے کہ وہ خود بذاتہ تپلے بادل میں سما جائے یا تپلا بادل اس کے لئے ظرف ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اُس کا عکس اور جلوہ تپلے بادل میں منعکس اور متجلی ہو جائے۔ پس تپلا بادل اگر ظرف بنتا ہے تو ذات کے لئے نہیں عکس کے لئے۔ اور عکس کے سلسلہ میں ضروری نہیں ہے کہ یہ تپلا بادل عکس خداوندی سے بڑا ثابت ہو کیونکہ تجلی کی ظرفیت کے لئے ظرف کا بڑا ہونا ضروری نہیں۔ پس ہوسکتا ہے کہ عکس خداوندی باوجود اپنی پوری عظمت و بڑائی کے پھر بھی اس حقیر اور تپلے بادل میں اسی طرح نمایاں ہو جائے جیسے فٹ بھر کے آئینہ میں عظیم الجثہ آفتاب کا عکس اُتر آتا ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ذات حق کا عکس تو تپلے بادل میں ہو اور خود بادل ذات حق کے احاطۂ لامحدود میں اسی طرح آیا ہوا ہو جس طرح عکس آفتاب آئینہ میں ہوتا ہے اور آئینہ خود آفتاب کے احاطۂ نور میں گھرا ہوا ہوتا ہے۔ پھر اسی طرح یہ بھی ہوسکتا ہے کہ عکس خداوندی کا تپلے بادل میں نمایاں ہونا اُس کے کسی دوسری شے میں نمایاں ہونے سے اسی طرح مانع نہ ہو جس طرح ایک آئینہ

میں عکس آفتاب اُتر آنا اُسی دم دوسرے آئینہ میں عکس اُتر آنے سے مانع نہیں ہوتا یعنی یہ ضروری نہیں رہتا کہ اگر عکس خداوندی پتلے بادل کے علاوہ کسی اور مخلوق کو اپنا جلوہ گاہ بنائے اور اس سے نمایاں ہو تو پہلے پتلے بادل کو چھوڑے تب ہی دوسرے میں جلوہ فرمائے۔ نہیں بلکہ بیکدم اپنی اَن گنت مخلوقات میں اُس کے جلوے نمایاں ہو سکتے ہیں۔ اور ہر مخلوق کو اس فخر کا موقعہ مل سکتا ہے کہ وہ اُس کی جلوہ گاہ بنی ہوئی ہے۔

انعکاس خداوندی ماننے سے عقائد میں کوئی خلل نہیں پڑتا

غرض پتلے بادل میں تجلی اور عکس الٰہی کی نمائش سے نہ ذات خداوندی کی مظروفیت لازم آتی ہے کہ اُس کے محدود ہونے کا شبہ گذرے اور محدود کی خدائی سے انکار کر کے انکار صانع لازم آئے نہ پتلے بادل کا عکس خداوندی سے بڑا ہونا لازم آتا ہے کہ اُس کی شان عظمت و احاطہ کے بارہ میں کوئی برا وسوسہ گذرے۔ اور نہ عکس خداوندی کے تعدد سے ذات خداوندی میں تعدد لازم آتا ہے کہ شرک کا دھوکہ ہو۔ پس اگر کائنات کے ہر ہر جزو میں بھی اُس کا ظہور مان لیا جائے تو وہ عکس و تجلی ہوگی نہ کہ ذات کا حُلول۔ پس نہ تو اُس کی ذات میں ادنیٰ تعدد ہوگا کیونکہ تعدد عکوس کا ہے ذات کا نہیں اور نہ ان تجلی گاہوں کو خدا کہا جائے گا کہ یہ سب عکس کے حامل ہیں نہ کہ ذات کا ظرف ہیں کہ خدا بن جائیں۔ اور خدا کو متعدد کہہ دیا جائے۔ غرض اس تجلی الٰہی سے نہ توحید الٰہی میں فرق پڑتا ہے نہ اس کی لا انتہائی میں۔ نہ اُس کی شان احاطہ اور محیط مطلق ہونے میں کوئی خلل آتا ہے نہ شان وسعت و ہمہ گیری میں۔

انعکاس خداوندی کی ایک شرعی مثال

اسی حقیقت کی طرف ذیل کی حدیث قدسی میں

بلیغ اشارہ فرمایا گیا ہے۔

لا یسعنی الا قلب مؤمن | میری سمائی بجز قلب مومن کے اور کسی چیز میں نہیں ہو سکتی

حق تعالیٰ کا جامعیت کمالات کے ساتھ قلب مومن میں سما جانا ذات کے لحاظ سے نہیں کہ عین ذات خداوندی قلب کے اس صنوبری ٹکڑے میں حلول کر جائے کہ یہ محال ہے بلکہ تجلی اور عکس کے لحاظ سے ہے یعنی میرے ذاتی اور جامع کمالات کا مجموعی عکس اگر ہے تو قلب مومن میں ہے۔ جیسے آفتاب کہے کہ میں اپنے جمیع کمالات نور کے ساتھ اگر سمایا ہوا ہوں تو صرف آئینہ میں پس جیسے وہاں آئینہ باوجود تجلی گاہ آفتاب ہونے کے خود آفتاب کی گرفت اور احاطہ میں ہے اور اس سے کہیں فروتر ہے ایسے ہی یہاں قلب مومن باوجود تجلی گاہ الٰہی ہونے کے خود ذات بابرکات کے لحاظ اور گرفت میں ہے اور اس کے سامنے ہیچ ہے۔

عارف غنی نے کیا خوب کہا ہے۔ ؎

دل را اگر تو صاف کنی ہمچو آئینہ | در وے جمال دوست بہ بینی چو آئینہ

او در دلِ منست و من اندر کفِ ویم | چو آئینہ بدست من و من در آئینہ

اور ظاہر ہے کہ مومن ایک نہیں ان گنت ہیں اور گذرے ہیں اور گذریں گے تو سب ہی اس کے تجلی گاہ ہونگے ایک کی تجلی دوسرے کی تجلی سے مانع نہیں ہو سکتی۔ اور نہ یہ ممکن ہے کہ قلب کا اس کی تجلی سے بڑا ہونا لازم آئے کہ تجلی کی ظرفیت میں ظرف چھوٹا اور مظروف بڑا ہو سکتا ہے۔

بہر حال اگر تپلا بادل اپنے اصلی معنی پر ہے تو اس میں ذات حق کے ہونے کے معنی تجلی ذات کے ہونے کے ہوں گی اور یہ تپلا بادل اگر ظرف ہوگا تو عکس

خداوندی کا ہوگا جسے اُس کی تجلی گاہ کہیں گے ظرف نہ کہیں گے۔ پس حدیث کا حاصل یہ نکلا کہ مخلوق پیدا کرنے سے پہلے حق تعالیٰ کی تجلی عما یعنی پتلے بادل میں تھی کہ عما ہی اول مخلوق تھا اور چونکہ وہ آئندہ مخلوق کے لئے بطور مادہ خلقت مہیا فرمایا گیا تھا۔ اس لئے اُسے ابتدائی تجلی گاہ قرار دیا گیا پس اس سے پتلے بادل کا ظرفِ خداوندی ہونا لازم نہیں آیا جو اس حدیث پر شبہ کیا جائے بلکہ خود اس بادل کا اُس کے احاطہ اور گرفت میں ہونا ثابت ہو جاتا ہے جو اصل حقیقت ہے۔ فلہ الحمد والمنۃ۔

جوابؔ کا طریق دُوم

پتلے بادل سے مراد خدا کا وجود منبسط ہے

دوسری صورت جواب کی یہ ہے کہ پتلے بادل میں عکس خداوندی نہ مانا جائے بلکہ عین ذات کو بادل میں تسلیم کیا جائے۔ لیکن بادل کے معنی بیان کئے جائیں کہ یہاں اُس سے کیا مراد ہے۔؟ یعنی خدا تو قبل از تخلیق عالم پتلے بادل میں تھا مگر یہ پتلا بادل خود کیا تھا۔؟ سو اس سے مراد یہ متعارف بادل نہیں بلکہ وجود منبسط یعنی اللہ کا پھیلا ہوا وجود مراد ہے۔ جو اُس کا ذاتی اور خانہ زاد ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ کے پتلے بادل میں ہونے کے معنی یہ ہونگے کہ وہ قبل از تخلیق عالم خود اپنے ہی وجود کی گہرائیوں میں نہاں تھا۔ یعنی اُسوقت ذات بابرکات سے صادر شدہ چیز صرف صادر اوّل تھا جس کو وجود کہتے ہیں۔ اور کوئی چیز نہ تھی جسے یہ وجود لگا ہوا ہوتا۔ گویا اَحدیّتِ خالصہ کا پھیلاؤ تھا جس کی ساتھ اور کوئی شے نہ تھی۔

شے کا اپنی ذات کی حد میں ہونا ظرفیت نہیں

اب ظاہر ہے کہ جب وجود اُس کا عین ذات ہے یعنی ذات وجود سے الگ نہیں اور وجود ذات سے الگ نہیں تو اِس کا حاصل یہ نکلا کہ قبل از تخلیق عالم اُس کی ذات کو اُسی کی ذات گھیرے ہوئے تھی۔ اور وہ اپنی ہی ذات بابرکات لامحدود کے احاطہ میں تھا۔ اور ظاہر ہے کہ کسی کی ذات کو خود اُس کی ذات کا محیط ہونا نہ ظرفیت ہے نہ تحدید و حد بندی۔ بالخصوص جب کہ وہ ذات لامحدود اور لاانتہا بھی ہو تو ذات سے باہر کوئی چیز ہی نہیں نکلتی کہ اُسے گھیر لے اور ذات حق اُس کے احاطہ میں ہو کر محدود و مقید ہو جائے۔ پس ذات کا ذات سے گھرا ہوا ہونا یا ذات کا ذات کے احاطہ میں ہونا تحدید اور مظروفیت نہیں کہ خدا کی نفی کا وسوسہ دل میں گذرے بلکہ کنایہ ہے احدیت سے اور تنہا ایک ذات کی موجودگی اور ماسویٰ کی نفی سے یہ ایسی ہی تعبیر ہے جیسے معقولات کے فن میں موجود فی نفس الامر کی اصطلاح مستعمل ہے کہ اُس کے معنی موجود فی نفسہ کے ہوتے ہیں نفس الامر کوئی خارجی ظرف نہیں ہوتا کہ اُس کے موجود کو مظروف اور اس ظرف سے گھرا ہوا مان کر محدود و مقید کہا جائے ایسے ہی کسی ذات کا موجود فی نفسہ ہونا یا موجود فی حد ذاتہ ہونا اُس کی محدودیت کی دلیل نہیں بلکہ وہ حد ذات ہی اگر لاتحدیدی ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ فلاں شے لامحدودیت کے ساتھ موجود ہے۔ بلکہ اگر مزید غور کیا جائے تو ذات لامحدود کا اپنی لاتحدیدی میں ہونا نہ صرف وقوع تحدید ہی کی نفی ہے۔ بلکہ امکان تحدید کی بھی نفی ہے۔ کیونکہ جب وہ لامحدود ہوا اور اُس نے کوئی جگہ اور حد ہی غیر کے لئے نہ چھوڑی تو غیر کا ثبوت ہی نہ ہوا چہ جائیکہ وہ غیر اُس

لامحدود کے لئے احاطہ کنندہ ثابت ہو جائے یا اُس کے لئے ظرف نام پانے کی جرأت کرے۔ اس لئے مظروفیت خداوندی کا شبہ بے بنیاد رہ گیا جس کا کوئی منشا ہی پیدا نہیں ہوتا۔

اب حدیث کا خلاصہ یہ نکلا کہ خدا قبل از تخلیق عالم اپنے بطون غیب اور لطیف وجود میں پنہاں تھا۔ یعنی اُس کے مظاہر نہ تھے کہ وہ دوسروں کے لئے ظاہر ہو۔ تخلیق عالم کا ارادہ فرما کر اُس نے اپنے علم ازلی کے مطابق کائنات کے نقشے بنائے اور اپنے وجود کے پرتوے اُن پر ڈال کر اُنھیں نمایاں کر دیا جس سے مخلوقات عالم وجود میں آئی اور ان مظاہر وجود سے اُس کے کمالات وجود ظاہر ہونے لگے۔ فسبحان الذی ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شئی علیم۔

بہر حال حدیث میں وجود کو عماء سے تعبیر کر کے ذات حق کی موجودگی کی یکتائی ثابت فرمائی گئی ہے اور اس سے ظرفیت کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔

وجود الٰہی کو پتلے بادل سے کیوں تعبیر کیا گیا

ہاں سوال اب یہ رہ جاتا ہے کہ اس حقیقت کی سیدھی سادی تعبیر یہ تھی کہ "قبل از تخلیق عالم پروردگار اپنے ہی وجود کے پردوں میں تھا" اس تعبیر کی کیا ضرورت تھی کہ وہ "قبل از تخلیق عالم پتلے بادل میں تھا" کہ ظرفیت کا شبہ گذرے اور اُسے اس طویل بیان سے رفع کرنا پڑے؟

جواب یہ ہے کہ حدیث ایک سوال کے جواب میں وارد ہوئی ہے۔ اور سوال یہ تھا کہ "قبل از تخلیق عالم پروردگار کہاں تھا؟" ظاہر ہے کہ اس سوال میں پروردگار کے وجود کے بارہ میں استفسار نہیں کیا گیا بلکہ اینیّت اور

مکان کے بارہ میں پوچھا گیا ہے۔ پس جواب وسوال میں مطابقت جب ہی ہوسکتی تھی کہ وجود الٰہی کو ایسے عنوان سے ثابت کیا جائے کہ اثبات وجود کے ساتھ اُسکے مکان اور ظرفیت کا مسئلہ بھی اُس کی شان کے مطابق حل ہو جائے۔ سو ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ محض اس تعبیر سے حل نہ ہو سکتا تھا کہ قبل از تخلیق عالم پرور دگار موجود تھا یا اپنے وجود میں تھا کہ اتنی بات تو سائل بھی سمجھے ہوئے تھا۔ بلکہ ایسی ہی تعبیر سے حل ہو سکتا تھا کہ وہ فلاں جگہ تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ جگہ اُس سے الگ کوئی جگہ نہ تھی بلکہ خود اُسی کی ذات بابرکات تھی۔ ہاں مگر اُس کے بعد یہ سوال پھر بھی باقی رہ جاتا ہے کہ اُس کی ذات بے مثال کو ظرف اور پھر اُس کو مظروف ثابت کرنے کے لئے سہل تعبیر یہ بھی ہو سکتی تھی کہ "کان فی وجودہ" وہ اپنے ہی وجود میں تھا تو اس سے وجود بھی ثابت ہو جاتا اور شان تنزیہ کو قائم رکھتے ہوئے ظرفیت کی نوعیت بھی کھل جاتی اس ظرفیت کے سلسلہ میں ایک مخلوقاتی چیز اور وہ بھی مادی یعنی پتلے بادل کو ظرف کا عنوان دیا جانا طول عمل کے سوا اور کیا ہے کہ جس سے یہ تمام شبہات پیدا ہوئے۔؟ جواب یہ ہے کہ جواب نبوی میں وجود کی ظرفیت کا محض بیان ہی مقصود نہ تھا بلکہ سائل کے فہم کے مطابق اُس کی تفہیم بھی مقصود تھی۔ اور ظاہر ہے کہ غیبی اُمور کی تفہیم میں اس سے بہتر دوسری صورت نہیں ہو سکتی کہ معقول کو محسوس سے سمجھایا جائے بشرطیکہ اُس معقول ومحسوس میں باہم مناسبت اور کسی وصفی اشتراک کے سبب ایک دوسرے سے کامل مشابہت ہو تاکہ اُس محسوس اور اُس کے محسوس اوصاف کو دیکھ کر اُس معقول اور اُسکے معنوی اوصاف کو بے تکلف سمجھ لیا جائے۔

وجودذات اور پتلے بادل میں مناسبت کی آٹھ وجوہ

سو اگر آپ غور کریں گے تو نمایاں ہو گا کہ قبل از تخلیق عالم ذات حق کی تنہا موجودگی اور وہ بھی صرف اپنے ہی وجود کی قبا میں پتلے بادل کی مثال سے زیادہ واضح اور بہتر طریق پر اور کسی مثال سے سمجھ میں نہیں آسکتی تھی۔ کیونکہ وجود اور پتلے بادل میں بہت سی وجوہ سے باہم مناسبتہ اور ایک دوسرے سے کافی مشابہتہ ہے جس کی وجہ سے پتلا بادل ہی وجود کی اس مطلوب نوعیت کی تفہیم کا ذریعہ ہو سکتا تھا۔ مثلاً اول اس بنار پر کہ جیسے معنویات میں وجود انتہائی لطیف چیز ہے ایسے ہی مشاہدات میں پتلا بادل بھی کچھ ویسی ہی لطافت رکھتا ہے۔ کیونکہ پتلا بادل درحقیقت آب معلق ہے جسے مانسون کہتے ہیں گویا پانی جیسی لطیف چیز کا بھی جوہر ہے۔ چنانچہ پانی باوجود اپنی لطافت کے پھر بھی ثقل رکھتا ہے کہ اوپر سے نیچے کو آتا ہے لیکن وہی پانی مانسون ہو کر بصورت بادل خفت پیدا کر لیتا ہے اور نیچے سے اوپر کو چڑھتا ہے پس اس کی شان نزول کی ہے اور اس کی عروج کی۔ دوسرے یہ کہ وجود میں پھیلاؤ اور احاطہ کی شان ہر کہ ہر وہ چیز جس پر موجودگی کا لفظ بولا جائے خواہ ظاہر ہو یا باطن اونچی ہو یا نیچی وجود کے دائرہ سے باہر نہیں رہ سکتی یہی صورت پتلے بادل کی بھی ہے کہ جب وہ فضا میں چھا جاتا ہے تو اپنے دائرۂ وجود کی حد تک ایک طرف تو زمین کو گھیر لیتا ہے کہ اس کا کوئی حصہ دکھائی نہیں دیتا۔ دوسری طرف آسمان کو اپنے دامنوں میں چھپا لیتا ہے کہ آسمان کا کوئی کنارہ تک اس کی موجودگی میں نظر نہیں آتا۔ گویا علوی اور سفلی کائنات کو محیط نظر آتا ہے جو شان وجود کی ہے کہ اس سے زیادہ عام اور شامل کوئی کلی نہیں جو سارے علویات اور سفلیات کو گھیرے ہوئے ہے۔

تیسرے یہ کہ جیسے وجود ہی سے ساری کائنات کی زندگی اور حیات وابستہ ہے۔ ایسے ہی اس پتلے بادل سے جو درحقیقت پانی کی متبدّل صورت ہے مردہ زمین اور اُس کی ساری کائناتِ بحرو برکی زندگی متعلق ہے کہ وجعلنا من الماء کل شئ حیی۔

چوتھے یہ کہ جیسے وجود کو ہر چیز پر اوّلیت حاصل ہے کہ پہلے وہ ہو تو بعد میں ہر چیز موجود ہو ورنہ نہ ہو ایسے ہی عنصری موجودات میں اولین مخلوق پانی ہے جس کا جوہر پتلا بادل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے کہ۔

کان اللّٰہ ولم یکن معہ شئ فخلق خلقہ وکان عرشہ علی الماء	اللہ تھا اور اُس کی ساتھ کوئی شئی نہ تھی پس اُس نے اپنی مخلوق پیدا کی درحالیکہ اُسکا عرش پانی پر قائم تھا۔

جس سے واضح ہوتا ہے کہ پانی عرش سے بھی پہلے پیدا کیا گیا ہے جو عرش کے لئے مستقر اور جائے قرار بنا۔

پانچویں یہ کہ جیسے معنویات میں وجود ہر چیز سے فائق اور بلند و برتر ہے کہ ہر کلی و جزئی اور ہر کل اور جزو اُس کے نیچے آیا ہوا ہے ایسے ہی متحرک حسیات میں پتلا بادل حسی طور پر سب سے اونچا اور ارفع نظر آتا ہے زمین یا زمین کی تہ میں اُس کا قیام نہیں بلکہ آسمانوں کی سمت میں ہے۔ گویا ساری دنیا اُس کے نیچے ہے۔

چھٹے یہ کہ جیسے ہر چیز اپنے حدوث و بقاء کے لئے وجود کا سہارا تکتی ہے۔ وہ آجائے تو ہر چیز موجود ہو جائے وہ چلا جائے تو ہر چیز فنا ہو جائے۔ خود وجود کسی چیز کا سہارا نہیں لیتا کچھ بھی نہ ہو تو وجود قائم ہے جیسا کہ خود اس حدیث زیر نظر کا بھی مفہوم ہے ایسے ہی پتلا بادل جو فضاء آسمانی میں معلق ہے خود کسی کے سہارے تھما ہوا نہیں بلکہ کائنات کی اشیاء اُس کے پانی کے سہارے تھمی ہوئی ہیں۔

ساتویں یہ کہ جیسے وجود میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنے پر تو ے اپنے معدن سے منتقل کر کے ممکنات کو موجودگی بخشے ایسے ہی تپلے بادل میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنا جوہر یعنی مارطہور اپنے معدن سے منتقل کر کے کائنات کو زندگی بخشتا رہے۔

آٹھویں یہ کہ جیسے وجود اور ذات حق میں عینیت کا علاقہ ہے کہ ذات عین وجود ہے اور وجود عین ذات ہے ایسے ہی یہ آب معلق بھی ہے کہ بادل ہو کر بھی وہ پانی ہے اور برس کر بھی وہ پانی ہے۔ گویا جو بادل ہے وہ پانی ہے اور جو پانی ہے وہی عین بادل ہے ان دونوں میں عینیت کا علاقہ ہے۔

بہرحال تپلے بادل کو جو آب معلق ہے وجود سے لطافت وستھرائی میں پھیلاؤ اور ہمہ گیری میں زندگی اور حیاۃ آفرینی میں۔ پہل اور اولیت میں۔ علو اور رفعت میں غنا اور نافعیت میں اور بین الاشیاء نقل وحرکت میں منبع فیوض ہونے اور علاقۂ عینیت میں کافی اور واضح مناسبت ومشابہت ہے اس لئے اگر وجود کی نوعیت سمجھانے کے لئے جو ایک خالص معنوی اور غیر مشاہد چیز ہے اُس کے اس شبیہ کامل یعنی تپلے بادل کو اختیار کیا جائے جو اپنی صفات سمیت خالص حسی اور مشاہد چیز ہے تو اس سے بہتر اور کونسی مثال ہو سکتی تھی کہ بآسانی وجود منبسط کی کیفیات کو ذہن نشین کر سکے اور تخلیق عالم سے پہلے کے وجود اور اُس کی بے کیف اور بے مثال اینیت کو بقا تنزیہہ کے ساتھ دلوں میں اُتار سکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر اس موجودگی کی یکتائی کو صرف اس تعبیر سے بیان فرما دیا جاتا کہ تخلیق عالم سے پہلے صرف وہی موجود تھا اور کچھ نہ تھا اور تپلے بادل کی مثال سے یہ موجودگی نہ سمجھائی جاتی تو اس سے اُس کی موجودیت تو سمجھ میں آجاتی مگر وجود کا منبع فیوض ہونا اور اُس کا

اشیاء کے لئے حیاۃ بخش ہونا سمجھ میں نہ آتا۔ حالانکہ یہاں تخلیق عالم سے پہلے کی حالت پوچھنا گویا تخلیق عالم کے بعد کی حالت کا اس سے موازنہ اور ان قبل و بعد کی حالتوں کا درمیانی ربط دریافت کرنا ہے۔ اور یہ ربط ہی وہ افاضۂ وجود اور وجود کی حیاۃ آفرینی ہے جس سے اشیاء کائنات موجود ہوئیں اس لئے پتلے بادل کی مثال سے یہ موجودگی ظاہر فرما کر وجود کے منافع اور افادے کھولے گئے ہیں کہ پتلے بادل کے لفظ سے ہی افادے سمجھ میں آرہے ہیں پس مثال کے اوصاف سے خود اس وجود کے یہ افادی اوصاف کھل گئے جس کے لئے یہ مثال لائی گئی۔

الحاصل حدیث کی یہ شرح پتلے بادل کی توجیہہ پر مبنی تھی جس سے ظرفیت کا وہ شبہ زائل ہو جاتا ہے جس سے حق تعالیٰ کی محدودیت کا وسوسہ گذرتا تھا کیونکہ اس صورت میں بادل وہ عنصری بادل ہی نہیں رہتا بلکہ وجود باری سے کنایہ ہو جاتا ہے۔ الحمد للہ کہ حدیث دونوں معنی کے لحاظ سے بے غبار ہو جاتی ہے اور محدودیت حق کے شبہات کافور ہو جاتے ہیں۔

بہرحال اس حدیث سے واضح ہوا کہ ملک السمٰوٰت والارض کا تخت گاہ پانی ہے۔ اس حدیث کی تائید و تصدیق قرآن حکیم نے اپنے معجزانہ الفاظ میں اس طرح فرمائی ہے کہ۔

وهو الذی خلق السمٰوٰت والارض فی ستۃ ایام وکان عرشہٗ علی الماء	اور وہ اللہ ایسا ہے کہ سب آسمان اور زمین کو چھ دن کی مقدار میں پیدا کیا اور اس وقت اس کا عرش پانی پر تھا۔

تخت بردارانِ شاہی پھر اس حشم و خدم کے سلسلہ میں شاہی تخت اور ہوادار کو اٹھانے والے قوی قسم کے خدام ہوتے ہیں جو جلوس بادشاہی کے وقت تخت کو

سروں اور کندھوں پر اُٹھا کر ایک طرف تو اپنی وفاداری کا ثبوت دیتے ہیں اور دوسری طرف تخت شاہی کا جاہ وجلال نمایاں کرتے ہیں تاکہ شاہی شان و اقتدار کا مظاہرہ ہو اور رعایا اپنے ہم جنس بلکہ اپنے سے زیادہ برتر افراد کو تخت بردار دیکھ کر بادشاہ کی غیر معمولی عظمت وشان کو پہچان سکے۔ ایسے ہی عرش عظیم کو کندھوں اور سروں پر اُٹھانے والے مخصوص ملائکہ ہیں جن کی خدمت ہی یہ تخت برداری ہے اور جن کی عظمت وشان کا یہ عالم ہے کہ بنص حدیث ساتوں آسمان اور زمینیں اُن کے ٹخنوں تک آتی ہیں۔ قرآن کریم نے ان تخت بردار ملائکہ کا تذکرہ اس طرح فرمایا ہے۔

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربھم و یؤمنون بہ ویستغفرون للذین اٰمنوا۔	جو فرشتے کہ عرش الٰہی کو اٹھائے ہوئے ہیں اور جو فرشتے اُس کے گرداگرد ہیں وہ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے رہتے ہیں اور اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور ایمان والوں کے لئے استغفار کیا کرتے ہیں۔

ان تخت برداروں کا عدد بنص حدیث چار ہے جو عرش کے چاروں پایوں کو تھامے ہوئے ہیں۔ قیامت کا دن چونکہ انتہائی ہیبت وجلال کا ہوگا اور اُس میں عرش کی عظمت وہیبت کا وزن دوگنا نمایاں ہوگا اس لئے ان چار حملۂ عرش کی مدد کے لئے چار ملائکہ اور اضافہ کئے جائیں گے۔

ویحمل عرش ربك فوقھم یومئذ ثمانیۃ۔	اور آپ کے پروردگار کے عرش کو اُس روز آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔

جلوس بادشاہی اور مرکز تدابیر ملکی | شاہی تخت ہی سے چونکہ ملکی تدابیر اور تصرفات شاہانہ

کا ظہور اور اجراء ہوتا ہے اس لئے قرآن حکیم نے دوسری جگہ اس جلوس کو بعنوان استواء ظاہر فرمایا۔ ارشاد حق ہے۔

ان ربکم اللہ الذی خلق السموات والارض فی ستۃ ایام ثم استوی علی العرش یدبر الامر۔	بلاشبہ تمہارا رب (حقیقی) اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو چھ روز کی (مقدار) میں پیدا کر دیا۔ پھر عرش (تخت شاہی) پر قائم ہوا۔ وہ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے۔

بہرحال تخت گاہ۔ تخت شاہی۔ تخت پر جلوس میمنت مانوس اور پھر فرامین شاہی کا اجراء یعنی تدابیر ملکی کا آیات واحادیث کے ذریعہ اعلان کر دیا گیا جس سے چند بنیادی اور اہم لوازم سلطنت ثابت ہو گئے۔

تخت نشینی اور سن جلوس اس سے یہ لطیفہ بھی واضح ہو گیا کہ جس طرح بادشاہوں کے جلوس سے اُن کی سلطنتوں کا سن اور تاریخ شروع ہوتی ہے اور وہی زمانہ سلطنت کے آغاز کا ہوتا ہے جس سے اُس سلطنت کے قلمرو میں اُس کا سن تاریخ شروع کیا جاتا ہے ایسے ہی شہنشاہ عالمین کے اس ملک کا سن و تاریخ اور آغاز گویا استواء علی العرش ہے۔ بالفاظ دیگر یہ گویا سن آغاز کائنات ہے۔ اس سے پہلے یہ بادشاہ قدیم وازلی خود اپنے ہی وجود باوجود کے پردوں میں پنہاں تھا۔ جس کو حدیث میں تلے بادل سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اول مخلوق پانی ہے اُس پر عرش بچھایا گیا۔ پس تخت گاہ کی تعمیر پھر تخلیق عرش اور پھر استواء وجلوس یعنی تخت شاہی بنانا اور تخت پر جلوس کرنا ہی مملکت الٰہی کا ابتدائی ظہور ہے۔

قبا شاہی تخت پر جو چیز بادشاہ سے اقرب تر ہوتی ہے وہ اُس کی قبا ہے جو درحقیقت

اُس کی صفات کی پردہ دار ہوتی ہے جیسے مطلقاً لباس صفت حیا کا مظاہرہ ہے۔ فاخرہ لباس صفت جمال کا مظاہرہ ہے طول لباس صفت عظمت وشان کا مظاہرہ ہے اسی طرح قبا، شاہی اقتدار وعظمت کا مظاہرہ ہے پس حضرت ملک قدوس جل مجدہٗ نے بھی شاہی تخت کے مناسب اپنے لباس صفات کی اطلاع دی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول اللہ تعالے الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری فمن نازعنی واحدا منھما قذفتہ فی النار (ای من غیر مبالاۃ) رواہ مسلم مشکوۃ باب الغضب والکبر ص ۴۳۳۔

ابی ہریرہؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کبریاء وبڑائی میری چادر ہے اور عظمت و بزرگی میری لنگی جو ان دو چیزوں میں سے کسی میں بھی مجھ سے کھینچا تانی کرے گا تو میں اُسے جہنم میں جھونک دونگا۔

تاج بادشاہی لباس کے بعد سب سے اونچی چیز جس کو بادشاہ اپنے نفس پر جگہ دیتا ہے۔ گویا وہ چیز تخت شاہی سے گذر کر براہ راست نفس شاہی سے تعلق رکھتی ہے۔ وہ شاہی تاج ہے جو بادشاہ کا امتیازی شعار اور درحقیقت صفتہ بادشاہت کی مثالی صورت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی وقت بادشاہ خلوۃ خانہ سے برآمد ہونا چاہے تو ہر ایک سلامی و تکریم تاج کو دی جاتی ہے اور ہر ایک شاہی حق تاج کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے تاج کی فوج یا تاج کی ریاست یا فلاں محکمہ براہِ راست تاج کے ماتحت ہے وغیرہ۔ بس اسی منوال پر سمجھو کہ حسب اطلاع شریعت تمام مخلوقات کا دائرہ عرش تک ختم ہوجاتا ہے۔

عرش کے اوپر بجز انوار ربانی اور کسی چیز کی رسائی نہیں ہاں پھر بھی مخلوق میں سے جس چیز نے عرش پر جگہ پائی ہے وہ ایک لوح اور تختی ہے جس پر لکھا ہوا ہے اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ (میری رحمت میرے غضب پر سابق ہے) ادھر اسی رحمت کے متعلق ارشاد ہے کہ کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ (تمہارے پروردگار نے رحمت کو اپنے نفس کے اوپر لازم کر لیا ہے) اور ظاہر ہے کہ مالک الملک جس چیز کو تخت شاہی پر ہی نہیں اپنے نفس کریم پر جگہ دے وہ شاہی تاج ہی ہو سکتا ہے اس لئے یہ لوح رحمت بمنزلۂ تاج سلطنت کے ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ تعالیٰ کتب کتابًا قبل اَن یَّخلُقَ الخلقَ اِنَّ رحمتی سبقت غضبی فھو مکتوب عندہٗ فوق العرش

(مشکوٰۃ باب بدء الخلق ص۵۰۶)

ابوہریرہؓ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے کہ حق تعالیٰ نے ایک دستاویز لکھی قبل مخلوق کی تخلیق کے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اور یہ دستاویز لکھی ہوئی میرے پاس عرش کے اوپر ہے۔

پس جیسے تمام شاہی احکام میں تاج کی عظمت و شان نمایاں ہوتی ہے۔ اسی طرح حق جل مجدہٗ کے تمام فرامین اور فیصلوں سارے ہی قوانین و شرائع میں اور ہر ایک عطاء و انعام میں حتیٰ کہ سزا و انتقام تک میں رحمۃ و مسامحۃ ہی کا غلبہ اور کرم ہی کی شان نمایاں اور غالب ہے دوست دشمن کو یکساں روزی دینا اُن کے لئے یکساں ہدایت و نصیحت کے پروگرام بھیجنا اُن سب کی یکساں تربیۃ و تہذیب چاہنا فصلِ قضاء اور فیصلۂ معاملات میں دوست دشمن کو برابر رکھنا۔

بارشوں اور پیداوار میں دوستوں کی خصوصیت نہ کرنا سب کی پکار یکساں سننا رات اور دن میں جس وقت جو پکارے اور دل سے مانگے اُسے دینا مضر اشیاء کی طلب کسی کی پوری نہ کرنا ایک ڈھنگ پر سب کو زندگی دینا اور ایک ہی طریقہ سے سب کو ذائقہ موت چکھانا ایک ہی شان سے بعد مردن اپنے یہاں فرش خاک پر طلب فرمانا۔ وہ اُمور ہیں کہ جس سے اُس کی رحمۃ عامہ کا مظاہرہ ہر آن اور ہر ہر فعل میں دوام و استمرار کے ساتھ نمایاں ہے پس رعیّت میں عدل عام مساواۃ تام تربیتہ عامہ اور رزّاقی مطلقہ وغیرہ اسی تاج رحمت کے آثار ہیں جو تمام افعال سلطنت پر حادی اور مستولی ہیں۔ پس جیسے پائگاہ پر بادشاہی تخت، تخت پر بادشاہ، اور بادشاہ پر تاج ہوتا ہے اسی طرح عرش کو علی الماءٗ اور رحمٰن کو علی العرش اور رحمۃ کو علیٰ نفسہٖ کے کلمات سے ذکر فرمایا گیا ہے۔ یعنی علیٰ کا کلمہ لاکر ان اُمور پر غلبہؔ و استیلاء ظاہر فرمایا گیا ہے۔

شاہی باڈی گارڈ | پھر جیسے بلحاظ حقیقت تو بادشاہی سارے ملک اور تاج و تخت کا اپنے تدبّر اور قوۃ سے محافظ ہوتا ہے مگر بلحاظ آئین خاص شاہی محل کے اردگرد اور اندرون قلعہ تاج و تخت کی حفاظت کے لئے مخصوص شاہی پلٹن ہوتی ہے جو ہر وقت شاہی تخت کے جُلو میں رہتی ہے اور اردگرد گھومتی رہتی ہے اسیطرح عرش الٰہی کی آئینی حفاظت کے لئے ملائکہ مقرّبین کی ایک مخصوص پلٹن ہے جسکو شاہی باڈی گارڈ کہنا چاہیے جن کا کام صرف یہی ہے کہ وہ ہر وقت تخت شاہی کے گرد حاضر رہیں اور چکر لگاتے رہیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

وترى الملائكة حافين من	اور آپ فرشتوں کو دیکھیں گے کہ عرش کے گرداگرد حلقہ

حول العرش یسبحون بحمد ربھم وقضی بینھم بالحق	باندھے ہوں گے اور اپنے رب کی تسبیح وتحمید کرتے ہوں گے اور تمام بندوں میں ٹھیک ٹھیک فیصلہ کردیا جائے گا۔

شاہی حشم وخدم

پھر جس طرح بادشاہی قلعوں میں بادشاہ کے جلال کے مناسب حشم وخدم ہوتا ہے کہ بادشاہ کے جلو میں سینکڑوں خدام صف بستہ ہاتھ باندھے کھڑے ہوتے ہیں اور بادشاہ کا نام پکار پکار کر حق نقابت ادا کرتے ہیں انکا کام بجز اس کے اور کچھ نہیں ہوتا کہ وہ شاہی تزک واحتشام کا سامان بنے رہیں اور وفاداری کے نعرے لگاتے رہیں اسی طرح حکومت الٰہی کے تزک و احتشام کے سلسلہ میں اسی کے شان کے مناسب ان گنت پاکباز ملائکہ ہیں جو محض سرِ عبودیت خم کئے کھڑے ہیں یا اُس کا نام پکار رہے ہیں یا اُس کے سامنے صف بستہ سرنگوں ہیں۔ قرآن نے ایک جگہ ان صف بند ملائکہ کے بارہ میں فرمایا۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا	قسم ہو صف بندی کرنیوالونکی (یعنی صف بستہ ملائکہ کی)۔

دوسرے موقعہ پر خود ملائکہ کی زبانی اُن کی صف بندی عبودیت کا تذکرہ قرآن نے فرمایا۔ ارشاد ہے۔

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَہٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّآفُّوْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ	ہم میں سے ہر ایک کا ایک معین درجہ ہے اور خدا کے حضور میں حکم سننے کے وقت یا عبادت کیوقت ہم صف بستہ کھڑے ہوتے ہیں اور ہم خدا کی پاکی بیان کرنیں بھی لگے رہتے ہیں

پھر ان جلو کے ملائکہ میں سے کتنے ہی ہیں کہ ہر ہر آسمان میں مصروف ثنا و صفت ہیں اور شاہی نام کی منادی کر رہے ہیں جن کی اوضاع مختلف اور

نیاز مندیوں اور اعلان عقیدت کے اطوار متفاوت ہیں تاکہ ہر نوع سے بادشاہ کے سامنے اپنی عقیدت کیشی اور وفاداری کو ثابت کر سکیں۔ ہر ہر ڈھنگ سے اُس کی عظمت وجلال کا اعلان کریں۔ اور سامان کر وفر بنے رہیں ارشاد نبوی ہے۔

عن جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما فی السمٰوات السبع موضع قدم ولا شبر ولا کفّ الّا وفیہ مَلَکٌ قائم او ملک ساجد او ملک راکع فاذا کان یوم القیٰمۃ قالوا جمیعا ما عبدناک حقّ عبادتک الّا انّا لا نشرک بک شیئًا۔

(معجم طبرانی منقول از البدایہ صفحہ ۴۲/۱)

جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ساتوں آسمانوں میں ایک قدم کی برابر یا بالشت بھر یا ہتھیلی کی قدر بھی جگہ خالی نہیں ہے کہ کوئی نہ کوئی فرشتہ اُس میں مصروف قیام نہ ہو یا کوئی فرشتہ مصروف سجدہ نہ ہو یا کوئی فرشتہ مصروف رکوع نہ ہو۔ پھر جب قیامت کا دن آئیگا تو سب فرشتے ملکر (باوجود اس ہمہ وقت کی عبادت کے) عرض کریں گے کہ خداوندا ہم تیری عبادت کا کوئی حق ادا نہیں کر سکے۔ ہاں بس اتنا ہے کہ تیری ساتھ کسی کو ہم نے عبادت میں شریک نہیں ٹھیرایا۔ اور شرک میں مبتلا نہیں ہوئے۔

شاہی قلعہ اور دار السلطنت جس طرح تاج وتخت کی حفاظت کے لئے قلعے تعمیر کئے جاتے ہیں اور کئی کئی فصیلیں اُن کے چوگرد بنائی جاتی ہیں تاکہ غنیم کی رسائی کسی طرح بھی محلسرائے شاہی اور دفاتر سلطنت یا خزائن تک نہ ہو۔ اسی طرح عرش الٰہی کے تحفظ کے لئے آسمانوں کے نہایت عظیم الشان قلعے تہ بہ تہ تعمیر کئے گئے جن کی سات فصیلیں ہیں جن کے استحکام اور مضبوطی کو بار بار جتاتے ہوئے

اُن کے بارہ میں آسمانی بادشاہت کی طرف سے چیلنج کئے گئے ہیں اور دشمنوں اور دوستوں کو اُن کے اٹل استحکام پر تنبیہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ ملک میں اثبات ملوکیت کے ساتھ ہی بطور دلیل استحکام سلطنت ان سات آسمانوں اور اُن کی مضبوطی کا ذکر اس طرح فرمایا گیا ہے۔

وھو العزیز الغفور الذی خلق سبع سمٰوٰتٍ طباقًا ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت فارجع البصر ھل تریٰ من فطور ثم ارجع البصر کرتین ینقلب الیک البصر خاسئًا وھو حسیر۔	اور وہ زبردست اور بخشنے والا ہے جس نے سات آسمان اوپر تلے پیدا کئے تو خدا کی اس صنعت میں کوئی خلل نہ دیکھے گا۔ سو تو اب کی بار پھر نگاہ ڈالکر دیکھ لے کہیں تجھ کو کوئی خلل نظر آتا ہے۔ پھر بار بار نگاہ ڈال کر دیکھ۔ آخر کار نگاہ ذلیل اور درماندہ ہو کر تیری طرف لوٹ آوے گی۔

شہر پناہ کے دروازے اور اُنپر شدید پہرہ چوکی

ان آسمانی قلعوں میں سے نچلے قلعے یعنی آسمان دنیا کے تمام دروازوں پر (جو نیچے کے لحاظ سے باب الدنیا ہے اور اوپر کے لحاظ سے باب السما ہے) خصوصیت سے لیسے مستعد ڈیوٹی شناس پہرہ دار بٹھلائے گئے ہیں جو کسی باغی شیطان کو تو کیا معنیٰ مقربین اور روزمرہ کے آنے جانے والے ملائکہ کو بھی بلا پوچھ گچھ اور چھان بین کے دروازوں سے نہیں گذرنے دیتے۔ چنانچہ نیک ارواح اور نفوس طیبہ جو بعد وفات آسمانوں کی طرف لیجائی جاتی ہیں اور لیجانے والے خود بھی آسمانوں کے باشندے (ملائکہ) ہوتے ہیں تو اُن سے بھی ضابطہ کی چھان بین عمل میں لائی جاتی ہے۔

جس کے بغیر وہ دروازوں سے نہیں گذر سکتے۔ چنانچہ حسب روایت ابوہریرہؓ ان ارواح کو لے جانے والے ملائکہ سے جبکہ وہ آسمان کے دروازوں پر پہونچتے ہیں دربانوں کی طرف سے حسب ذیل سوال کیا جانا لازمی ہے۔

حتی یعرج بھا الی السماء فیستفتح لھا فیقال من ھذا فیقولون فلان
(ابن کثیر جلد ثالث صفحہ ۲۷۵)

یہاں تک کہ اُن ارواح طیبہ کو آسمان تک لے جایا جاتا ہے تو اُن کے لئے دروازہ کھولنے کے وقت پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ تو ملائکہ کہتے ہیں فلاں ہے (تب دروازہ کھلتا ہے)۔

اور تو اور سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب شب معراج میں مدعو ہو کر پہونچے جن کی آمد کا غلغلہ آسمانوں میں پہلے سے تھا۔ تب بھی تمام آسمانوں کے دربان اس سوال اور تحقیق وتفتیش سے نہیں چوکے کہ یہ کون ہیں اور انہیں کون لایا ہے؟ تاکہ ضابطہ کی کارروائی مکمل رہے۔

چنانچہ قتادہ کی روایت میں ہے کہ حضور کے بارہ میں بھی حضور کے رفیق اعظم جبرئیل علیہ السلام سے حسب ذیل سوال وجواب ہوا تاکہ نظام کی شہنشاہی کی شان حدود کی پابندی اور کارپردازوں کی مستعدی بھی حضور کو دکھلائی جائے۔

فاستفتح (جبریل) فقیل من ھذا قال جبریل قیل ومن معک؟ قال محمد قیل وقد ارسل الیہ؟ قال نعم قیل مرحبا بہ فنعم المجئی جاء

(جب آپ آسمان تک پہنچے) تو جبریل نے دروازہ کھولنے کو کہا (دربانوں کی طرف سے) کہا گیا تم کون ہو اور تمہارے ساتھ یہ اور کون ہے؟ جبریل نے کہا کہ محمد ہیں۔ پوچھا گیا کہ کیا ان کی طرف کوئی قاصد بھیجا گیا تھا (کہ انہیں لے کر آئیے؟) کہا ہاں۔ تو دربانوں نے کہا مرحبا۔ خوش آمدید اور

ففتحہ (مشکوٰۃ باب المعراج ص۵۲۶) | دروازہ کھولدیا گیا۔

مخالفین حکومت پر دروازوں کی بندش

اسی کے ساتھ اس بندش ابواب اور چھان بین میں یہ بھی مصلحت تھی کہ جن کی بعثت کے وقت سے آسمان کے دروازوں پر سخت پہرہ چوکی بٹھلایا گیا تھا تاکہ شیاطین دروازوں کے قریب آکر کلمات وحی کو اچک نہ سکیں اور اُسے خلط ملط کر کے دنیا میں کاہنوں اور ساحروں میں پھیلا نہ سکیں۔ وہ خود بھی رأی العین اس نظم کو دیکھ لیں اور غور فرمالیں کہ جب محبوبوں کے لئے بھی ضابطہ کی تحقیق و تفتیش کا یہ عالم ہے تو پھر کسی باغی یا مجرم اور سرکش کی تو کیا مجال ہے کہ اس شاہی قلعہ کے دروازوں کے آس پاس بھی پھٹک سکے چہ جائیکہ اُس کے لئے دروازے کھولے جاسکیں۔ چنانچہ مکذب اور متکبر۔ لوگوں کے لئے یہ دروازے کبھی نہ کھولے جائیں گے۔ گویا جس طرح دار السلطنت میں داخلہ کے وقت چھان بین کی جاتی ہے کہ کوئی غیر ملکی جاسوس یا مخالف حکومت داخل نہ ہو جائے اور ہونا چاہتا ہے تو نہ اُسے اجازت ملتی ہے نہ دروازہ کھولا جاتا ہے ایسے ہی حکومت ربانی کے مخالف اور قانون خداوندی کے باغی متکبر جھوٹے اور بدکار لوگ ہیں جو اس بارگاہ قدس کے مناسب نہیں اس لئے اُنھیں مرنے کے بعد بھی شاہی دار السلطنت بلکہ اُس کے دروازوں تک میں بھی نہ گھسنے دیا جائے گا، چہ جائیکہ وہ شاہی مہمان خانہ اور شاہی پائیں باغ تک پہونچ سکیں اس سے اُن کی تذلیل و توہین بھی ملحوظ نظر ہوتی ہے۔ ارشاد ربانی ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا	جو لوگ ہماری آیتوں کو جھوٹا بتلاتے ہیں اور
وَاسْتَکْبَرُوْا عَنْھَا لَا تُفَتَّحُ لَھُمْ	اُسکے ماننے سے تکبر کرتے ہیں اُن کیلئے آسمان کو دروازے

ابواب السماء ولا يدخلون الجنة حتی یلج الجمل فی سم الخیاط وکذلك نجزی المجرمین

نہ کھولے جاوینگے - اور وہ لوگ کبھی جنت میں نہ جاوینگے جبتک کہ اونٹ سوئی کے ناکے کے اندر سے نہ چلا جائے - اور ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں -

مقربان شاہی کے لئے فتح ابواب

ہاں جو لوگ سلطنت کے وفادار اور جان نثار ہوں اور اُن کے عمدہ کارنامے ثابت شدہ سامنے ہوں تو پھر عام سلطنتوں کا دستور ہے کہ شہر پناہ کے تمام دروازے اُن کے احترام و تکریم میں کھولدیئے جاتے ہیں جو تہنیۃ اور تبریک کی علامت ہوتی ہے اسی طرح حکومت ربانی کے مقبول بندوں یعنی مومنین کی بعض مخصوص نیکیوں پر ان شاہی قلعوں میں بھی فتح ابواب کا مظاہرہ ہوتا ہے -

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما قال عبد لا الہ الا اللہ مخلصا قط الا فتحت لہ ابواب السماء حتی یفضی الی العرش (مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح ص ۲۰۲)

ابی ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بھی کوئی بندہ اخلاص سے لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو جب ہی اُسکے احترام کے لئے آسمان کے دروازے کھولدیئے جاتے ہیں یہانتک کہ یہ عمل عرش تک جا پہونچتا ہے -

مقربوں کا اعزاز

یہی نہیں بلکہ ایسے محبوبوں کی عزت و شہرت کو چار چاند لگانے کے لئے شہنشاہِ عالمین اپنے مخصوص پرائیویٹ سکریٹری کے ذریعہ ایسے افراد کے ساتھ اپنی محبت کا اعلان سارے ملک میں کرا دیتا ہے تاکہ سارا ملک اُس شخص کو محبوب سمجھنے لگے اور اُس کی عزت شہرۃ پکی ہو جائے -

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ

صلے اللہ علیہ وسلم ان اللہ اذا احب عبدا دعا جبریل فقال انی احب فلانا فاحبہ قال فیحبہ جبریل ثم ینادی فی السماء فیقول ان اللہ یحب فلانا فاحبوہ فیحبہ اھل السماء ثم یوضع لہ القبول فی الارض الخ

(مشکوٰۃ باب الحب فی اللہ صـ۴۲۵)

صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ سے محبت کرتے ہیں تو جبریل علیہ السلام کو بلا کر فرماتے ہیں کہ میں فلاں سے محبت کرتا ہوں تو بھی اُس سے محبت کر تو جبریل بھی اُس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور پھر وہ آسمانوں میں عام منادی کر دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں سے محبت کرتے ہیں تم سب بھی اُس سے محبت رکھو یہاں تک کہ اُس شخص کی مقبولیت اور محبوبیت زمین میں پھیل جاتی ہے اور وہ محبوب القلوب بن جاتا ہے۔

اس محبت اور مقبولیت کے بعد آخرت کا ثمرہ جنت رضوان ہے جس میں انواع واقسام کی نعمتیں ابدی راحتیں اور لاتعداد کامل و مکمل لذتیں ہیں۔

قلعہ کی محافظ فوجیں مملکت کا جزو لازم فوجی طاقت ہے جس سے ملک و مملکت کا قیام ہوتا ہے یہ فوجیں یوں تو تمام ملک میں مختلف چھاؤنیوں میں مقیم رہتی ہیں کہ ہر غنیم اور باغی سے ملک کا بچاؤ کریں مگر دار الخلافہ میں خصوصیت سے زبردست فوجی طاقت جمع رکھی جاتی ہے کہ دشمن اور غنیم کی نظر دار السلطنت ہی کیطرف زیادہ ہوتی ہے۔

پس ان سات شاہی قلعوں یعنی ہفت آسمانوں کی جنگی فوج ملائکہ ہیں جن کے پاس آتشیں میگزین ہر وقت مہیا رہتا ہے۔ چنانچہ ایمان لائے والے جنات نے حضور کو اس جرار لشکر اور اس کی جنگی طاقت کی خبریں دیں اور کہا (جس کو قرآن عزیز نے نقل فرمایا ہے)۔

وانا لمسنا السماء فوجدناھا ملئت حرسا شدیدا وشھبا۔

-اور ہم نے آسمان کی (چیزوں) کی تلاشی لینا چاہا تو ہمنے اُسکو سخت پہروں اور شعلوں سے بھرا ہوا پایا۔

شاہی میگزین اور باغیوں کی سرکوبی

پھر باغیوں اور دشمنوں کے دفاع اور سرکوبی کے لئے جیسے فوج ضروری ہے ایسے ہی اُس کے لئے ہتیار اور میگزین بھی ضروری ہیں۔ چنانچہ شیاطین جیسے باغیوں کے دفعیہ کے لئے جو آتشیں مخلوق ہے آتشیں اسلحہ بھی آسمانوں میں فراہم ہیں جن کا نام شہاب ثاقب ہے۔ جب کوئی باغی اور جاسوس شیطان پہونچتا ہے کہ شاہی پارلیمنٹ کے رازہائے سربستہ کا انکشاف کرکے اُنھیں اچک لائے یا کان لگائے۔ تاکہ کوئی ایک آدھ بات ہی اُس کے کان میں پڑجائے اور اُسے اپنے اکاذیب سے غلط ملط کرکے اُسی کے لئے اغوار اور غلط پروپگنڈہ کا موقعہ ہاتھ آجائے تو انتہائی تذلیل و رسوائی کے ساتھ ان آتشیں اسلحہ سے اُس کی خبر لی جاتی ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

اِنَّا زَیَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْیَا بِزِیْنَۃِ الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملاء الاعلی ویقذفون من کل جانب دحورا ولھم عذاب واصب الا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شہاب ثاقب۔

ہم ہی نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور ان ہی ستاروں سے آسمان کی حفاظت بھی کی ہے ہر شریر شیطان سے اور اسی وجہ سے وہ شیاطین عالم بالا کی طرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ اور وہ ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیے جاتے ہیں اور آخرت میں ان کیلئے دائمی عذاب ہوگا۔ مگر جو شیطان کچھ خبر ہی بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اُسکے پیچھے لگ لیتا ہے۔

خود ان شیاطین جن کی زبانی بھی اس فوجی میگزین کی تصدیق اور حکایت کرائی گئی اُنھوں نے حضور سے آکر کہا۔

وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع

اور اسکے قبل ہم آسمان کی خبر کے موقعوں میں خبر سننے کیلئے جا بیٹھا

فمن یستمع الآن یجد لہ شھابًا رصدًا۔ | کرتے تھے سو جو کوئی اب سننا چاہتا ہے تو اپنے لئے ایک تیار شعلہ پاتا ہے۔

اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ شہاب ثاقب یعنی ٹوٹنے والے ستاروں کا وجود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے ہوا ہے۔ نہیں بلکہ ستارے پہلے بھی ٹوٹتے تھے مگر زمانہ نبوی سے پہلے اُن میں شدۃ نہ تھی۔ بعثت نبوی کے وقت سے اُنمیں کثرت اور شدۃ پیدا کی گئی ہے تاکہ شیاطین کو آسمانوں اور اُن کے دروازوں کے قریب پہونچکر کلمات وحی اُچک لینے اور زمین پر آکر الفاظ وحی میں اپنی طرف سے کچھ سچ جھوٹ ملاکر افواہیں پھیلانے اور اپنے کو غیب داں باور کرانے کا موقع نہ ملے۔ چنانچہ ابن عباسؓ کی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے جو آئندہ زیر عنوان "تخت بردار و خدمہ شاہی سے معلومات عامہ" بالتفصیل مذکور ہوئی ہے۔ راز اس شدۃ و غلظت کا یہ ہے کہ مذاہب سابقہ بہرحال اپنی اپنی مدۃ پوری کرکے خود ہی منسوخ ہونے والے تھے۔ اگر اُن میں خلاف مذہب اُمور کی آمیزش بھی ہوئی تو اُس کا زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ بے اعتبار ہو کر ختم ہو جائیں۔ سو وہ خود ہی ختم ہونے والے تھے آخری مکمل دین نہ تھے۔ لیکن اسلام آخری دین تھا جو اپنے انتہائی کمال و تمام اور کامل اعتدال و توسط کی وجہ سے آخری اور قیامت تک باقی رہنے والا تھا۔ اُس کے بعد کوئی دین آنے والا نہ تھا۔ اس لئے اُس کے تحفظ میں مبالغہ کیا گیا خود حق تعالیٰ نے اپنے ذمہ اُس کی حفاظت لی۔ وسائل حفاظت میں سے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ شیاطین کو اس دین میں خلط ملط کرنیکا ادنیٰ موقعہ نہ دیا جائے۔ اور اُس کی شکل یہی تھی کہ آسمانی دروازوں اور چوکیوں کی نشستوں

تک اُن کا پہونچنا ہی روک دیا جائے۔ اُسی روک تھام کے لئے یہ ستاروں کے شعلے اُن کے حق میں آتشیں اسلحہ بنا دیئے گئے۔

پس آسمانوں میں داخلہ تو شیاطین کا پہلے ہی ممنوع تھا بعد میں بھی ممنوع رہا مگر دروازوں کی چوکیوں پر اُن کی نشست ہو جایا کرتی تھی جس سے چوری چھپے وہ وحی کے کلمات کچھ نہ کچھ اُچک لاتے اور اپنی غیب دانی اور عالم الغیبی کا ثبوت دیتے۔ مگر زمانہ نبوی سے یہ نشست بھی ممنوع ٹھیرا دی گئی اسی کو وانا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع الخ سے ظاہر فرمایا گیا۔

اب وحی الٰہی کلیتہً معصوم اور قیامت تک خالص رہ کر محفوظ ہو گئی نیز قیامت تک یہی کامل اور محفوظ وحی کافی بھی ہو گئی نہ جدید وحی کی حاجت رہی نہ جدید نبوۃ کی۔ پس یہ نبوۃ اور وحی کا دروازہ بند ہونا روحانی نعمت و کمال کی بندش نہیں بلکہ روحانی نعمت کی تکمیل ہے اور کمال کی آخری حد یہی ہوتی ہے کہ اُس کمال پر اضافوں کی گنجائش نہ رہے یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ شب میں یکے بعد دیگرے ستارے طلوع کرتے رہیں اور سلسلہ طلوع جاری رہے لیکن سورج نکلتے ہی طلوع سیارات کا دروازہ بند ہو جائے۔ پس اس بندش دروازہ کے معنی عالم کو نور سے محروم کرنے کے نہیں بلکہ نور کو مکمل کر دینے کے ہیں جس کے بعد اور نور کی حاجت باقی نہ رہے۔ کہ کسی نئے ستارے کے طلوع کی ضرورت پڑے۔ چنانچہ شب میں طلوع پر طلوع ہوتا رہے روشنی بڑھتی رہے گی۔ رات زائل نہیں ہو گی۔ جو تکمیل نور کا انتہائی مقام ہے کہ رات ختم ہو جائے اور ظلمتیں یکسر کافور ہو کر دن نکل آئے۔ لیکن طلوع آفتاب ہوتے ہی رات ختم ہو کر دن آجاتا ہے کیونکہ نور اپنی تکمیل کے انتہائی

مقام پر آجاتا ہے جس سے ظلمت شب یکسر کافور ہو جاتی ہے اور دن نکل آتا ہے جو تکمیل نور کا مقصد ہے۔ اس صورت میں اگر یہ کہا جائے کہ چونکہ آفتاب طلوع ہو چکا ہے اس لئے طلوع سیارات کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے تو اس کے معنی یہ ہونگے کہ مخلوق کو نور سے محروم کر دیا گیا ہے کہ یہ تو قہر و غضب کی علامت ہے بلکہ یہ ہونگے کہ نور کی اعلیٰ ترین تکمیل کے بعد اب کسی جدید نور کی حاجت باقی نہیں رہی ہے۔

بہر حال حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری نبوۃ نے دروازۂ نبوۃ اس لئے بند نہیں کیا کہ مخلوق کو علم و عرفان نبوۃ سے محروم کرنا مقصود تھا بلکہ اسلئے کہ آخری دور کی کامل اور انتہائی نبوۃ کے آخری حد پر پہونچے ہوئے علم و معرفۃ اور اس کے انتہائی طریق پر محفوظ کر دیئے جانے کے بعد تربیت عالم کے لئے وہی کافی تھا جدید علم و شریعت اور جدید نبوۃ و رسالت کی حاجت ہی باقی نہیں رہی۔ پس یہ ختم نبوۃ ہے بمعنی تکمیل نبوۃ ہے بمعنی انسداد و حرماں نہیں۔

ایوان شاہی اور مقربین | پھر ان محفوظ شاہی قلعوں میں جہاں باغیوں کی سرکوبی کے سامان اور فوجی بارگیں ہوتی ہیں جس کے تحفظات کی یہ اندرونی اور بیرونی تشکیل عرض کی گئی وہیں خاص شاہی بود و ماند کے لئے قصر شاہی بھی تیار کیا جاتا ہے جس میں خلوت گاہ خاص بھی ہوتی ہے دربار عام اور دربار خاص کے ایوان بھی ہوتے ہیں وزراء اور عمائد کی کوٹھیاں بھی بنتی ہیں عام مہمان خانے اور پائیں باغ تیار ہوتے ہیں جن میں شاہی مہمان آکر فروکش ہوتے ہیں جنھیں گورنمنٹ ہاؤس کہا جاتا ہے۔ اُس میں ایسی تفریح گاہیں بھی ہوتی ہیں جنمیں کسیوقت خواص و عام سب آتے ہیں اور تفریح کرتے ہیں ٹھیک اسی طرح حضرت ملک الملوک نے یہ تمام

لوازم مملکت ان قلعوں میں جمع فرمائے۔ خلوت گاہ خاص جس میں مقربین اور خاص درباریوں کے سوا دوسرا نہیں جا سکتا وہ ہے جس میں پہونچ جانے والے شاہی قرب کی مسرتوں سے مگن ہو کر تقرب شاہی کی فخر و مباہات کا مقام حاصل کرتے ہیں جس مقام کی شان یہ ہے۔ ؎

ہیچ کنجے بے دو بے دام نیست — جز بخلوتگاہِ حق آرام نیست

اس مقام کا نام مقعد صدق ہے جس میں اتقیا کا گذر ہے ارشاد ربانی ہے۔

ان المتقین فی جنات ونھر فی	تحقیق پرہیز گار لوگ باغوں اور نہروں میں ہونگے
مقعد صدق عند ملیك	ایک عمدہ مقام میں قدرت والے بادشاہ کے
مقتدر۔	پاس۔

مقربوں کی سلامی | پھر ان مقربین شاہی کے مخصوص مراتب اور درجات ہیں گویا دربار میں ہر ایک مقرب کے لئے سٹیں اور مقام مشخص ہیں اور انہیں مقامات قرب کے معیار سے اُن کے تعارف کے القاب ہونگے جس سے اُنہیں یاد کیا جاوے گا۔ جیسے اصحاب یمین اور مقربین وغیرہ۔ نیز اُن میں حسب مرتبہ و مقام سلامیاں دیجائینگی ارشاد ربانی ہے۔

فاما ان کان من المقربین فروح	تو جو شخص مقربین میں سے ہو گا اُسکے لئے تو راحت
وریحان وجنة نعیم واما ان	ہو گی اور فراغت کی غذائیں ہیں اور آرام کی جنت ہے اور جو شخص
کان من اصحاب الیمین فسلٰم	داہنے والوں میں سے ہو گا تو اُس سے کہا جاویگا کہ تیرے لئے امن و امان ہے
لك من اصحاب الیمین۔	کہ داہنے والوں میں سے ہے۔

مخصوصین کو سلام خاص | پھر بعض اوقات خود شاہ شاہان بلا واسطہ بھی بطور عزۃ افزائی

ونشاطِ خاطر اُنہیں سلام فرمائینگے تاکہ اُن کیلئے انتہائی عزت ومسرت کا مقام میسر ہو جائے۔ چنانچہ جنت میں اہل جنت کیسامنے جب کہ وہ اپنی لذات میں مصروف ہونگے اچانک ایک انوکھے نور کا چاند نا اک دم پھیل جائیگا۔ وہ حیرانی سے نگاہ اُوپر کو اٹھا کر دیکھیں گے تو اچانک اُنہیں دیدارِ خداوندی ہوگا اور اس حالت میں کہ بادشاہِ عالمین اُنہیں سلام فرماتے ہوں گے۔ اس سلام خاص کے بارہ میں قرآن حکیم نے خبر دی اور فرمایا۔

سلٰمٌ قولاً من رب رحیم

یعنی نہ صرف سلام کا اشارہ ہی ہو جائے گا بلکہ قولاً سلام فرمائینگے جو اعزاز کا انتہائی مقام ہے۔

مقربین کے محلات پھر ان مقربین کے لئے شاہی محل کے قریب ہی محلات ہیں جو ہر قسم کے شاہانہ ساز و سامان سے آراستہ پیراستہ ہیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

واصحٰب الیمین ما اصحٰب الیمین فی سدر مخضود وطلح منضود وظل ممدود وماءٍ مسکوب وفاکھۃ کثیرۃ لا مقطوعۃ ولا ممنوعۃ وفرش مرفوعۃ پ ۲۷ ع

اور جو داہنے والے ہیں وہ داہنے والے کیسو اچھے ہیں وہ اُن باغوں میں ہونگے جہاں بے خار بیریاں ہونگی اور تہ بتہ کیلے ہونگے اور لمبا لمبا سایہ ہوگا اور چلتا ہوا پانی ہوگا اور کثرت سے میوے ہونگے جو نہ ختم ہونگے اور نہ اُنکی روک ٹوک ہوگی اور اونچے اونچے فرش ہونگے

دربار عام خاص خاص مواقع پر عام شاہی دربار بھی منعقد ہوتے ہیں جن میں رعیت کے تمام افراد جمع کئے جاتے ہیں اور علی قدر مراتب دربار میں اُنھیں کرسیاں ملتی ہیں بادشاہ تخت پر جلوہ فرما ہوتا ہے اور تخت شاہی بائیں باغ میں بچھایا جاتا ہے لوگ سواریوں پر آتے ہیں اور اپنی اپنی سیٹ پر بیٹھ جاتے ہیں بادشاہ کے نزول اجلال پر تہنیت کے قصائد پڑھے جاتے ہیں شعراء اور خوش الحان قصیدہ خوانی میں اپنا اپنا

کمال دکھلاتے ہیں جام چلتا ہے اور مجلس نشاط و سرور گرم رہتی ہے کسی کسی بادشاہ
بطور عنایت و عطوفت ہم کلام ہوتا ہے حاضرین کی فواکہ وغیرہ سے تواضع کیجاتی
ہے غرض اس طرح ایک مقررہ وقت تک یہ دربار جمارہتا ہے ختم دربار پر بادشاہ
کی طرف سے انعامات اور جاگیریں تقسیم ہوتی ہیں اور لوگ خوش خوش اپنے
اپنے گھروں کو لوٹ آتے ہیں۔ بعینہٖ دربار ربانی کا بھی یہی نقشہ ہے اور اصل
نقشہ وہیں کا ہے جس سے بنی آدم نے درباداری سیکھی ہے چنانچہ عرش الٰہی کا
جنتوں میں ظہور اور باغات جنتہ میں سے ایک باغ (مزید) میں حق تعالیٰ کی
تجلی۔ عرش کے گرداگرد لولوئی یاقوتی زبرجدی اور نقرئی وطلائی کرسیوں اور
ممبروں کا بچھنا اُن پر انبیاء و اولیاء مقربین کا درجہ بدرجہ بیٹھنا مشک کے
چبوتروں اور کرسیوں پر علی قدر مراتب درباریوں کی نشست حق تعالیٰ کا اپنی
وسیع المرتبت کرسی پر جلوہ فرمانا۔ درباریوں کو احکم الحاکمین کی زیارت۔ بعض
افراد سے حق تعالیٰ کی گفتگو اور دنیا کی باتیں یاد دلانا۔ بادلوں سے خوشبو برسنا۔
داؤد علیہ السلام کا مزامیر داؤدی اور خوش الحانی سے مناجاتیں پڑھ کر اس مجلس
میں اولین و آخرین کو محو و مست عرفان کرنا۔ پھر حق تعالیٰ کا دربار برخاست فرماکر
ارشاد فرمانا کہ جاؤ اب اُن انعامات کو جنتہ کے بازاروں سے حاصل کرلو جو
میں نے تمہارے لئے تیار کئے ہیں جو لاعینٌ رأت ولا اذنٌ سمعت کا مصداق
ہیں یعنی نہ کسی آنکھ نے وہ نعمتیں دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی قلب پر
اُن کا خطرہ گذرا۔ درباریوں کی واپسی اور ان بازاروں میں خواص و عوام
سب کی ملاقاتیں پھر اپنے اپنے منازل میں لوٹنا اور ان سب کے چہروں کے

حسن کا فروغ بڑھ جانا وغیرہ۔ اس شاہی دربار عام کا نقشہ ہے جو سلطنت کو جاہ وجلال کا اجتماعی مظاہرہ ہے جس کو حدیث ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا گیا ہے۔

وعن سعید بن المسیب انہ لقی ابا ہریرۃ فقال ابو ہریرۃ اسأل اللہ ان یجمع بینی وبینک فی سوق الجنۃ فقال سعید أفیہا سوق؟ قال نعم اخبرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل الجنۃ اذا دخلوہا نزلوا فیہا بفضل اعمالہم ثم یؤذن لہم فی مقدار یوم الجمعۃ من ایام الدنیا فیزورون ربہم ویبرز لہم عرشہ ویتبدی لہم فی روضۃ من ریاض الجنۃ فیوضع لہم منابر من ذہب ومنابر من فضۃ ویجلس ادناہم وما فیہم دنی علی کثبان المسک والکافور مایرون ان اصحاب الکراسی بافضل منہم مجلساً

سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ وہ ابو ہریرہ سے ملے تو ابو ہریرہ نے فرمایا کہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں جنت کے بازار میں جمع کرے۔ سعید نے عرض کیا کہ کیا جنت میں بازار بھی ہے؟ فرمایا ہاں۔ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اس میں اپنے اپنے اعمال کی خوبی کی قدر جگہ پائیں گے۔ اس کے بعد انھیں بقدر ایک یوم جمعہ کے ایام دنیا میں سے حق تعالیٰ کے یہاں حاضری اور دیدار کی اجازت دی جائے گی۔ تو عرش الٰہی ان کے سامنے ظاہر ہوگا اور حق تعالیٰ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ میں (جس کا نام دوسری روایات میں مزید ہے) ان کے سامنے نمایاں ہوں گے۔ ان سب درباریوں کیلئے سونے چاندی کے ممبر بچھائے جائینگے اور ان میں ادنیٰ مرتبہ کا آدمی حالانکہ وہاں بذاتہٖ کوئی بھی ادنیٰ نہو گا صرف دوسرے کی نسبت سے اسے ادنیٰ کہدیا گیا ہے مشک اور کافور کے خوشبودار چبوتروں پر بیٹھے گا۔

قال ابو ھریرۃ قلت یا رسول
اللہ وھل نری ربنا؟ قال
ھل تمارون فی رویۃ
الشمس والقمر لیلۃ البدر؟
قلنا لا- قال کذلک لا تمارون
فی رویۃ ربکم ولا یبقی فی
ذلک المجلس رجل الا حاضرہ
اللہ محاضرۃ حتی یقول
للرجل منھم یا فلان ابن
فلان اتذکر یوم قلت کذا
وکذا فیذکرہ ببعض غدراتہ
فی الدنیا فیقول یا رب
افلم تغفرلی؟ فیقول بلی-
فبسعۃ مغفرتی بلغت منزلتک
ھذہ- فبیناھم علی ذلک
غشیتھم سحابۃ من فوقھم
فامطرت علیھم طیبا
لم یجدوا مثل ریحہ شیئا
قط- ویقول ربنا قوموا الی

اور اس حالت میں بھی یہ کرسی اور ممبر والے چبوترہ والوں
سے کچھ افضل نظر نہ پڑینگے ابو ہریرہ فرماتے ہیں میں نے عرض
کیا رسول اللہ کیا ہم وہاں اپنے پروردگار کو دیکھیں گے؟
فرمایا کیا تم سورج اور چودھویں رات کے چاند کو دیکھنے میں
کوئی مزاحمت اور دقت محسوس کرتے ہو یعنی ایک کے دیکھنے
میں دوسرے کا دیکھنا حارج تو نہیں ہوتا ایک ہی وقت
میں ساری دنیا اپنی اپنی جگہ پر سورج اور چاند کو بلا مزاحمت
کے دیکھتی ہے) میں نے عرض کیا نہیں کوئی دشواری محسوس
نہیں کیجاتی- فرمایا بس اسیطرح تم ان گنت افراد اپنی اپنی
نشستوں اور درجوں پر بیٹھے ہوئے پروردگار کو دیکھنے میں
کوئی ادنیٰ مزاحمت محسوس نہیں کروگے- نیز اس مجلس اور دربار
میں کوئی شخص باقی نہ رہیگا جس سے حق تعالیٰ روبرو اور
آمنے سامنے ہوکر خطاب نہیں فرماوینگے حتی کہ ایک شخص سے
فرماوینگے اے فلاں ابن فلاں وہ دن بھی یاد ہے جب تو نے
فلاں فلاں بری بات کہی تھی؟ اور اُسے اُسکی دنیا کی بعض
کمزوریاں اور غداریاں یاد دلائینگے- وہ عرض کرے گا
خداوندا کیا آپنے مجھے بخش نہیں دیا تھا؟ فرمائینگے ہاں کیوں
نہیں؟ اور میری وسیع مغفرت ہی سے تو تو اس رتبہ کو پہنچا ہے
ہاں پھر ہم اسی حالت میں ہونگے کہ سروں پر اچانک ایک

ما اعددت لکم من الکرامة فخذوا ما اشتهیتم فنأتی سوقاً قد حفت به الملائکة فیها ما لم تنظر العیون الی مثله ولم تسمع الآذان ولم یخطر علی القلوب فیحمل لنا ما اشتهینا لیس یباع فیها ولا یشتری وفی ذلک السوق یلقی اهل الجنة بعضهم بعضاً قال فیقبل الرجل ذو المنزلة المرتفعة فیلقی من هو دونه وما فیهم دنی فیروعه ما یری علیه من اللباس فما ینقضی آخر حدیثه حتی یتخیل علیه ما هو

ابر چھا جائیگا اور اُس سے ایسی خوشبو برسنی شروع ہوگی کہ اُس جیسی خوشبو کبھی بھی لوگوں نے نہ پائی ہوگی اور فرمائیگا ہمارا پروردگار اب اٹھو اور وہاں پہنچو جہاں میں نے اور نعمتیں اور کرامتیں تیار کر رکھی ہیں اور جس چیز کی خواہش ہو لو۔ تو ہم لوگ ایک بازار میں آئینگے جسے ملائکہ نے اپنی کثرۃ و اژدحام سے ڈھانک رکھا ہوگا اور اسمیں وہ وہ نعمتیں نظر پڑینگی جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا تھا نہ کانوں نے سنا تھا اور نہ دلوں میں اُنکا خیال بھی گذرا تھا پس ہمیں وہ چیزیں اُٹھاکر حوالہ کردیجائینگی جنکو ہم چاہینگے بلا بکری اور خرید و فروخت کے۔ یہی بازار ہوگا جسمیں مختلف جنتوں کے باشندے آپسمیں ملا کرینگے۔ ابوہریرہ نے فرمایا کہ اس موقعہ پر یہی ہوگا کہ ایک اونچے مرتبہ کا شخص آئیگا اور ایک کم رتبہ شخص سے ملیگا درحالیکہ یہ کم رتبگی اُسکی نسبتہ سے ہوگی بذاتہ وہاں کوئی بھی کم رتبہ نہیں تو اس کم رتبہ کے دلمیں خیال سا گذریگا کہ اسکا تو اتنا اعلیٰ لباس ہے اور میرا ایسا نہیں۔ یہ خیال ابھی پورا بھی نہونے پائیگا کہ اچانک اُسے یہ محسوس ہوگا کہ اُسکا لباس تو اُس بلند رتبہ شخص سے کہیں زیادہ بہتر اور فائق ہے۔ اور یہ اسلیئے کہ جنت میں حزن و غم کا نشان نہیں پھر اسے حسرۃ میں کیسے ڈالتے کہ وہ انتہائی حزن و غم ہے اسکے بعد ہم اپنے اپنے مقامات اور جائے رہائش

احسن منه ثم ذلك انه لا ينبغي لاحد ان
يحزن فيها. ثم ننصرف الى منازلنا
فيتلقانا ازواجنا فيقلن مرحبا واهلا
لقد جئت وان بك من الجمال افضل
مما فارقتنا عليه فيقول انا جالسنا
اليوم ربنا الجبار ويحقنا ان ننقلب
بمثل ما انقلبنا (مشکوٰۃ باب صفة الجنة)

پر لوٹ آئیں گے۔ اور اپنی بیویوں سے ملیں گے۔ تو
وہ ہمیں مرحبا اور خوش آمدید کہہ کر کہیں گی کہ تم جاتے
ہوئے جتنے حسین وجمیل تھے اس سے بدرجہا زائد اب آتے
ہوئے تمہارا جمال بڑھ گیا ہے۔ ہم کہیں گے کہ آج ہمیں حق
تعالیٰ کے دربار کی حاضری کا شرف نصیب ہوا ہے
اور اس مجلس کیلئے تو یہی سزاوار تھا کہ ہم اسطرح زیادہ
حسن وجمال کی طرف تبدیل ہو جائیں۔

اسی روایت کے دوسرے ٹکڑوں میں یہ حصے بھی مروی ہیں کہ اسی دربار
میں ملائکہ علیہم السلام شراب طہور پلائیں گے جس میں نہ تلخی ہوگی نہ عقل ربودگی بلکہ
بے مثال سرور وکیف ہوگا جس سے اہل دربار مست مئے عرفان ہو جائیں گے۔
اس دربار میں داؤد علیہ السلام جن کو خوش آوازی کا معجزہ عطا فرمایا گیا تھا اور جس کے
لحن داؤدی سے چرند و پرند بھی مست ہو جایا کرتے تھے مناجاتیں خوش آوازی سے
پڑھیں گے جن کی آواز تمام اہل دربار کو یکساں پہونچے گی اس دربار میں حق تعالیٰ
فرمائیں گے کہ اے اہل دربار مانگو کیا مانگتے ہو۔ سب حیران ہوں گے کہ کونسی
نعمت ہے جو ہمیں مل نہیں گئی ہے اور کیا مانگیں۔؟ تو بس اتنی خواہش کریں گے
کہ اے پروردگار ہم آپ کی رضا وخوشنودی چاہتے ہیں۔ فرمائیں گے کہ اگر
میں راضی نہ ہوتا تو تمہیں اس دربار میں داخل ہی کیوں کرتا۔ میں راضی ہوں
اور ایسا راضی کہ کبھی تم سے ناراض نہ ہوں گا۔ اور کچھ مانگو۔ پھر سب متحیر ہونگے
کہ اور کیا چیز طلب کریں۔ تو سب کے سب مل کر علماء کی طرف توجہ کریں گے کہ

آپ ہمیں بتلائیں کہ اب اور کونسی نعمت باقی ہے جس کا سوال کریں۔؟ علماء مشورہ دیں گے کہ ایک نعمت عظمیٰ ابھی باقی ہے اور وہ حق تعالیٰ کا دیدار ہے۔ اُسی کا سوال کرو۔ چنانچہ سب مل کر عرض کریں گے کہ خداوندا آپ نے ہمیں ساری ہی نعمتیں عطا کردیں اب ہماری درخواست ہے کہ اپنا جمال پاک بھی ہمیں دکھلا دیجئے۔ یہ درخواست منظور ہوگی اور حجابات اُٹھنے شروع ہوں گے۔ صرف ایک ردا ءِ کبریاء و عظمت باقی رہجائے گا اور ہر چیز کو حکم ہو گا کہ ہر چیز اپنی اپنی جگہ ٹھیری رہے۔ ورنہ اُس کے جمال وجود آرا کے سامنے کسکی تاب ہوگی کہ باقی رہجائے لاحرقت سبحات وجھہ ما بین یدیہ (اُس کے چہرہ کی پاکیزگیاں ہر سامنے کی چیز کو پھونک ڈالیں) اس صورت سے یہ تمام درباری ملک الملوک کی زیارت سے مشرف ہوں گے اور اُس کے چہرہ کے انوار سے ان کے چہروں کا حسن اور فروغ جمال کہیں کا کہیں پہونچ جائے گا اور سب کو یہ محسوس ہو گا کہ گویا اب تک ہمیں کوئی نعمت ملی ہی نہ تھی یعنی جنت کی ہر نعمت اس نعمت دیدار کے سامنے گرد ہو جائے گی اور ماند پڑجائے گی اس کے بعد حکم ہو گا کہ اب سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ اور ایک ہفتہ کے بعد اگلے جمعہ کو (یعنی دنیوی اوقات کے لحاظ سے بقدر مدۃ یک ہفتہ) دربار پھر منعقد ہو گا۔ پس تمام اہل جنت اپنی اپنی سواریوں پر کوئی براق پر کوئی تخت رواں پر کوئی رفرف پر واپس ہوں گے اور جنت کے مذکورہ بازاروں سے گذرتے ہوئے اور بے مثال کرامتیں لیتے ہوئے اپنی اپنی منازل پر پہونچ جائیں گے۔

دنیا میں اس دربار عام کی نظیر اجتماع جمعہ رکھی گئی ہے۔ اور اول سے اول

آنے اور صف اولیٰ میں شامل ہونے کی ترغیبیں دی گئی ہیں جیسا کہ روایات سے ثابت ہے۔ گویا جمعہ کی نماز دربار عام ہے۔ اس میں حاضری کی پابندی اور مشق اُس بہشتی دربار عام میں داخلہ کا استحقاق پیدا کرتی ہے۔ اور جو شخص یہاں جتنا بھی امام کے قریب صف اولیٰ میں ہوگا اُسے وہاں بھی کرسی آہی کے قریب کی سیٹ ملے گی۔ دکفیٰ بہ فخراً۔

شاہی مہمان خانہ | شاہی محلات کے پہلو ہی میں سرکاری مہمان خانہ ہوتا ہے۔ جو پائیں باغ میں ایک طرف بنایا جاتا ہے جس میں سرکاری مہمان یا مقربان حاضر کو جگہ دی جاتی ہے اُس کے باغات میں سیر و تفریح کے لئے ساکنان محل بھی آتے ہیں دوسرے مقربین بھی آتے ہیں اور بعض اوقات مہمانوں سے خوش ہو کر وہ محلات مہمانوں کو بخش بھی دئیے جاتے ہیں۔ سو دربار ربانی کا پائیں باغ اور شاہی مہمان خانہ جنت ہے جس میں ملائکہ جیسے مقربین تو ہر وقت گھومتے اور سیر و تفریح کرتے ہیں اور مہمان اپنے وقت پر پہنچ کر قیام کریں گے۔ ابتداءً بحیثیت مہمان کے اُن کی دعوت ہوگی اور شاہی مہمان خانہ میں گویا عارضی طور پر ٹھہرائے جائیں گے۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم تکون الارض یوم القیمۃ خبزۃً واحدۃً یتکفأھا الجبار کما یتکفأ احدکم خبزتہٗ فی السفر نزلا

ابو سعید خدریؓ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت کے دن زمین ایک روٹی کی مانند ہو جائیگی جسے جبار اُلٹ پلٹ کریگا جیسے تم میں سے کوئی سفر میں اپنی روٹی کو الٹ پلٹ کرتا ہے یہ جنت والوں کی مہمانی کے لئے گویا ضیافت میں زمین کی روٹی بنا کر

لاھل الجنۃ الخ (مشکوٰۃ باب الحشر صفحہ ۴۸۲) دیجائیگی جبکہ لوگ شاہی مہمان ہوں گے۔

زمین کی روٹی بنانے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس کرکری مٹی کی روٹی کھائی کیسے جائے گی۔؟ اور یہ کہ خدا کی مہمانی اور زمین کے ٹکڑے سے جو عناصر اربعہ میں حقیر ترگنی جاتی ہے؟ وجہ یہ کہ دنیا میں کھانے پینے کی جو بھی ادنیٰ یا اعلیٰ چیز ہے وہ زمین ہی کے مادہ میں رلی ملی ہے اور اُسی سے نکلتی ہے مٹھائی کھٹائی نمکینی سارے ذائقے اسی میں پنہاں ہیں گویا زمین مجموعہ اور مخزن ہے تمام ذائقوں اور لذتوں کا۔ کھیتی باڑی کے ذریعہ اسی میں سے پھل پھول نکلتے ہیں اور اسی میں سے ہر شیرینی اور نمکینی نکلتی چلی آتی ہے۔ پس یہ اس کے اندر کی نعمتیں دنیا میں جب قدرت کی باطنی مشین کے ذریعے صاف ہو کر بلا کر کراہٹ حلق میں اترتی چلی جاتی ہیں تو ہو سکتا ہے کہ قیامت کے دن اُسی قدرت کی باطنی مشین سے اسکی ساری لذتیں اور ذائقے بیکدم کھینچ کر اُن کے مجموعہ کی روٹی تیار کی جائے۔ جس میں نہ کرکراہٹ ہو نہ کثافت و ثقالت اور جب وہ کھائی جائے تو بیک وقت ہزاروں ذائقوں کا مجموعہ منہ میں آجائے۔ بلاشبہ یہ ایسی غذا ہو گی کہ دنیا نے کبھی بھی نہ چکھی ہو گی۔ اور ایسی عجیب و غریب اور جامع اللذات غذا خدا ہی کی مہمانی کے لئے سزاوار ہو سکتی تھی اُس کے سوا کسی کی قدرت میں نہیں کہ زمین کی ساری قوتیں لذتیں اور ذائقے بیک دم کشید کرے۔ اس لئے نہ اس روٹی کے کھانے پر کوئی اشکال باقی رہتا ہے نہ اُس کے کھلانے پر۔ نیز چونکہ جنت کی غذائیں عنقریب اہل جنت کے سامنے آنے والی ہوں گی اس لئے دنیا کی ساری لذتیں اس زمینی روٹی کے ذریعے منہ میں تازہ کر دی جائیں گی تاکہ اس کے بعد

جنت کی غذائیں کھاکر موازنہ کا موقعہ ملے کہ دنیا کی جن لذتوں کو ہم سب کچھ سمجھے ہوئے تھے وہ جنت کی نعمتوں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ نکلیں اور ہم نے اس جنت کی خاطر دنیا کی لذات اُٹھانے میں جو کمی اور زہد اختیار کیا تھا وہ آج ہمارے کام آیا اور وعدہ خداوندی پورا ہوگیا۔

مہمانوں کو دائمی قیام کی اجازت

پھر انتہائی کریمی اور غنا سے جنت کی یہ وقتی سکونت عارضی سے دوامی بنا دی جائے گی جب کہ تمام مہمان آچکیں گے۔ اور مہمان خانہ کے بجائے یہ سکونتی شہر ہو جائے گا۔

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذا صار اهل الجنة الی الجنة واهل النار الی النار جئ بالموت حتی یجعل بین الجنة و النار ثم یذبح ثم ینادی منادٍ یا اهل الجنة فی بعض روایته (خلود) لاموت ویا اهل النار (خلود) لاموت فیزداد اهل الجنة فرحًا الی فرحهم ویزداد اهل النار حزنًا الی حزنهم

(مشکوٰت باب الحوض والشفاعة صـ۴۹۳)

ابن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اہل جنتہ جنت میں اور اہل جہنم جہنم میں جاچکینگے تو موت کو لایا جائیگا اور جنت و دوزخ کے درمیان میں کرکے اُسے ذبح کر دیا جاویگا اور ایک منادی ندا کریگا کہ اے اہل جنتہ اب ہمیشگی ہے موت نہیں اور اے اہل جہنم ہمیشگی ہے موت نہیں۔ تو جنتیوں کی تو خوشی در خوشی میں اضافہ ہو جائے گا۔

اور جہنمیوں کے رنج در رنج میں اضافہ ہوجائے گا۔

قرآن حکیم میں اسی دائمی انعام اور اس دائمی سکونت کے بارہ میں ارشاد فرمایا گیا

سرکاری مہمان خانہ کا سامان عیش و طرب

هذا ذكر وان للمتقين لحسن مآب جنت عدن مفتحة لهم الابواب متكئين فيها يدعون فيها بفاكهة كثيرة وشراب وعندهم قاصرات الطرف اتراب هذا ما توعدون ليوم الحساب ان هذا لرزقنا ماله من نفاد -

دیکھ یہ مکانات انہی مہمانوں کو عنایت ہوجائینگے۔ یہ ذکر اور پرہیزگاروں کے لئے اچھا ٹھکانا ہے یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات جنکے دروازے اُن کے واسطے کھُلے ہونگے وہ ان باغوں میں تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے وہ وہاں بہت میوے اور پینے کی دپاکیزہ) چیزیں منگوادیں گے اور اُنکے پاس نیچی نگاہوں والیاں ہم عمر ہوں گی یہ وہ ہے جس کا تم سے روز حساب آنے پر وعدہ کیا جاتا ہے جبکہ یہ ہماری عطا ہے اس کا کہیں ختم ہی نہیں۔

سرکاری جیل خانہ پھر جیسے مقبولوں اور عمائد سلطنت کے لئے شاہی مہمان خانہ ہوتا ہے ویسے ہی مجرموں اور باغیوں کے لئے سرکاری جیل خانہ بھی ہوتا ہے۔ جسکی شدۃ و صعوبت بھی اُسی درجہ کی ہے جس درجہ کی مہمان خانہ کی آرائش و زیبائش اور راحت ولذۃ تھی۔ ارشاد حق ہے۔

وان جهنم لموعدهم اجمعين لها سبعة ابواب لكل باب منهم جزء مقسوم

اور ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔ جس کے سات دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے لئے ان لوگوں کو الگ الگ حصے ہیں۔

حکام جیل حکام جیل کی شدۃ بھی ایسی ہی بتلائی گئی ہے جیسے خود جیل خانہ کی شدۃ ہو

عليها ملائكة غلاظ شداد لا يعصون الله ما امرهم ويفعلون

اُس (دوزخ) پر تُند خو فرشتے ہیں جو خدا کی نافرمانی نہیں کرتے کسی بات میں جو انکو حکم دیتا ہی اور جو کچھ حکم دیا

مایؤمرون	جاتا ہے اسکو بجالاتے ہیں

حکام جیل کی تعداد — پھر ان حکام جیل کی تعداد بھی تبلائی گئی ہے کہ وہ ۱۹ افسر ہیں۔

علیہا تسعۃ عشر	اس پر انیس۱۹ فرشتے ہوں گے۔

جیل خانہ کی سختیوں کے بارہ میں فرمایا گیا ہے۔

ان جہنم کانت مرصادا للطٰغین مآبا لبثین فیہا احقابا لایذوقون فیہا بردا ولا شرابا الا حمیما وغساقا جزاء وفاقا۔	بے شک دوزخ ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانا جس میں وہ بے انتہا زمانوں رہیں گے۔ اس میں تو وہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا بجز گرم پانی اور پیپ کے یہ پورا بدلہ ملے گا۔

تکالیف جیل کی شدۃ و استداد — پھر جیسے مقربوں اور محبوبوں کے لئے انعام شاہی دوامی ہوگا ایسے ہی باغیوں اور مجرموں کے لئے عذاب بھی دائمی ہوگا۔ ارشاد حق ہے۔

کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلودا غیرھا لیذوقوا العذاب۔	جب ایک دفعہ ان کی کھال جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ عذاب ہی بھگتتے رہیں۔

قیدیوں کی غذا و شراب — ایک جگہ ان مجرموں کی غذا کے بارہ میں فرمایا گیا۔

انا اعتدنا للظٰلمین نارا احاط بھم سرادقھا وان یستغیثوا یغاثوا بماء کالمھل یشوی الوجوہ بئس الشراب وساءت مرتفقا	بیشک ہمنے ایسے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں انکو گھیرے ہونگی اور اگر فریاد کرینگے تو ایسے پانی سے ان کی فریاد رسی کیجائیگی جو تیل کی تلچھٹ کیطرح ہوگا منہ کو بھون ڈالیگا۔ کیا ہی برا پانی ہوگا اور وہ دوزخ کیا ہی بری جگہ ہوگی

مجرموں کا لباس | ایک موقع پہ ارشاد ہے۔

سرابیلھم من قطران وتغشٰی وجوھھم النار لیجزی اللہ کُلَّ نفسٍ ما کسبت ان اللہ سریعُ الحساب۔

ان کے کرتے قطران کے ہوں گے اور آگ اُن کے چہروں پر لپٹی ہو گی تاکہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اسکے کئے کی سزا دے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔

بطور خلاصہ ایک مقام پر ارشاد ہے۔

ھذا وان للطاغین لشرَّ مآب جھنّمَ یصلونھا فبئس المھاد ھذا فلیذوقوہ حمیمٌ وغسّاق وآخر من شکلہ ازواج

یہ ہے اور سرکشوں کیلئے بُرا ٹھکانا ہے یعنی دوزخ اسمیں وہ داخل ہونگے سو بہت ہی بُرا ٹھکانا ہے یہ ہے اور ساتھ ہی کھولتا ہوا پانی اور پیپ ہے سو یہ لوگ اُسے چکھیں۔ اور بھی اسی قسم کی طرح طرح کی (دردناک) چیزیں ہیں۔

مدۃ جزا اور مدۃ عمل کی برابر نہیں ہو سکتی | یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ کفار کو یہ دائمی عذاب اور مومنین کو یہ دائمی انعام کیوں ہو گا جب کہ دنیا میں اُن کے اعمال محدود اور موقت تھے اور اُس میں بھی خصوصیت سے سزا کے دائرہ میں کافر کے لئے یہ چیز بظاہر خلاف انصاف ہے کہ اُس کے جرائم تو موقت اور آنی ہوں اور سزا دوامی اور غیر فانی۔

اس اشکال کا حل یوں سمجھنا چاہیئے کہ عمل ایک پیکر اور جسم کی مانند ہے۔ اور کوئی جسم بھی بغیر روح کے زندہ اور پائندہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کوئی عمل محض صورت عمل سے جاندار اور مورث آثار نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ کسی اندرونی رُوح سے وابستہ نہ ہو۔ ادھر اعمال کی روح دو طرح کی ہے ایک رُوح پاک جیسے ایمان

کہتے ہیں اور ایک روح خبیث جسے کفر کہتے ہیں۔ ان میں سے ایک روح نورانی ہے اور ایک ظلمانی۔ ایمانی روح اس لئے نورانی ہے کہ اُس کا رُخ ذات حق کی طرف ہے بلکہ یہ ایمان خود ایک صفتِ الٰہی ہے۔ چنانچہ مؤمن اللہ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک اسم پاک ہے۔ جس سے واضح ہے کہ حقیقتاً مؤمن یعنی حق کا تصدیق کنندہ اور بالفاظِ دیگر خود اپنا مصدق اولین خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور تو اُس کی راہ چلنے اور تصدیق حق کرنے سے مومن بن جاتے ہیں بالذات مومن نہیں ہوتے اس لئے اگر ایمان صفتِ الٰہی ہوتے ہوئے بھی نورانی نہ ہو تو پھر نورانی اور کیا چیز ہوگی۔؟ اور کفر ظلمانی ہے کیونکہ کفر کے معنی حق کی تکذیب ہے جو بلاشبہ شیوۂ الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُس سے زیادہ حق کو جاننے اور ماننے والا کوئی بھی نہیں۔ اس لئے کفر یہی نہیں کہ صفتِ الٰہی نہیں بلکہ صفت الٰہی کی ضد ہے۔ اس لئے اس صفت کا رُخ اللہ کی طرف نہیں ہو سکتا اور ظاہر ہے کہ نور کی ضد اور اُس کی مقابل صفت ظلمت ہی ہو سکتی ہے پس اعمال کے لئے روح تو دونوں ہیں ایمان بھی اور کفر بھی اور دونوں سے عمل جاندار اور پائیدار ہو جاتا ہے۔ مگر ایک روح رحمانی ہے جو اپنے عمل کا رُخ خدا کی طرف پھیر دیتی ہے اور وہ عمل عمل صالح کہلانے لگتا ہے اور ایک روح شیطانی ہے جس سے عمل کا رُخ خدا سے پھر جاتا ہے اور عمل عمل طالح کہلانے لگتا ہے۔

غور کرو تو ایمان و کفر دو نیتیں ہیں جو عقیدتاً کی جاتی ہیں۔ ایمان تصدیق اور التزام طاعت کی نیت ہے۔ اور کفر بلحاظ واقعہ تکذیب حق اور التزام معصیت کی نیت ہے (خود کافر اپنے دل میں کچھ بھی سمجھتا ہے کہ وہ اطاعت حق کر رہا ہے) اور یہ نیت انسان کی موقت اور ہنگامی نہیں ہوتی بلکہ دوامی ہوتی ہے۔ مؤمن

یا کافر برائے چندے ایمان وکفر اختیار نہیں کرتا بلکہ ابدالآباد کے لئے عزم باندھتا ہے کہ وہ اُس سے جُدا نہ ہو گا۔ البتہ یہ ابدیت موت کے وقت پائیدار ہو جاتی ہے کیونکہ موت کے بعد نفس کی کسی کیفیت یا نیت میں تبدیلی ناممکن ہے۔ موت کسی بھی عمل کے لئے قاطع نہیں بلکہ تکمیل کنندہ ہے۔ اسی لئے شریعت نے انسان کی پوری زندگی کی خوبی وخرابی کا دارمدار خاتمہ کے عمل کو قرار دیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

انما العبرۃ بالخواتیم	اعتبار کے قابل آخری اعمال ہیں

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

من کان آخر کلامہ لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ	جس کا آخری کلام لا الٰہ الا اللہ ہو گیا وہ جنت میں داخل ہوا۔

ایک جگہ ارشاد ہے۔

تحشرون کما تموتون وتموتون کما تحیون۔	تمہارا حشر ویسا ہو گا جیسی موت واقع ہوئی ہے اور موت ویسی ہوگی جیسی زندگی گذاری ہے۔

پس اب سمجھو کہ مومن کے لئے دائمی جنت اور کافر کے لئے ابدی جہنم درحقیقت عمل کا بدلہ نہیں کہ عمل تو واقعی موقت اور غیر دوامی تھا بلکہ نیت کا صلہ ہے جو ایمان وکفر کی صورت میں اُس نے کی تھی اور وہ دوامی تھی کیونکہ موت کے وقت مومن وکافر دونوں کی اُن کی یہ نیتیں تھیں اور یہ نیتیں نفس میں راسخ ہو کر جزو نفس بن چکی تھیں کہ ہم ابدالآباد تک اسی مذہب پر رہیں گے جو ہم اختیار کر چکے ہیں۔ اور نفس کے ابدی ہونے سے یہ نیت بھی ابدی ہوئی اس لئے اُس کا صلہ بھی ابدی جنت ونار سے دیا جانا چاہیئے تھا۔ بہرحال یہ جنت ونار عمل کا صلہ نہیں بلکہ ابدی

نیت کا ابدی ثمرہ ہے عمل محض اس مخفی اعتقاد و نیت کی ایک ظاہری علامت اور
اُس کے وجود کی ایک شہادۃ ہے۔ ؎

این نماز و روزہ و حج و جہاد
ہم گواہی دادن است از اعتقاد

اس لئے یہ سوال حل ہو گیا کہ جزاء بقدر عمل ہونی چاہیئے اگر عمل دائمی تو اجر
بھی دائمی اور اگر عمل آنی تو جزاء بھی فانی یعنی ایمان و کفر کا ثمرہ دائمی ہوگا اور
عمل محض کا ہنگامی۔ چنانچہ مسلم و کافر کو جو صلہ محض عمل پر دیا جائے گا۔ وہ دوامی نہ
ہوگا کہ عمل ہی دائمی نہ تھا۔

جیسے مومن کی بدی اور کافر کی نیکی اس لئے دوامی نہیں کہ ان میں کوئی پائیدار
رُوح ہی نہیں جو ان کے عمل کو جاندار اور پائیدار بنائے اور یہ ابدی جزاء کے
مستحق ہوں۔ مومن کی بدی کی رُوح نہ تو کفر ہے کہ اُس میں ایمان مانا ہوا ہے اور کفر و
ایمان جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ایمان ہے کہ بدی کا منشا کبھی ایمان ہو ہی نہیں سکتا اس
لئے اُس کا منشاء بجز ہوائے نفس کے دوسرا نہیں نکلتا جس کا تعلق نہ ایمان سے ہے
نہ کفر سے اس لئے اس نفس امارہ کی تہذیب و تربیت کے طور پر اُسے دنیا میں چند
روزہ مصیبت اور بدی زیادہ ہونے پر آخرۃ میں چند روزہ جہنم دیا جائے گا۔ اور
جب اُس نفس میں سے یہ آلائشیں نکل جائیں گی تو بالآخر اُس کے ایمان و عمل صالح
کا دوامی ٹھکانا جنت ہوگا۔ اس طرح کافر کی نیکی بھی بے رُوح ہے نہ اُس کی رُوح
ایمان ہو سکتا ہے کہ ایمان کفر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اور نہ کفر ہی ہو سکتا ہے کہ
نیکی کا منشاء کفر کبھی نہیں ہوتا اس لئے اس نیکی کا منشا بلحاظ حقیقت بجز رسم و نمود

اور دنیوی نمائش کے دوسرا نہیں ہوسکتا۔ اس لئے بطور مکافات دنیا میں اُسپر نعمتوں مال ومنال اور عزت وجاہ وغیرہ کی بارش کر دیجاتی ہے کہ نمائشی عمل کیلئے نمائشی جزاء اور وہ بھی نمائش گاہ ہی میں ہونی مناسب تھی کیونکہ اسکے عمل کیطرح دنیا بھی نمائشی ہی ہے جسے قرآن نے دھوکہ کی ٹٹی اور زینۃ یعنی نمائش سے تعبیر کیا ہے۔ ہاں اس سے بھی زیادہ نیکی کی صورت کوئی غیر معمولی ہونے پر جہنم میں عذاب کی تخفیف سے اُسکا صلہ دیدیا جاتا ہے جیسے ابو طالب کو تخفیف عذاب کا صلہ دیا گیا کہ اُنھوں نے عمر بھر حضور کی اعانت کی اور مرتے وقت یہ نیت ظاہر کی کہ میں جتنا بھی زندہ رہوں یہ مدد جاری رکھونگا۔ پھر بھی کافر کا یہ صلہ داخلۂ جنت سے یوں نہیں دیا جاتا کہ وہ موضع قرب ورضا ہے اور موضع قرب میں مغضوب اور معتوب داخل نہیں کئے جا سکتے۔ ہاں جہنم موضع غضب اور غیظ وغصہ دشمن پر بھی ہوتا ہے اور اپنے پر بھی اسلئے مؤمن کو چند روزہ جہنم سے تکلیف دیجائیگی اور وہ بھی بطور تہذیب نہ بطور تعذیب لیکن کافر کو چند روزہ جنت نہیں دیجا سکتی کہ مغضوب ومعتوب سے ایک آن کیلئے بھی رضا وخوشنودی نہیں ہوتی کہ اُسے محل رضاء میں داخلہ کی اجازت دیجائے۔

بہرحال یہ اصول اپنی جگہ برقرار ہے کہ جزاء بقدر عمل ہونی چاہیئے عمل وقتی تو جزاء بھی وقتی اور عمل دوامی تو جزاء بھی دوامی۔ البتہ جزئیات پر اُسکے منطبق کرنے میں جو شبہ تھا وہ زائل ہوگیا۔

شاہی خزانہ | ہاں اب اسپر غور کرو کہ سرکاری جیلخانہ ہو یا سرکاری مہمان خانہ دفاتر ہوں یا مراکز عمل تمام عمالِ حکومت محافظین مراکز اور فوج وسپاہ وغیرہ کا بقاء اور جماؤ بغیر تنخواہ اور روزینہ کے نہیں ہوسکتا جس سے فوج کی زندگی اور فراہمی ہوتی ہے اور اس روزینہ سے وہ ہر آن بادشاہ کی دعاگو اور صرف اُسی کی قوت پر نازاں رہتی ہے اُسکی

حقیقی قوۃ بادشاہ کی قوۃ سے پیدا ہوتی ہے۔ اور اسلئے وہ صرف اُسی کی قوۃ کو مانتی ہے گویا تفویض و تسلیم کی راہ چلتی ہے اسیطرح یہ آلہی فوج بھی عرش کے خزانوں سے روز مینہ پاتی ہے جس سے متنفع ہوکر اُسمیں تفویض و تسلیم اور خالص وفاداری کے جذبات اسدرجہ پیدا ہوجاتے ہیں کہ وہ اللہ کی قوت کے سوا ہر قوۃ کی نفی کرنے لگتی ہے ورنہ اگر فوج کسی دوسرے کی قوۃ کا رعب ماننے لگے تو بلاشبہ ایسی فوج غدار کہلائے گی۔

عن ابی ھریرۃ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ادلك علی کلمۃ من تحت العرش من کنز الجنۃ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یقول اللہ تعالٰے اسلم عبدی واستسلم۔
(مشکوٰۃ باب ثواب التسبیح صہ ۲۰۲)

ابی ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمھیں اُس کلمہ کا پتہ نہ دوں جو عرش کے نیچے ایک خزانہ ہے جنۃ کا۔؟ وہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کا کلمہ ہے۔ کہ اُس کے پڑھنے پر اللہ تعالٰے فرماتا ہے کہ میرا بندہ مطیع اور وفادار ہوگیا۔

نیز انس بن مالک کی حدیث میں ہے۔

واعطیتك خواتیم سورۃ البقرۃ من کنز تحت العرش لم اعطھا نبیًّا قبلك

اور (اے محمد) میں نے تجھے سورہ بقرکی آخری آیتیں عطاکیں ہیں جو عرش کے نیچے ایک خزانہ ہے جسے میں نے کسی نبی کو تجھسے پہلے عطا نہیں کیا۔ (خصائص کبریٰ ص ۱۹۰ ج ۲)

بہرحال شاہی سطوت وہیبۃ اور سلطنت کے کروفر کیلئے انہی مظاہر شوکت کی ضرورت ہوتی ہے جو اوپر ذکر کئے گئے اور ظاہر ہے کہ سلطنت کی حیثیت کیمطابق ہی یہ لوازم سلطنت مہیا کئے جاتے ہیں اسلئے جیسی اللہ کی سلطنت تھی اور اُسکی سلطنت سے بڑھکر اور کسکی سلطنت ہوسکتی ہے اسلئے ویسے ہی عظیم و جلیل اُسکے لوازم سلطنت بھی ہیں جنکا اجمالی نقشہ بطور مثال پیش کیا گیا۔

آسمانی بادشاہت کے اصول انتظام اور تدابیر ملکی

نظم حکومت کا اجمالی خاکہ

لوازم سلطنت کروفر اور دبدبہ شاہی کے تمام مظاہر قائم کردیئے جانے کے بعد سب سے پہلے اصول انتظام اور نظام مملکت کی تشکیلات کا درجہ آتا ہے جن کا مقصد رعیت کی بہبود و فلاح اور اس کی آسائش و راحت ہوتی ہے۔ ان انتظامات کی تنظیم و ترتیب کے لئے تخت نشینی اور اعلان سلطنت کے بعد سب سے پہلے بادشاہ وزراء کی ایک مجلس ترتیب دیتا ہے جس کو کابینۂ وزارت کہا جاتا ہے۔ اپنے لئے اُن میں سے ایک بہترین قابلیت کا شخص بطور حاجب یا پرائیویٹ سکریٹری منتخب کرتا ہے جو اعیان مملکت اور وزارتوں کے درمیان واسطۂ خطاب و کتاب ہوتا ہے۔ جسے عرض بیگی بھی کہتے ہیں اور پھر اس سے بھی اعلیٰ کمالات کا ایک فرد اپنے لئے بطور وزیر اعظم چُنتا ہے جو اس کی طرف سے بطور نمائندگی تمام ملک پر بذریعہ فرامین شاہی حکومت کرتا ہے۔ پھر قابل اور مطیع افراد کی ایک مجلس مشاورۃ ترتیب دیجاتی ہے جس میں وفاشعار دوست اور اعلیٰ ترین سنجیدہ طبقہ کے اشخاص جمع کئے جاتے ہیں۔ اس مجلس کے مشورہ سے اول شہروں کی بنیادیں ڈالی جاتی ہیں۔ اُن میں رعیت بسائی جاتی ہے۔ پھر شہری ضروریات مہیا کی جاتی ہیں۔ مثلاً شہر میں میونسپلٹی روشنی اور بجلی کا انتظام کرتی ہے تاکہ شہر میں اندھیرا نہ رہے البتہ آرام و استراحت کے وقت روشنی گل بھی کردی جاتی ہے۔ صفائی اور حفظان صحت کے

اسباب فراہم کیئے جاتے ہیں۔ تاکہ شہر صاف ستھرا اور ہوا صحت بخش رہے۔ پھر وزیر زراعت تخم ریزی اور کاشت کی صورتیں پیدا کرتے ہیں۔ زمینداری اور کاشت کاری کے اصول و قوانین مدون ہوتے ہیں مال کی پیداوار پر تجارت کا سوال اٹھتا ہے اور وزارت مال بنتی ہے۔ ملکی اور غیر ملکی تجارت کے اصول و قوانین وضع ہوتے ہیں۔ آراضی اور تجارت کے اموال پر سرکاری مالگذاری اور ٹیکس تشخیص کیا جاتا ہے جس کو سرکاری پیادے وصول کرتے ہیں۔ رسیدیں دیجاتی ہیں۔ جو بڑا مالگذار ہوتا ہے اس کو بادشاہ درباریوں میں داخل کرتا ہے۔ خطابات ملتے ہیں خلعت دیئے جاتے ہیں۔ اور وہ عمائد ملک میں شامل ہو جاتا ہے پھر رعیت کے جان و مال کی حفاظت کیلئے وزارت دفاع قائم ہوتی ہے۔ وزیر دفاع کے ماتحت پولیس اور فوج مہیا کی جاتی ہے تاکہ چوروں اور ڈاکوؤں کا انتظام کرے رعیت میں بغاوت یا تمرد کے خطرات کو پیش نظر رکھ کر خفیہ پولیس مقرر کیجاتی ہے جو رعیت کی نقل و حرکت کی تمام اطلاعات محکمہ بالا کو پہنچاتی ہے جس سے ہر ہر شخص کا ریکارڈ شاہی محکمہ میں قائم ہوتا رہتا ہے۔ دفاتر بنائے جاتے ہیں اور دفتر کے اوقات متعین ہوتے ہیں۔ ان سب امور کی مثلیں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ اور مختلف دفاتر میں یہ تمام امور قلم بند ہوتے رہتے ہیں تاکہ اگر ان میں کوئی بدمعاش نمبری ثابت ہو تو اس پر مقدمہ چلایا جائے اور وہ سزا پائے اور سرکاری جیل خانہ بنایا جاتا ہے جس میں انواع و اقسام کی محنتیں اور محن رکھے جاتے ہیں تاکہ ظالم قیدی تو اپنے کیفر کردار کو پہنچیں۔ اور مظلوم اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں جس درجہ کا جرم ہوتا ہے اسی درجہ کی سزا دیجاتی ہے۔ اگر محض عملی جرم ہے جو وقتی ہوتا ہے تو سزا بھی

موقت - اور اگر ذہنی اور ملکاتی جرم ہے جیسے بغاوت جو روحی ہونے کے سبب دائمی ہے تو سزا بھی دائمی گورنمنٹ ہاؤس بنایا جاتا ہے کہ شاہی مہمانوں کو ٹھیرایا جائے اُن کا اکرام کیا جائے اُنھیں اعلیٰ ترین خطابات و القاب سے یاد کیا جائے۔ قانون بنایا جاتا ہے جس کی رُو سے تمام محکموں اور عملۂ وخدمہ اور حکام و رعیت سے باز پرس کی جائے۔ وزارت تعلیم بنائی جاتی ہے اور اقلیمیں اور صوبے متعین کئے جاتے ہیں صوبوں کے لئے بمشورۂ پارلیمنٹ گورنر منتخب ہوتے ہیں ہر صوبہ کے لئے اُسکی ضروریات کے مطابق بذریعہ وزیر تعلیمات نصاب تعلیم مقرر کیا جاتا ہے اس میں اپنے بادشاہ سے محبت اور اس کے احکام کی بے چون وچرا پیروی سکھلائی جاتی ہے۔ معاشیات اور اقتصادیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قانون اور لاء پڑھایا جاتا ہے جس سے رعیت میں مختلف قابلیت کے انسان پیدا ہوتے ہیں اُنھیں عہدے دیئے جاتے ہیں حکومت کی خدمات سپرد ہوتی ہیں اور پھر حسب حیثیت وہ مقربانِ شاہی میں بھی شامل کئے جاتے ہیں اور اس طرح واسطہ و بلاواسطہ ان تعلیمات سے عام رعیت شائستہ اور مہذب ہو جاتی ہے۔ پھر ان تمام انتظامات کی روح سلطنت کی ایک بنیادی غرض وغایت اور ایک جچا تُلا نصب العین ہوتا ہے جس کی خاطر بادشاہ اُس کا کابینہ اور اُس کا اپنا گروہ اپنے ملک کو وسیع سے وسیع تر کرنے میں کوشاں رہتا ہے۔ یہ اغراض مختلف ہوتی ہیں اور حکومت کے اپنے اجتماعی مزاج کی افتاد کے مطابق ہی یہ غرضیں مشخص کی جاتی ہیں اور پھر اُسی غرض وغایت اور مقصد کی روشنی میں حکومت کی پالیسی اور حکمت عملی متعین ہوتی ہیں جس پر بالآخر پورا نظام حکومت گردش کرتا ہے۔

دنیا کی سلطنتوں کے یہ اُصول اور نظام عمل درحقیقت خدا ہی کی سلطنت کے اُصول کی نقالی اور ناتمام تصویر ہے۔ آسمانی بادشاہت کے سلسلہ میں مالک الملک نے یہ اُصول تشریعی اور تکوینی طور پر قائم فرمائے اور دنیا کے سامنے نمونۂ عمل پیش کرکے اُن کی فطرتوں میں سلطنت کے یہ خاکے پیوست کردیئے۔ جن کے ماتحت سلاطین دنیا نے سلطنتیں کرنا سیکھیں اور اپنے اپنے نظام صحیح اور غلط طریق پر قائم کئے۔

نظام حکومت کے پانچ بنیادی اُصول

غور کیا جائے تو ان اُصول انتظامات کے سلسلہ میں پانچ چیزیں خصوصیت سے اہم اور اساسی شمار کی گئی ہیں جن کے بروئے کار لانے میں پہل کی جاتی ہے۔ اعلان بادشاہت اور بیعت عامہ یا عہد و میثاق۔ حکومت کے نصب العین اور مقصد کی تشہیر۔ حکومت کی سرکاری پالیسی کی اشاعت۔ مناسب مقصد رجال کار کا انتخاب اور نظام حکومت کی اجمالی تشکیل ملکی قانون اور حکمرانی۔ ان ہی پانچوں موضوعوں پر الگ الگ مستقل عنوانوں کے تحت میں آپ کو اس باب میں متعلقہ جزئیات ملیں گی۔

نظام مملکت کا اصولی نقشہ

تخت نشینی اور اعلان بادشاہت

چنانچہ نظام مملکت اور تدابیر ملکی کے سلسلہ میں سب سے پہلے سلاطین اپنی تخت نشینی کی رسم ادا کرتے ہوئے اپنی بادشاہت کا باضابطہ سرکاری طور پر اعلان کرتے ہیں کہ ہم اس مملکت کے فلاں فلاں وجوہ سے حقدار ہیں۔ ہمیں اس مملکت کی تمام املاک میں حاکمانہ تصرف کا اختیار ہے۔ اور اُس کی زمام سلطنت ہمارے ہاتھ میں ہوگی۔ سو اُس شہنشاہ حقیقی نے

بھی اولاً تخت سلطنت پر جلوہ فرما کر جس کا اصطلاحی لقب استواء علی العرش ہے عرش سے فرش تک اور ثریا سے ثری تک کے ذرہ ذرہ پر اپنی ملوکیت اور اور ملکیت عامہ کا اعلان فرمایا۔ مالکیت مطلقہ کا اعلان قرآنی الفاظ میں حسب ذیل ہے۔

الرحمٰن علے العرش استویٰ لہ ما فی السمٰوات وما فی الارض وما بینھما وما تحت الثریٰ ٥	وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے اسیکی ملک ہیں جو چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں زمینوں میں ہیں اور جو چیزیں ان دونوں کے درمیان ہیں اور جو چیزیں تحت الثریٰ میں ہیں۔

پھر اپنی ملوکیت عامہ کا اعلان فرمایا۔ جس کو قرآن کریم نے نقل فرمایا ہے۔

لہ مُلکُ السّمٰوٰت والارض یُحیی ویمیت وھو علیٰ کلِّ شئی قدیر ٥	اسی کی سلطنت ہے آسمانوں اور زمین کی وہی حیات دیتا ہے اور موت دیتا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

پھر اپنی ملوکیت عامہ کے اعلان کیساتھ اپنی صفات ملوکانہ کا بھی اعلان فرمایا جو در حقیقت اس ملوکیت عامہ کی وجوہ و دلائل کی حیثیت رکھتی ہیں ارشاد قرآنی ہے۔

ھو اللہ الذی لا إلٰہ الا ھو الملک القدوس السلام المومن المھیمن العزیز الجبار المتکبر سبحان اللہ عما یشرکون۔	وہ ایسا معبود ہے کہ اسکے سوا کوئی اور معبود نہیں وہ بادشاہ ہے پاک ہے سالم ہے امن دینے والا ہے نگھبانی کرنیوالا ہے زبردست ہے خرابی کا درست کر دینے والا ہے بڑی عظمت والا ہے اللہ تعالیٰ لوگوں کے شرک سے پاک ہے۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ مالک الملک کی یہ ملوکانہ شان رسمی بادشاہوں سے جداگانہ اور بالاتر ہے۔ بنے ہوئے سلاطین اپنی شان بادشاہت میں ملک کے محتاج ہوتے ہیں۔ یعنی بذات خود قدرت واقتدار اور غلبہ کے مالک نہیں ہوتے بلکہ فوج سپاہ اور رعیت کی بخشی ہوئی قدرت وطاقت اور اس کے تعاون سے ملک پر قبضہ واقتدار پاتے ہیں۔ پھر یہ اقتدار بھی عارضی ہوتا ہے۔ جو ہر وقت زوال کے کنارے پر کھڑا رہتا ہے اگر کسی طاقتور غنیم نے حملہ کر دیا یا رعایا ہی بگڑ بیٹھی یا بادشاہ ہی گرفتار مرض دبا ہو کر موت وفنا کے کنارے آ لگا تو ساری قدرتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں اور ملک سے اُس کا اقتدار بھی فنا ہو جاتا ہے۔ لیکن آسمانی بادشاہت میں قصہ برعکس ہے کہ نہ صرف یہی کہ بادشاہ حقیقی اپنے ذاتی غلبہ واقتدار میں ملک کا محتاج نہیں۔ بلکہ پورا ملک اور اس کا ذرہ ذرہ خود اپنے وجود وبقا میں اُسی شہنشاہ حقیقی کا محتاج ہے کہ وہ صرف بادشاہ ہی نہیں خالق ومالک اور موجد وصانع بھی ہے اسی لئے اس کا ملک اور اقتدار کسی کا بخشا ہوا نہیں بلکہ خود اُس کا اپنا ہے ساتھ ہی وہ زوال ومغلوبیت اور عجز ودرماندگی سے پاک بھی ہے کیونکہ وہ قدوس وسلام بھی ہے جس تک کسی نقص وعیب کی رسائی نہیں۔ پھر ملک پر اُس کا یہ قبضہ عام اور تسلط تام ناقابل تسخیر بھی ہے اور کسی غیر اور کسی دشمن کی مجال نہیں کہ اُس کے ملک کا کوئی ذرہ اور چپہ اپنے ہاتھ میں لے سکے کہ جیسے اُس کی ذات لاشریک لہ ہے اُس کی صفۃ ملوکیت بھی لاشریک لہ ہے اس لئے ملک بلاشرکت غیرے صرف اُسی کے مضبوط اور طاقتور ہاتھوں کی پوری گرفت میں ہے۔

تبارک الذی بیدہ الملک
وھو علی کل شیٔ قدیرؐ ا
برکت والی ہے وہ ذات کہ اُسکے ہاتھ میں ملک ہے
اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

ولم یکن لہٗ شریک فی الملک ولم یکن لہٗ
ولی من الذل وکبرہ تکبیراً
اور نہ اس کا کوئی سلطنت میں شریک ہے اور نہ کمزوری
کیوجہ سے اسکا کوئی مددگار ہے اور اُسکی خوب بڑائیاں بیان کیجئے۔

پھر اس ملک کی اشرف ترین نوع اور قابل ترین رعیت (بنی نوع انسان) کے حق میں خصوصیت سے اپنی بادشاہت کا کھلا اعلان فرمایا تاکہ انسان جیسی قابل ترین نوع کو بھی ہر وقت اپنی غلامی پیش نظر رہے۔ اور وہ کبھی بھی اس واحد شہنشاہی کے مقابلہ پر یا متوازی انداز میں یا ماتحتی کے ساتھ کسی درجہ میں بھی اپنی بادشاہی کا خواب نہ دیکھے فرمایا۔

ملک الناس الٰہ الناس
آدمیوں کے بادشاہ آدمیوں کے معبود۔

غرض تخت نشینی کے ساتھ ملکیت۔ مُلوکیت۔ اقتدار اعلیٰ اور تمام اوصاف ملوکانہ کی ملک میں منادی کردی گئی۔

حلف وفاداری اعیان ملک سے

ظاہر ہے کہ اعلان بادشاہت کے بعد بادشاہ اپنی شاہی پوزیشن کو خاص عنوان سے ظاہر کرکے اعیان ملک اور عوام سے وفاداری کا حلف لیتا ہے جس میں وہ صاف لفظوں میں اقرار کرتے ہیں کہ ہم حضور کے سوا کسی کی حکومت نہیں مانیں گے۔ یہ سر اور پیشانی صرف جہاں پناہ ہی کے سامنے جھکے گی۔ اور ہم سب حکومت کی خدمت بجالانے کے لئے کمربستہ رہیں گے حلف کے الفاظ میں بھی کوئی شخص آزاد نہیں ہوتا۔ بلکہ حکومت ہی کی طرف سے حلف کے الفاظ متعین ہوتے ہیں جو رعیت کو ادا کرنے پڑتے ہیں۔ سو آسمانی بادشاہت کی طرف سے

بھی حلف کے الفاظ متعین کر کے حلف وفاداری لیا گیا ہے۔ سب سے پہلے عمائد ملک یعنی انبیار کو حلف دیا گیا کہ پیمان کرو اور وہی الفاظ عہد و پیمان کے دُہراؤ جو ہم نے تجویز کر دیئے ہیں۔

قل اللہ اَعبُدُ مخلصًا لہ دینی۔	آپ کہدیجئے کہ میں تو اللہ ہی کی عبادت اسطرح کرتا ہوں کہ اپنی عبادت کو اسی کیلئے خالص رکھتا ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

قل انی امرت ان اعبد اللہ مخلصًا لہ الدین و امرت ان اکون اول المسلمین	آپ کہدیجئے کہ مجھکو حکم ہوا ہے کہ میں اللہ کی اس طرح عبادت کروں کہ عبادت اُسی کیلئے خالص رکھوں اور مجھ کو یہ حکم ہوا ہے کہ سب مسلمانوں میں اول میں ہوں۔

کہیں فرمایا گیا۔

قل ھو اللہ احد	کہد یجئے کہ وہ یعنی اللہ ایک ہے۔

پھر ایک عام عہد نامہ تجویز کر دیا گیا جو رعایا کے عام افراد اور ہر عاقل بالغ سے لیا جائے۔ اور وہ یہ کہ ہر شخص بر سر دربار یعنی نماز میں پانچ وقت دست بستہ حاضر ہو کر کہے۔

مالک یوم الدین ایاک نعبد و ایاک نستعین	جو مالک ہیں روز جزا کے ہم آپ ہی کی عبادت کرتے ہیں آپ ہی سے درخواست اعانت کی کرتے ہیں۔

گویا سورہ فاتحہ حلف نامہ ہے جس میں بادشاہ حقیقی کی ثنا، وصفت کے بعد حلف وفاداری کے الفاظ دھرائے جاتے ہیں اور جس کے آخر میں غیر مشتبہ الفاظ میں اس کا عہد کیا جاتا کہ ہم سرکار اور سرکاری عمال کے اُن نائبوں کے

وفادار رہیں گے۔ جن کو بادشاہ نے اپنے انعامات سے نوازا ہے۔ یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین۔ پھر ساتھ ہی اس کا بھی عہد کیا جاتا ہے کہ سرکار کے باغیوں اور دشمنوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گے۔ جن کا لقب مغضوب اور ضال ہے جیسے یہود و نصاریٰ اور پھر دنیا کی تمام باطل پرست اقوام۔

حلف وفاداری عام اجزاء ملک سے

پھر ان اعیان مملکت اور عوام کے بعد عام اعضاء ملک سے خواہ وہ غیر ذی روح ہی ہوں حلف وفاداری اٹھوایا جاتا ہے جس کے لئے انسانوں کی طرح مستقل قول و قرار کی ضرورت نہیں پڑتی۔ صرف عملی نیازمندی کافی ہوتی ہے۔ چنانچہ کائنات کے ہر ہر ذرہ کی جانب سے جو اس حکومت کی رعایا ہے جھکنے اور اس کی وفاداری کے گن گانے کی خبر دی گئی جو ان کے حق میں حلف اطاعت ہے۔ پہلے ان کے سر تسلیم خم کر دینے کا ذکر فرمایا گیا کہ کون ہے جو اس کی عظمت و جلال کے سامنے سر جھکائے ہوئے نہیں ہے؟۔

افغیر دین اللہ یبغون و له اسلم من فی السموات والارض طوعا و کرھا و الیه یرجعون۔

کیا پھر دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں۔ حالانکہ حق تعالیٰ کے سامنے سب سر افگندہ ہیں۔ جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں خوشی سے اور بے اختیاری سے اور سب خدا ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

اسی طرح ان کی وفاداریوں کے گن گانے اور اسی کی تحمید اور تسبیح میں مصروف رہنے کا ذکر فرمایا جو درحقیقت ان اشیاء کائنات کی طرف سے ہر آن حلف وفاداری کی اسطرح تجدید ہے جیسے انسانوں کے لئے نماز میں یہ تجدید حلف رکھی گئی ہے جس سے ساری رعایائے کائنات کا زیر اقتدار شاہی ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے

یسبح للہ ما فی السموات وما فی الارض الملک القدوس العزیز الحکیم۔	سب چیزیں جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں اللہ کی پاکی بیان کرتی ہیں جو کہ بادشاہ ہے پاک ہے زبردست ہے حکمت والا ہے۔
اور فرمایا:۔	
کل قد علم صلوتہ وتسبیحہ	سب کو اپنی اپنی دعا اور تسبیح معلوم ہے۔

آیت بالا میں اَلْمَلِکُ کے لفظ سے اللہ کی ملکیت اور ملوکیت کی شانوں کا تذکرہ کرکے تسبیح کائنات کو اُس سے جوڑنے سے اشارہ ہے کہ یہ تسبیح الٰہی درحقیقت اللہ کی شان بادشاہت اور اُس کی شان مالکیت کا حق وفاداری ادا کرنے کے لئے ہوتی ہے۔

آسمانی بادشاہت کا نصب العین

ربوبیت وہدایت اعلان بادشاہت کے بعد حکومت کی لائن میں اساسی اور ابتدائی چیز اُس کے نصب العین کا اعلان ہے جس کے اردگرد اس حکومت کے اَعمال و عُمّال گردش کرتے ہیں۔ کیونکہ بلا نصب العین کی جدوجہد اور بغیر منزل مقصود کا سفر ظاہر ہے کہ نکوئی سنجیدہ جدوجہد ہے نہ کوئی معقول سفر بلکہ اس کا نام فعل عبث ہوتا ہے جس سے دنیا کی معمولی اور عارضی حکومتیں بھی بری ہیں۔ چہ جائیکہ آسمانی حکومت جیسی حقیقی اور دائمی حکومت۔ ہاں مگر حکومتوں کے نصب العین مختلف ہوتے ہیں مثلاً کسی حکومت کا نصب العین محض جاہ واقتدار ہوتا ہے اور کسی کا تکثیر مال اور جمع خزائن کسی کا تعیش اور وسائل عیش کی فراہمی ہوتا ہے اور کسی کا تفریح نفس اور داد عیش ونشاط۔ کسی کا جوع الارض اور ہوسناکی ہوتا ہے۔ اور کسی کا

اقوام عالم کو زیر کر کے غلام بنا لینا۔ کسی کا جذبہ انتقام اور دل آزاری خلق اللہ ہوتا ہے۔ اور کسی کا مخلصانہ طریق پر خدمتِ خلق اللہ۔

بہرحال جو بھی جس حکومت کا نصب العین قرار پایا جاتا ہے اسی کے محور پر اُس حکومت کے تمام نظری اور عملی اقدامات گھومتے رہتے ہیں تاکہ اُسے حکومت کی پوری جدوجہد کے ساتھ زیادہ سے زیادہ حاصل کیا جا سکے۔ پس یہ ناممکن تھا کہ خدائی حکومت کا کوئی نصب العین نہ ہو جس کے ارد گرد اس حقیقی حکومت کے کاروبار گردش میں آئیں۔ اور وہی نصب العین حکومت کی ساری نقل و حرکت کا محور ہو سو ظاہر ہے کہ دنیا کی ساری حکومتوں میں کتنا ہی بلند نصب العین کیوں نہ ہو بادشاہ خود رعیت کا محتاج ہوتا ہے اس لئے وہ جاہ یا مال یا تفریح و عیش خود اپنی ہی رعیت سے کسب کرتا ہے رعیت اس کی بیخ و بنیاد ہوتی ہے اگر رعیت نہ ہو یا قبضہ کی نہ ہو تو اُس کی بادشاہی بھی قائم نہیں رہ سکتی یا رہتی ہے تو کھوکھلی جڑوں کی بادشاہت ہوتی ہے جس کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

رعیت چو بیخ‌اند سلطاں درخت
درخت اے پسر باشد از بیخ سخت

یا اگر بادشاہ عیش و تفریح سے منہ موڑ کر خدمت خلق بھی کرتا ہے تو اُس میں بھی اُسے دنیوی نام یا اُخروی انعام کی توقع ہوتی ہے۔ اس لئے کبھی بھی دنیوی سلطنت کا نصب العین باوجود اپنی اعلیٰ ترین بلندی کے بادشاہ کی غرض و احتیاج سے خالی نہیں ہوتا اور بہر صورت انسانی حکومتیں اغراض پر مبنی ہوتی ہیں۔ خواہ وہ اغراض فاسدہ ہوں یا اغراض محمودہ۔ لیکن ظاہر ہے کہ خدا کی حکومت میں کسی غرض و احتیاج کا تصور بھی نہیں ہو سکتا نہ وہ مخلوق کا محتاج ہے نہ غرض مند جاہ و مال خود اُسی کے

خزائن سے اور اُسی کے نام پر یعنی حق تعدل سے حاصل کیا جاتا ہو تو وہ ان چیزوں کا کیا محتاج ہو سکتا ہے اور یہ چیزیں اُس کے کسی فعل کی غرض وغایت کیا بن سکتی ہیں؟ جو خود اُسی کی دریوزہ گر ہیں۔ رہی عیش و تفریح سو اس سے وہ بھی بری و بالا ہے کہ یہ سب شہوانی اہواء ہیں۔ اور اُس کی بارگاہ رفیع ان دَنی اور خسیس امور سے پاک اور بالاتر ہے سو وہ بھی اس کی حکمرانی کی غرض وغایت کیا بن سکتی ہیں؟۔ اب رہی خدمت خلق در عیت سو وہ کسب کمال کے لئے ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ جو ذات بابرکات سارے ہی کمالات کا اپنی ذات سے مخزن اور منشاء ہے اُسے کسب کمال کی کب احتیاج ہو سکتی ہے کہ وہ اُس کی سلطنت کی غرض وغایت قرار پائے؟ جب کہ خود کمالات ہی اپنے وجود میں اس کے محتاج ہیں۔ اس لئے اُس کی حکومت میں کسی ادنیٰ یا اعلیٰ غرض کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ بنا بریں اس کی سلطنت کا ایک ہی نصب العین ہو سکتا ہے اور وہ بادشاہ کی ذات کی نسبت سے تو اظہار صفات و کمالات ہے۔ اور رعیت یا خلائق کی نسبت سے تربیت خلق۔ تہذیب نفوس ہے یعنی خود اپنے کمالات سے ساری رعیت کی تکمیل کر کے ہر ایک کو اس کی حد کمال پر پہنچا دینا بالفاظ دیگر خدائی حکومت کا نصب العین رعیت سے کسب کمال کرنا نہیں بلکہ رعیت کو خود اپنے سے کسب کمال کرانا ہے تاکہ ہر چیز باکمال بن کر اپنے خلقی اور مخفی جوہر دکھلانے لگے۔ اور اس ظہور حقائق سے خود یہ شے اور اُس کی ابناء جنس مستفید ہوں۔ پس خود رعیت کی تہذیب و تکمیل اور وہ بھی خزانہ شاہی سے اس آسمانی بادشاہت کا نصب العین ہے جس کو جامع لفظوں میں ربوبیت و ہدایت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے کیونکہ کسی چیز کو اُس کی حد کمال پر پہنچانا ربوبیت کہلاتا ہے

اور اس حصول کمال کی راہ پر ڈال دینا یا کم از کم کمال کی راہ دکھلانا ہدایت کہلاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے جہاں اس بادشاہ حقیقی کی ساری رعیت کی تخلیق اور پیدائش کا ذکر فرمایا ہے وہیں اس پیدائش کے بعد اُس کی تربیت و ہدایت کا بیک دم احسان بھی جتلایا ہے تاکہ تخلیق کی غرض و غایت خود رعیت کی بہبود واضح ہو نہ کہ مالک الملک کا کوئی سود و بہبود۔ گویا اس آسمانی بادشاہت میں یہ رعیت بسائی ہی اس لئے گئی ہے کہ اس کی ربوبیت و ہدایت کی جائے تاکہ وہ بادشاہ سے کسب کمال کرکے قرب شاہی حاصل کرے اور اس طرح خود اُسی کی تکمیل ہو جائے۔ ارشاد حق ہے۔

رَبُّنَا الَّذِی اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَہٗ ثُمَّ ھَدٰی	ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی۔

یہی نصب العین تشریعی حکومت کا بھی ارشاد فرمایا گیا ہے جو انسانوں کے لئے مخصوص ہے۔ چنانچہ اس حکومت کے وزراء اور نائبان سلطنت یعنی انبیاء علیہم السلام کا کام ہی تربیت خلق اللہ اور ہدایت و ارشاد رکھا گیا ہے تاکہ اس حکومت کی یہ مخصوص رعیت تعلیم یافتہ مہذب اور شائستہ بن جائے اور ملک آباد اور رعایا دل شاد رہے۔ ارشاد حق ہے۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔	ہم نے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دے کر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں۔

اور اسی لئے سورۂ فاتحہ میں حلف وفاداری کے الفاظ سکھلا کر ہدایت مانگنا

بھی ساتھ ہی سکھلایا گیا تاکہ وفاداریٔ حکومت کی غرض و غایت خود اس رعیت ہی کی تکمیل و تربیت ثابت ہوجائے جو ہدایت سے ہوتی ہے۔ چنانچہ ایاک نعبدو ایاک نستعین کے بعد ہی متصلاً فرمایا گیا۔

اھدنا الصراط المستقیم بتلا دیجئے ہم کو رستہ سیدھا

حکومت کی سرکاری پالیسی

رحمت عامہ | مقصد حکومت متعین ہوجانے کے بعد روش کار اور حکمت عملی یعنی انداز حکمرانی اور مخفی منشاءِ حکومت کا مسئلہ آتا ہے جسے سرکاری پالیسی کہا جاتا ہے پس جب کہ مقصد حکومت شاہی جود و کرم اور تربیت و تکمیل رعیت ٹھیرا تو قدرتی طور پر اس آسمانی بادشاہت کی حکمت عملی خود متعین ہوجاتی ہے کہ وہ رحمت عامہ اور شفقت عام کے سوا دوسری چیز نہیں ہوسکتی کیونکہ رعیت کو سب کچھ اپنے ہی خزانہ سے بلا معاوضہ دینا۔ حتی کہ انھیں ہستی اور وجود کی دولت بھی خود ہی بانٹنا انھیں بقاء و استقرار بھی خود ہی دینا۔ اُن کے لئے غذا و دوا بھی خود ہی مہیا کرنا انھیں ظرف و مکان اور مستقر بھی خود ہی عنایت فرمانا اور اُن کی تدریجی تربیت کے لئے زمانی مسافت (زمانہ) بھی خود ہی پیدا فرمانا اُن کی معنوی اور روحانی نشو و نما بھی خود ہی بخشنا۔ غرض رعیت کو خود ہی بنانا خود ہی اُبھارنا خود ہی ان کی بھلائی چاہنا۔ خود ہی انھیں باکمال بنانا خود ہی کمال کے خزانے اُن کے لئے کھولنا اور باکمال بنا کر پھر خود ہی اُنھیں اپنے سے قریب کر کے مقرب بادشاہی بنا لینا رحمت واسعہ اور شفقت عامہ کے علاوہ اور کیا لقب پاسکتا ہے

کہ بغیر اس رحمت عامہ اور شفقت تامہ کے یہ الطاف وعنایات ممکن نہیں۔

پس اس سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ بادشاہ مطلق اپنی رعیت کا کسی درجہ میں بھی محتاج نہیں۔ سب چیزیں خود ہی رعیت کو عطا فرماتا ہے جس سے اس کی بے غرضی اور غنائے مطلق واضح ہے جو کسی بادشاہ کے لئے ممکن نہیں۔ وہیں یہ بھی نمایاں ہوجاتا ہے کہ اُس کے وفور رحمت اور شفقت بے انتہا کی وجہ سے آسمانی بادشاہت کے ذرہ ذرہ میں رحمت ہی چھائی ہوئی ہے ورنہ بلا رحمت عامہ یہ عطایا کیسے ہوسکتیں؟ اور بلا شفقت تامہ یہ ربوبیت عامہ کیسے ممکن تھی کہ ربوبیت رحمت وشفقت ہی کا ایک اثر ہوتا ہے۔ اس لئے جہاں ربوبیت وہدایت آسمانی بادشاہت کا نصب العین ٹھیرا وہیں رحمت عامہ اس بادشاہت کی سرکاری پالیسی قرار پائی۔ اسی لئے سورۂ فاتحہ میں جو رعیت کے لئے تبعیت نامہ یا حلف نامہ ہے مالک الملک نے اپنی شان مالکیت کا اظہار فرماتے ہوئے صرف اُنھیں صفات کا ذکر فرمایا ہے جو حکومت کے نصب العین اور سرکاری پالیسی سے تعلق رکھتی ہیں۔ چنانچہ الحمد للہ رب العالمین سے اولاً صفت ربوبیت کا ذکر فرمایا جو حکومت کے نصب العین کا جزو اول ہے اس کے بعد اِھْدِنَا سے صفت ہدایت کا ذکر فرمایا جو نصب العین کا جزو ثانی ہے۔ اور درمیان میں صفت رحمت کو مبالغہ کے دو صیغوں کے ساتھ ذکر فرمایا جو حکومت کی پالیسی ہے کہ ربوبیت بلا رحمت کے نہیں ہوتی اور چونکہ رحمت کا ظہور بغیر سامان رحمت کی مالکیت کے نہیں ہوتا اس لئے ذکر رحمت کے بعد مالکیت کا ذکر فرمایا پس ربوبیت مقصد حکمرانی ہے۔ رحمت سرکاری پالیسی ہے اور مالکیت اُس کے ظہور کا ذریعہ

اور وسیلہ ہے۔ اس لئے رحمت بیچ میں لائے اور ادھر اُدھر اُس کے مقاصد و وسائل کا ذکر فرمایا۔

بہرحال رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ رحمٰن و رحیم۔ مَالِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ اور اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ میں انہیں اوصاف ملوکانہ کا ذکر ضروری سمجھا گیا جو اس حکومت کے نصب العین اور سیاسی پالیسی کا سرچشمہ تھے جس سے واضح طور پر نمایاں ہوگیا کہ اس سلطنت کا نصب العین ربوبیت و ہدایت ہے اور اس کی سرکاری پالیسی رحمت و عطوفت ہے پس ایسی شفیق اور پرورش کنندہ حکومت کے نصب العین میں خود غرضی یا تشدد بے جا کا شائبہ تک بھی ناممکن تھا بلکہ اُس کی اساس غنا مطلق اور رحمت مطلقہ ہی ہوسکتی تھی۔

سرکاری پالیسی کی عمومیت و ہمہ گیری

اب ظاہر ہے کہ جب کسی حکومت کی سرکاری پالیسی رعایا پر رحمت اور شفقت ہو تو یہ بھی ایک قدرتی بات ہے کہ سلطنت جتنی بڑی اور جس حد تک مختلف اقلیموں اور مختلف المزاج اقوام میں پھیلی ہوئی ہوتی ہے اسی قدر پالیسی وسیع بھی ہوتی ہے یعنی اُسی حد تک بادشاہ اور اس کی حکومت کیلئے وسیع الحوصلہ رواداراور مسامحت شعار ہونے کی ضرورت بھی ہوتی ہے تاکہ اُس کی نرمی اور مسامحت شعاری سے مختلف الطبائع اقوام اُس کے ساتھ بھی مربوط رہیں اور باہم بھی وابستہ رہیں اور اس طرح نظام حکومت میں کوئی خلل واقع نہو۔ اگر حکومت حکومتِ رحمت نہ ہو بلکہ حکومت جبر و تشدد یا قلیل الشفقت ہو تو نہ رعیت آپس میں مربوط رہ سکتی ہے اور نہ بادشاہ ہی سے جڑ سکتی ہے اور اس بے ربطی اور بے اعتمادی کا نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ ایسی حکومت کا نظام چند ہی دن

میں درہم برہم ہو جائے کیونکہ رحمت کا خاصہ جامعیت اور وصل و ملاپ ہے اور غضب و تشدد کا خاصہ قطع تعلق اور فصل ہے ظاہر ہے کہ نظام اجتماعی بغیر جامعیت اور وصل کے باقی رہنا ناممکن ہے اور وصل بغیر غلبۂ رحمت کے ناممکن ہے اس لئے فطرۃ کا تقاضا تھا کہ یہ لامحدود حکومت سوائے حکومت رحمت کے کسی دوسری نوع کی نہ ہو۔ اب ظاہر ہے کہ مالک الملک کی حکومت سے کوئی حکومت بڑی اور طویل و عریض یا مساوی یا اُس کے لگ بھگ بھی نہیں ہو سکتی کہ موت و حیات پر اس کی حکومت غیب و شہود اس کے زیرنگیں۔ مجردات و مادیات اس کے زیر فرمان اجسام و ارواح پر اس کی حکومت قلوب و قوالب پر اس کی سلطنت افکار و جذبات پر اُس کا قبضہ اوہام و خیالات اور دلوں کی کھٹک پر اُس کا اقتدار و تسلط۔ غرض ہر ظاہر و باطن کے ہر ہر پہلو پر اُس کی اور صرف اُس کی حکمرانی پھیلی ہوئی ہے۔ پس یہ ناممکن تھا کہ اس کی حکومت کی پالیسی جبر و تشدد یا قہر و غضب یا رعیت میں باہم منافرت پھیلا کر تسلط قائم رکھنا ہو ورنہ ایسی صورتوں میں اگر رعیت قوی ہوتی ہے تو بادشاہ کو ختم کر دیتی ہے اور اگر بادشاہ حاوی ہوتا ہے تو رعیت کا خاتمہ بول دیتا ہے اور راعی و رعایا میں نبنا محال ہو جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہاں رعایا ضعیف اور مجبور اور بادشاہ قوی و متین ہے کہ اُس سے آگے قوت والا کون ہے کہ کوئی اُس پر غالب آسکتا اس لئے نتیجۂ قہر یہی نکل سکتا تھا کہ اس مخلوق اور رعیت کا کہیں پتہ نشان بھی نہ لگتا۔ لیکن جب کہ اسکی سلطنت باقی و لازوال ہے اور اُس میں دوست دشمن سب کو سب کچھ ہمہ وقت مل رہا ہے تو یہ اس کی صاف دلیل ہے کہ اُس کی حکومت غضب و قہر کی حکومت

یا حکومت جبر و تشدد نہیں۔

رحمت عامہ کا التزام | بلکہ علی الاطلاق حکومت رحمت اور علی العموم حکومت رأفت ہے یعنی اس حکومت میں نہ صرف رحمت کی آمیزش ہی ہے بلکہ رحمت ہی رحمت ہر طرف چھائی ہوئی ہے حتیٰ کہ غضب کا منشار بھی رحمت ہی ہے کہ وہ بھی رعیت پر رعیت ہی کی مصالح و تربیت کے لئے کیا جاتا ہے۔ چنانچہ بارگاہ الٰہی سے تقریراً و تحریراً اور قولاً و فعلاً صرف رحمت ہی رحمت کو سلطنت کی حکمت عملی باور کرایا گیا ہے سب سے پہلے قولا اس کا دعویٰ فرمایا گیا کہ ہم نے اپنے نفس کریم پر رحمت کو لازم کر لیا ہے۔

کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ	تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کر لیا ہے۔

غلبۂ رحمت | پھر اس کے ساتھ ہی عملاً حکومت کی پالیسی واضح فرمانے کے لئے خاص تخت شاہی کے اوپر ایک عظیم تختی یہ لکھ کر بطور دستاویز کے پاس رکھ لی ہے کہ

ان اللہ کتب کتابا قبل ان یخلق الخلق ان رحمتی سبقت غضبی فھو مکتوب عندہ فوق العرش۔	بلاشبہ اللہ نے مخلوق کے پیدا کرنے سے پیشتر ایک دستاویز لکھ رکھی ہے کہ میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے اور اس پر غالب ہے سو یہ کتبہ اسکے پاس عرش کے اوپر لکھا ہوا موجود ہے۔

گویا یہ سلطنت کا ایک معاہدہ ہے جو اس نے اپنی رعایا کے ساتھ کیا ہے اور دستاویز کر دیا ہے۔

وسعت رحمت | اعلان حکومت کے بعد جب بادشاہ حقیقی تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوا تو لباس رحمت پہن کر یعنی صفت رحمت کے ساتھ جس کا اعلان اسطرح فرمایا کہ

الرحمٰن علی العرش استوٰی   وہ بڑی رحمت والا عرش پر قائم ہے۔

یہاں یہ نہیں فرمایا الجبّار علی العرش یا القہّار علی العرش جس سے واضح ہوا کہ حکومت کی پالیسی قہر و غضب اور تشدد نہیں بلکہ شفقت و عنایت ہے اور پھر نہ صرف نفس رحمت بلکہ عظیم الشان اور بے انتہار رحمت جیسا کہ لفظ رحمٰن سے ظاہر ہے جو مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی راحم نہیں فرمایا بلکہ رحمٰن فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ مالک الملک بہت ہی بڑی رحمت کیساتھ تخت حکومت پر جلوہ فرما ہوا ہے جسکے آثار اُسکے تمام قوانین و معاملات میں رچے ہوئے ہیں۔ پھر اس عظیم تخت شاہی یعنی مستوائے رحمت کو جس سطح پر قائم فرمایا وہ آگ یا ہوا کی سطح نہیں بلکہ پانی کی سطح ہے جو خود رحمت ہی کی ایک صورت مثالی ہے جیسا کہ آگ غضب کی صورت مثالی ہے گویا اگر صفت رحمت کو کوئی محسوس شکل دیجائے تو وہ پانی ہی کی شکل ہو سکتی ہے کہ وہی رحمت کی سی جامعیت اور وہی وصل و ملاپ کی شان پانی میں بھی ہے کہ خود بھی آتنا ملا ہوا ہے کہ اُسے کوئی لاٹھی وغیرہ سے پھاڑ نہیں سکتا اور پھر اُسکے بغیر کوئی دوسری چیز کسی چیز سے پیوست اور ایک ذات نہیں ہوتی اسیلئے پانی کو حیات فرمایا گیا کہ پراگندہ اجزاء کو جمع کر کے حی و قائم کر دینا پانی ہی کی وساطت سے ممکن ہے ہاں اگر غضب و قہر کو کوئی محسوس صورت دیجائے تو وہ آگ ہو سکتی ہے کہ اُسمیں بھی وہی غضب کی سی تفریق اور تقطیع کی شان ہے کہ جمع شدہ اجزاء کا تار پود بکھیر کر اُنہیں فنا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس حکیم مطلق نے محل غضب و قہر تو نار کو قرار دیا اور اسے جہنم میں دھونکا کر عذاب و ہلاکت فرمایا جسمیں شانِ اہلاک موجود ہے اور محلِ رحمت پانی کو قرار دیا اور اُسے منبع حیاۃ فرمایا جسمیں شانِ احیاء موجود ہے۔ پس اسی لئے اپنے عرش رحمت کو بھی پانی پر قائم کیا کہ وہ خود بھی رحمت ہی کی شان لئے ہوئے تھا۔ پس اس طرح

گویا رحمت معنوی اور رحمت حسی دونوں ہی کو باب حکومت میں جمع کر کے دکھلا دیا بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس وسعت رحمت کو عرش کی ہیئت کذائی سے حسی طریق پر بھی نمایاں فرمادیا ہے۔ کیونکہ رحمٰن کے استواء نے توصفت رحمت کو عرش پر پھیلایا اور عرش ساری کائنات پر محیط ہے کہ سارے عالم اُس کے بطن میں آئے ہوئے ہیں اس شکل اول کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رحمت ساری کائنات پر محیط ہے۔ گویا تمام صفات جمال میں حسی طور پر اسی ایک صفتِ رحمت کو یہ احاطۂ عام حاصل ہے کہ وہ کائنات کے ذرہ ذرہ پر حاوی اور محیط ہے۔ پس غلبۂ رحمت کا جو دعویٰ قول اور فعل سے فرمایا گیا تھا اُس کا ثبوت قیام عرش کی اس ہیئت کذائی سے بھی دیدیا گیا ہے۔ پھر اس پر بھی بس نہیں کی گئی بلکہ اس رحمت سے گھرے ہوئے عرش کے نیچے مالک الملک نے جو سب سے بڑا شاہی خزانہ جمع فرمایا وہ بھی رحمت ہی کا ہے۔ چنانچہ بنص حدیث تختِ سلطنت بچھا کر اس عرش کے نیچے سو رحمتیں پیدا فرمائیں جن میں سے ایک کو تو دنیا میں اُتارا کہ اُس کے ذریعہ خود بھی رعایا پر رحمت کی اور انسانوں اور جانوروں تک میں اپنے بچوں کے اوپر اسی رحمت سے شفقت کے جذبات بھر دیئے جس سے ماں باپ اولاد پر رحم کھاتے ہیں گویا اس ایک رحمت کو خود بھی استعمال کیا اور رعایا سے بھی استعمال کرایا۔ اور ننانوے رحمتیں عرش کے نیچے بطور مخفی خزانہ کے جمع رکھیں ہیں تاکہ اُس وقت استعمال میں آئیں جب کہ یوم جزاء میں مبتلائے آفات بندے رحمت کے زیادہ سے زیادہ طلبگار اور محتاج ہوں گے۔

اس لئے اب صورت حال یہ ہوگئی کہ عرش عظیم یعنی تخت شاہی پر تو خود

بادشاہ لباس رحمت پہن کر بیٹھا جو رحمانیت کا مفہوم ہے۔ ساتھ ہی تاج بھی پہنا تو رحمت کا جو لوح رحمت کا حاصل ہے۔ پھر اپنے نفس کے اوپر لازم بھی کیا تو رحمت کو جو کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ کا مفہوم ہے۔ پھر تخت شاہی کو قائم بھی کیا تو رحمت ہی کی صورت مثالی یعنی پانی پر جو حاصل ہے وکان عرشہ علی الماء کا پھر اس تخت کے نیچے خزانہ بھی جمع کیا تو سو رحمتوں کا جن میں سے ایک ہی رحمت سارے عالم کائنات پر چھا گئی جو حاصل ہے حدیث مائۃ رحمت کا۔ پھر باقی ننانوے رحمتوں کے استعمال کا وعدہ بھی کیا تو وہ بھی رعایا ہی کے لئے اور وہ بھی اُس کے آڑے وقت میں۔ پس رحمت کائنات کے اوپر بھی ہے اور نیچے بھی ماضی میں بھی چھائی ہوئی ہے اور مستقبل میں بھی مکاناً بھی غالب اور سابق ہے اور زماناً بھی۔ گویا غضب اور تشدد کا بیج ہی نہیں۔ اور اگر حسب ضرورت تشدد بھی فرمایا جیسا کہ سلطنت کے لئے لازم ہے تو وہ بھی تشفی غیظ کے لئے نہیں کہ ذات باری میں یہ متصور ہی نہیں بلکہ رعایا ہی کی مصلحت اور خیر کے لئے جو خود رحمت ہے تو غضب کا منشاء بھی رحمت ہی نکل آیا اس لئے پوری قلمرو شاہی کی ہر سمت ہر جہت ہر مکان ہر زمان ہر نسبت اور ہر حیثیت میں رحمت ہی رحمت کا غلبہ نکلتا ہے۔ گویا وہ غلبۂ رحمت حساً و معنیً کر دکھایا جس کا تحریری اور تقریری وعدہ فرمایا تھا اور اُسے عرش کے اُوپر دستاویز کر دیا تھا کہ۔

ان رحمتی سبقت غضبی۔ میری رحمت میرے غضب سے پہلے ہے۔

بہرحال ایک ہمہ گیر اور لامحدود سلطنت کی پالیسی ایسی ہی ہمہ گیر ہونی چاہئے تھی جو ساری رعایا اور اُس کے تمام اغراض و احوال کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے

ہو۔ اور وہ رحمت کے سوا دوسری نہ تھی اس لئے سلطان حقیقی نے اپنی آسمانی بادشاہت کے لئے سرکاری پالیسی اور نظام سلطنت کے لئے حکمۃ عملی رحمۃ عامۃ ہی کو قرار دیا ہے جس پر اُس کے مربیانہ کاروبار چل رہے ہیں۔ فسبحان من جلت قدرتہ وسبقت رحمتہ علی غضبہ فی خلقہ۔

حکومت کے لئے رجالِ کار کا انتخاب اور تقسیم عُہدہ جات

بہر حال یہانتک اعلان بادشاہت۔ اعلان مقصد حکومت۔ اعلان حکمۃ عملی (پالیسی) جیسی مہمات سلطنت کی تفاصیل ذکر کی گئی ہیں۔ ان نظری مقاصد کے بعد سب سے اہم مسئلہ رجال کار کا انتخاب اور حکومت کے لئے عمال حکومت کے چناؤ کا ہے۔ جو بادشاہ کے دست و بازو بن کر کام کریں اور حکومت کے مقاصد اور پالیسی کو بروئے کار لائیں۔

مجلس ندماء و مصاحبین اس سلسلہ میں بادشاہ سب سے پہلے اپنے مخصوص وفاداروں اور معتمد علیہ اشخاص کی ایک پرائیویٹ مجلس ترتیب دیتا ہے جس میں خاص خاص مقرب اور رازدار داخل کئے جاتے ہیں جس کو مجلس ندماء و مصاحبین کہتے ہیں اس مجلس کے اراکین سے بادشاہ بے تکلف ہوتا ہے اُن پر اپنے بہت سے نجی اور خانگی راز بھی آشکارا کرتا ہے وہاں رعایا کے لوگوں کے تذکرے بھی آتے ہیں اور اشخاص پر گفتگوئیں بھی ہوتی ہیں جو عام رعایا کے سامنے نہیں کی جاتیں۔ اس بادشاہ حق کی بارگاہ کے مصاحبین ملائکۃ مقربین اور ابرار بنی آدم ہیں۔ جن پر کائنات کے اسرار منکشف ہوتے ہیں وہ سرکاری پالیسی اور نظام حکومت کے

کتنے ہی حقائق اور قانون کے کتنے ہی مخفی پہلوؤں پر مطلع ہوتے ہیں جن پر رعایا کے دوسرے افراد مطلع نہیں ہو سکتے۔

كَلَّآ إِنَّ كِتَابَ الْأَبْرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ ۝ وَمَآ أَدْرَاكَ مَا عِلِّيُّونَ ۝ كِتَابٌ مَّرْقُومٌ ۝ يَشْهَدُهُ الْمُقَرَّبُونَ۔

ہرگز ایسا نہیں نیک لوگوں کا نامۂ عمل علیین میں رہیگا اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ علیین میں رکھا ہوا نامۂ عمل کیا چیز ہے وہ ایک نشان کیا ہوا دفتر ہے جسکو مقرب فرشتے دیکھتے ہیں۔

ندماء و مصاحبین کی نجی گفتگوئیں اور تذکرے

اس بے تکلف مجلس خاص میں اُن اشخاص کے تذکرے بھی آتے ہیں جو اپنے بادشاہ کے عام وفادار اور یاد کنندہ ہیں اور ان کی خدمات کا اعتراف کر کے اُن کے لئے حوصلہ افزائی کے کلمات سر مجلس اور خاص خلوتوں میں کہے جاتے ہیں تاکہ کائنات پر اُن کا مرتبہ آشکارا ہو جائے۔

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم يقول اللہ تعالیٰ انا عند ظن عبدی بی وانا معہ اذا ذکرنی فان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملاء ذکرتہ فی ملاء خیر منہ (مشکوٰۃ باب ذکر اللہ ص ۱۹۶)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں بندہ کے گمان کیساتھ ہوں جو اس نے میری ساتھ قائم کیا ہوا ہے اور میں بندہ کیساتھ ہوں جب وہ یاد کرے سو جب وہ مجھے خلوت میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے خلوت میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ مجھے جلوت میں یاد کرتا ہے تو میں اس سے بہتر جلوت اور جماعت (جماعت ملائکہ) میں یاد کرتا ہوں۔

تقسیم مناصب و عہدہ جات

پھر انہی مقربین اور حاضر باش مجلسی افراد میں سے بادشاہ مختلف قسم کے ملکی انتظامات کے لئے ایک کابینۂ وزارت بناتا ہے اور قلمدان وزارت اُن کے ہاتھ میں دے کر ملک اور اہل ملک کی مختلف خدمات ان سے متعلق کی جاتی ہیں۔ اُنھیں سلطنت کے بہت سے رازوں اور مخفی اسرار پر مطلع کیا جاتا ہے۔ اور بہت سی ایسی مخفی طاقتیں دی جاتی ہیں۔ جن تک کسی کی رسائی نہیں ہوتی تاکہ وہ اُن کے حق میں اعتماد شاہی اور تقرب کی علامت ہوں۔ اور بطور ڈگری اور ڈپلوما کے استعمال میں آئیں۔

وزراء شاہی

سو آسمانی بادشاہت میں ان مقربان بارگاہ میں سے منصب وزارت و نیابت پر فائز ہونے والے افراد حضرات انبیاء علیہم السلام ہیں جو بمنزلہ وزراء سلطنت کے ہیں جن کو علم کامل کے ساتھ معجزات و خوارق بھی بطور علامت اور دلیل نبوت کے دیئے جاتے ہیں یہ نائبان الٰہی اپنے اپنے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے اپنے اپنے مقامات پر مقیم ہیں۔ ان کا جو رتبہ زمین میں ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ عالم غیب اور آسمانوں میں ان کے بلند مقامات بنائے جاتے ہیں جن پر وہ فائز رہتے ہیں اور موقع بموقع اُنھیں شاہی ہم کلامی کا شرف ملتا رہتا ہے محل سرائے شاہی یعنی عرش عظیم کے سایہ میں اُن کے کوٹھی اور بنگلے اور قصر واقع ہیں جو شب معراج میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مشاہدہ کرائے گئے چنانچہ انس بن مالک کی مفصل روایت میں ان مقربان الٰہی کے مقامات اور فرق مراتب کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔ حضور نے حضرت آدم کو آسمان دنیا پر حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دوسرے آسمان پر۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تیسرے آسمان

پر۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر۔ حضرت ہارون علیہ السّلام کو پانچویں آسمان پر۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر دیکھا جو ان کے مقامات ہیں گویا جس طرح یہ حسّی طور پر آسمانوں میں مافوق اور ماتحت درجات میں ہیں اسی طرح اُن کے روحانی مقامات قرب بھی متفاوت ہیں۔ پھر ان ہی مقامات میں ان وزراء شاہی کی کوٹھیاں بھی ہیں۔ چنانچہ بعض احادیث میں ان محلات کی طرف اشارہ ہے حدیث انس ہی میں بلیک دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت آدم کو دو نہروں کے پاس دیکھتے ہوئے گذرے تو اس سلسلہ کا ایک عظیم الشان محل دیکھا

ثم مضی به فی السماء فاذا هو بنهر اٰخر علیه قصر من لؤلؤ و زبرجد فضرب بیده فاذا هو مسك اذفر فقال ما هذا یا جبریل قال هذا الكوثر الذی خبالك ربك

(ابن کثیر جلد ۵ صـ۱۰۷)

پھر آسمان میں گذرتے گئے تو ایک نہر اور نظر پڑی جس پر موتی اور زبرجد کا ایک محل بنا ہوا تھا۔ اُسے آپ نے ہاتھ سے چھوا تو اُس سے مشک خالص کی خوشبو مہک اُٹھی۔ فرمایا کیا مقام ہے اے جبریل؟ اُنہوں نے عرض کیا کہ یہ کوثر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کیلئے مہیا کیا ہے۔

وزیر اعظم پھر ان وزراء میں سے ایک وزیر اعظم چنا جاتا ہے جو پوری حکومت اور تمام ملک میں سب سے زیادہ با اقتدار ہوتا ہے اور سارے ہی وزراء اس کو ماتحت ہوتے ہیں جماعت انبیاء میں حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بمنزلہ وزیر اعظم یا صدر اعظم کے ہیں جن کے بارہ میں سارے انبیاء علیہم السلام سے تعاون کا عہد و

میثاق لیا گیا۔ پھر چونکہ وزیر اعظم کے متعلق سلطنت کے کتنے ہی راز ایسے بھی ہوتے ہیں جو سوائے وزیر اعظم کے کسی مصاحب اور مقرب خاص پر بھی نہیں کھولے جاتے کہ ان کا تعلق صرف اُسی کی وزارت سے ہوتا ہے اس لئے وزیر اعظم کو خلوت خاص میں ملاقات کے ایسے موقعہ دیئے جاتے ہیں جہاں کسی دوسرے کا گذر نہ ہو۔ سو آپ کے لئے بھی تخلیۂ خاص کا یہ مخصوص موقعہ مہیا کیا گیا۔ ارشاد نبوی ہے،

لی مع اللہ وقت لا یسعہ ملک مقرب ولا نبی مرسل۔ (میرے لئے (قرب خاص اور خلوت خاص کے) ایسے اوقات بھی ہیں کہ ان میں نہ کسی مقرب فرشتے کے آنے کی گنجائش ہے نہ کسی نبی مرسل کی ۱۲)

اسی صدارت عظمیٰ کے ظاہر کرنے کے لئے دنیا میں آپ کو سیادت عامّہ دی گئی آپ کے دین کو عالمگیر بنایا گیا اور دورہ محمدی میں کل عالم کو آپ کی اُمّت دعوۃ قرار دیا گیا۔ ادھر یوم قیامت میں آپ کو شفاعت کبریٰ کا منصب دیا جائیگا لواء الحمد عطا ہوگا۔ جس کے نیچے سارے انبیاء و اولیاء ہوں گے جو آپ کے سوا کسی کو نہیں ملے گا اس یوم جلال میں آپ ہی کو ہمکلامی الٰہی مع سرائی حق اور شاہی منقبت گوئی کا موقعہ دیا جائیگا جب کہ سب مقربین خائف اور ساکت وصامت ہوں گے۔ بہرحال جو ایک وزیر اعظم اور مقرب خاص کی شان ہوتی ہے وہ آپ کی ہوگی۔ اور ایسے وقت اور ایسی جگہ میں اُس کو نمایاں تر کیا جائے گا۔ کہ اولین و آخرین سب اُس کا مشاہدہ کر سکیں یعنی یوم قیامت میں۔

وزارت داخلہ و خارجہ

پھر جیسا کہ وزیر اعظم کے ماتحت مختلف وزراء کی ایک کیبنٹ ہوتی ہے جس میں ماتحت حکومتوں کیلئے وزیر نامزد ہوتے ہیں جو اپنی اپنی متعلقہ

حکومتوں کے بارہ میں وزیر اعظم سے احکام حاصل کرتے ہیں ایسے ہی اس مقدس صدر اعظم حضرت خاتم الانبیار صلی اللہ علیہ وسلم کے ماتحت وزرار رکھے گئے جن میں بعض سماویات کے وزیر تھے اور بعض ارضیات کے گویا زمینی وزرار سے وزارت داخلہ بنی اور سماوی وزرار سے وزارت خارجہ۔ ارشاد نبوی ہے:

ابوبکر وعمر وزیرای فی الدنیا وجبریل ومیکائیل وزیرای فی السماء (الریاض النضرۃ لابن عبد البر)

ابو بکر اور عمر میرے وزیر ہیں دنیا میں اور جبرئیل اور میکائیل میرے وزیر ہیں آسمانوں میں۔

اس سے وزیر اعظم کی افضلیت تمام وزرار پر ثابت ہوتی ہے خواہ وہ وزرأ سماوی یعنی ملائکہ ہوں یا وزرار ارضی یعنی صحابہ نبوی۔

عمومی وزارتیں ان خصوصی وزارتوں کے سوا جو مخصوص شعبہائے حکومت کی ذمہ دار تھیں ایسی عمومی اور ہمہ گیر وزارتیں بھی ترتیب دی گئیں جن کا تعلق رعایا کی عام بہبود و فلاح اُن کی صحیح تربیت اور اُن میں شائستگی پیدا کرنے کے عمومی وسائل و ذرائع پر مشتمل ہوں بالخصوص رعایا کے اعلیٰ ترین طبقات اور اُن میں بھی خصوصیت سے انسان جس کے لئے یہ سارا کارخانہ قائم کیا گیا ہے زیادہ مستحق تھا کہ اُس کی حفاظت جان و مال اُس کی عام فلاح و بہبود اور اُس کی نوعی ترقیات وغیرہ کا سامان کیا جائے تو حکومت الٰہی نے اُس کا بے نظیر نقشہ قائم کرنے کے لئے اُصولاً چار وزارتوں کی تشکیل فرمائی جن کی تفصیل یوں سمجھئے

آسمانی بادشاہت کی چار اہم وزارتیں

انسان میں دو جز و تھے ایک جسم اور ایک روح اور دونوں کی تربیت ضروری تھی۔ روح کی تربیت علم و معرفت سے ہوتی تھی اور بدن کی آب و دانہ سے اس لئے سلطنت الٰہی نے دو محکمے یا دو وزارتیں قائم فرمائیں ایک وزارتِ ارشاد و تعلیم اور ایک وزارت غذاء و ارزاق۔ پھر اسی طرح انسان میں دو مادّے جبلّی طور پر اور بھی تھے ایک غفلت جس کا منشا باہ پسندی ہے اور ایک بغاوت جس کا منشا جاہ پسندی ہے اس لئے دو محکمے یا دو وزارتیں اور قائم فرمائیں ایک وزارت تذکیر و اشاعت جس سے انسان کی غفلت ٹوٹتی رہے اور ایک وزارت زجر و سیاست جس سے انسان کی نخوت اور بغاوت ٹوٹتی رہے۔

وزیر تعلیم جبریل علیہ السلام مقرر ہوئے جو انسانوں پر ربانی علوم و ہدایت لے کر آئیں جس سے مخلوق۔ یعنی رعیت بادشاہی اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو شائستہ بنانے کے لئے مختلف مضامین تدبیر منزل تہذیب نفس سیاست مدن وغیرہ کی تعلیم حاصل کرتی رہے اور مہذب بن کر دربار شاہی تک رسائی پانے کے قابل ہو جائے۔

پھر جیسے حکومت اپنے مقرر کردہ نصاب میں بادشاہ کی عظمت و محبت کے جذبات پیدا کراتی ہے اسی طرح اس تعلیم جبریلی کا اساسی مقصد بھی یہی ہے کہ مالک الملک کی محبت کو رعیت کے دلوں میں راسخ کیا جائے اور ہر وقت اُسکی وفاداری کے گیت گائے جائیں اسی لئے حدیث جبریل میں حضرت جبریل کو

معلّم دین فرمایا گیا ہے اور وہی ہر پیغمبر کے پاس آسمان کی مختلف کتابیں اور علوم لے کر نازل ہوتے رہے ہیں کہ یہ محکمۂ تعلیم اُنہی کے سپرد ہے حتی کہ آسمان کے فرشتے بھی وحی الٰہی کے بارہ میں اُونہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ جبریل کا وزیر تعلیم اور صاحب وحی ہونا مشہور احادیث سے ظاہر ہے۔

چنانچہ جب حضرت جبریل علیہ السلام اوّل بار آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ظاہر ہوئے اور وحی لائے تو حبر نصرانی ورقہ ابن نوفل نے کہا تھا۔ جو روایت عائشہ میں منقول ہے اور صحیح بخاری میں موجود ہے۔

ھٰذا الناموس الذی انزل اللہ علے موسٰے۔	یہی وہ ناموس ہے جسے اللہ نے موسیٰ پر نازل فرمایا تھا۔

اور جب کہ جبریل کی آمد و رفت حضور کے پاس شروع ہو گئی تو مشہور حدیث جبریل میں ہے کہ حضور نے اُنہیں معلّم دین فرمایا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

ھٰذا جبریل اتاکم یعلّمکم دینکم (مشکوٰۃ)	یہ جبریل ہیں تمہارے پاس آتے ہیں تاکہ تمہیں تمہارا دین سکھلا جائیں۔

وزیر تعلیم کے کارکن اور اُن کی حیثیت

تعلیم قانون کی اہمیت و عظمت

پھر قانون پڑھنے والے طلبہ کی اہمیت خود حکومت الٰہی کو جس قدر ہے اُس کی حقیقت اس سے واضح ہے کہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کیلئے ملائکہ مقربین تک کو اُن کے آگے جھکا دیا گیا ہے تاکہ وہ اس عزت افزائی کے سبب قانون کو خوب محنت سے پڑھیں اور سیکھیں اور اس پر چلیں۔ حضرت

ابوالدرداء کی روایت میں ارشاد نبوی منقول ہے۔

وان الملائکۃ لتضع اجنحتھا لطالب العلم رضا بما یصنع (البدایہ صہ۵۲)

اور ملائکہ علیہم السلام طالب علم کیسامنے اپنی بازو جھکا دیتے ہیں اسکے عمل (طالب علمی) سے خوش ہوکر یعنی تواضع سے پیش آتے ہیں۔

(۲)

وزارت خوراک ارزاق
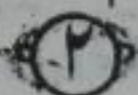
ہاں پھر وزیر زراعت حضرت میکائیل علیہ السلام مقرر ہوئے جو نبات کے اُبھارنے اور بارشوں کے ذمہ دار ہیں جنکا کام یہ ہے کہ بادلوں کی آب پاشی سے کھیتی کی امداد کریں اور زمینوں کو تقویۃ دیں جیسے حکومتیں اور زمینداریاں زمینوں کو قوۃ پہونچانے کے لئے کھات وغیرہ دیتے ہیں۔ میکائیل بھی ایسا ہی کریں۔ تاکہ رعیت مرفہ الحال ہوکر اپنے اپنے کاروبار میں لگیں۔ چنانچہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ۔

وعلٰی ای شیٔ میکائیل؟ قال علی القطر والنَّبات (مشکوٰۃ)

کہ میکائیل کس خدمت پر مقرر ہیں۔ فرمایا کہ بارشوں اور نباتات پر۔

وزیر غذا کے وسائل کار

پس اس زمین سے تو ہر قسم کے ارزاق نکالے گئے اور ہر قسم کی نعمتیں مہیا کی گئیں اور آسمان سے ہر قسم کے علوم اور معارف اُتارے گئے اول الذکر نعمتوں سے انسان کی جسمانی زندگی ہے اور ثانی الذکر نعمت سے انسان کی روحانی زندگی ہے۔

اگر جبریلؑ اس شاہی رعایا کو علمی امداد نہ پہونچائیں تو رعیت میں نہ شائستگی باقی رہے نہ انسانیۃ اور اگر میکائیل اُسے مادی امداد نہ پہونچائیں تو نہ انسان میں زندگی باقی رہے نہ حواس وقوا..... پس اگر یہ پہونچایا ہوا علم انسان میں باقی نہ رہے تو انسان اپنی اختراع سے لاکھ تدبیریں کرے اپنی انسانیۃ کو برقرار نہیں رکھ سکتا اور اگر یہ پہونچایا ہوا رزق باقی نہ رہے تو آدمی لاکھ عقلیں چلائے اپنی بنیاد کو باقی نہیں رکھ سکتا۔ چنانچہ جب انسانی بغاوت کے سبب اُسے سزا دینی مقصود ہوتی ہے تو کبھی تو یہ علمی امداد بند کر لی جاتی ہے اور انسان جہالت کی تاریکیوں میں جھونکا کر دیا کرتا ہے یہانتک کہ پھر اس وزارت تعلیم کے ذریعہ سے اُس پر عذاب مسلط کیا جاتا ہے کبھی طبعی اسباب کے ماتحت اور بعض اوقات خارق عادت طرز میں اُسے ہلاک کر دیا جاتا ہے اور کبھی رعیت میں ناشکری اور کفران نعمت کے آثار نمایاں ہونے پر یہ مادی امداد بند کر لی جاتی ہے اور وزارت زراعت کے ذریعہ اُسے سزا دی جاتی ہے۔ آسمان سے آبپاشی روک دی جاتی ہے اور زمین سے قوت انبات سلب کر لی جاتی ہے جس سے وہ بیج کو بھی سوختہ کر ڈالتی ہے۔ قحط پڑ جاتا ہے۔ گرانیاں بڑھ جاتی ہیں لوگ فاقوں مرنے لگتے ہیں اور اُس وقت تمام انسانی مساعی بے کار ہو جاتی ہیں اور وزیر زراعت اُسوقت تک ان سخت احکام کو واپس نہیں لیتے جب تک کہ رعایا حلف وفاداری کی دوبارہ تجدید نہ کرے اور بغاوت سے تائب نہ ہو جائے۔

پس جبریلؑ وزیر تعلیمات ہیں جن سے روحانی شائستگی کا تعلق ہے اور میکائیلؑ وزیر زراعت ہیں جن سے جسمانی تربیت کا تعلق ہے۔ جبریلؑ اگر روح کو غذا پہنچاتے ہیں

امداد نہ پہونچائیں تو انسان میں شائستگی اور انسانیت نہیں آسکتی اور میکائیل اگر بدن کو زمینی امداد نہ دیں تو انسان کی عنصری زندگی برقرار نہیں رہ سکتی۔

وزارت تعلیم اور وزارت غذا کی خصوصی پشت پناہی

چونکہ یہی دو وزارتیں بنیادی وزارتیں ہیں اور یہی دو وزیر بڑے تھے جن کے ماتحت بڑے بڑے مرکزی محکمے رکھے گئے ہیں اس لئے مالک الملک کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ ان کی غیر معمولی حمایت کی گئی۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ جو بھی ان سے بر سرِ پرخاش ہوگا وہ حکومت کا باغی کہلائے گا کیونکہ وہ ان سے پرخاش رکھ کر گویا رعیت کے روحانی اور مادی دونوں نظاموں کو درہم برہم کرنا چاہتا ہے۔ ارشاد قرآنی ہے۔

من کان عدوًا للہ وملائکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدوٌ للکافرین	جو شخص خدا کا دشمن ہو اور فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور جبریلؑ اور میکائیل کا تو اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا۔

۳

وزارت زجر و سیاست

اس کے بعد قدرتی طور پر رعیت کی دیکھ بھال اور جانچ پڑتال کا درجہ آتا ہے کہ آیا رعایا میں اطاعت کے جذبات کام کر رہے ہیں یا بغاوت کے جراثیم پھیل گئے ہیں عمال حکومت (ملائکہ) سے رعیت کے روابط قائم ہیں یا دشمنان حکومت (شیاطین) سے سازباز ہو گیا ہے۔ پھر اگر اطاعۃ شعاری ہے تو ایسی رعایا قابل امداد و نصرت ہے اور اگر ایسی نہیں ہے تو قابل تعزیر و سرزنش ہے اس لئے

ایک تیسری وزارت بسلسلۂ سیاست قائم کی گئی جو نصرۃ وعقوبت اور دیکھ بھال کا کام انجام دے اس محکمہ کے ذمہ دار حضرت اسرافیل صاحب الصُّور ہیں۔ گویا سابقہ دو محکمے سول کے تھے اور یہ ملیٹری کا ہے البتہ سیاسی لائن میں پہونچ کر تمام محکمے ملیٹری کے زیر اثر دیدیئے جاتے ہیں کیونکہ حکومت کی قوت وزیر سیاسیات ہی کے ذریعہ ظاہر ہوتی ہے تعلیم وتربیت سے صرف بادشاہ کا کمال ظاہر ہوتا ہے قوۃ نہیں کھلتی اور حکومت نام قوۃ ہی کا ہے اور یہ قوۃ محکمۂ سیاست سے نمایاں ہوتی ہے اس لئے تمام محکمے حقیقتاً وزیر سیاسیات ہی کے ماتحت ہوتے ہیں اور اُس کے اشاروں پر چلتے ہیں حتیٰ کہ دوسرے وزراء بھی گو بلحاظِ منصب وزیر سیاسیات سے بالاتر بھی ہوں مگر اُس وزیر سے مرعوب ضرور ہوتے ہیں جس کے ہاتھ میں ملک کا فوجی نظام ہوتا ہے۔ یہ وزیر عسکریت حضرت اسرافیل علیہ السلام صاحب الصُّور ہیں چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اسرافیل آئے ہیں تو آپ نے جبرئیل سے اسرافیل کی نسبت فرمایا۔

فقلت یا جبریل قد کنت اردت ان اسئلك عن ھذا فرأیت من حالك ما شغلنی عن المسئلۃ فمن ھذا یا جبرئیل؟ فقال ھذا اسرافیل علیہ السلام خلقہ اللّٰہ یوم خلقہ بین یدیہ صافاقدمیہ لا یرفع طرفہ بینہ

میں نے کہا اے جبرئیل میں ارادہ کر رہا تھا کہ تم سے اس فرشتہ (اسرافیل) کی بابت دریافت کروں۔ مگر میں تمہارے مرعوب ہونے کی حالت دیکھ کر سوال سے رُک گیا (اب جبکہ وہ فرشتہ جاچکا ہے تو پوچھتا ہوں) کہ یہ کون فرشتہ تھا جس سے تم بھی لرزرہے تھے حالانکہ تم تمام ملائکہ میں افضل ترین اور بالادست ہو) جبرئیل نے کہا کہ یہ اسرافیل تھے انھیں خدا نے جس دن پیدا کیا تو

وبین الرب سبعون نوراً اما منھا من نور یکاد یبوء منہ الا احترق بین یدیہ لوح فاذا أذن اللہ فی شئے من السماء او فی الارض ارتفع ذالک اللوح فضرب جبھتہ فینظر فان کان من عملی امرنی بہ وان کان عمل میکائیل امرہ بہ وان کان من عمل ملک الموت امرہ بہ۔ (البدایہ جلد ۱ ص ۴۲)

اس شان سے پیدا کیا کہ وہ قدموں کو سیدھا کئے ہوئے تھے پلک تک نہ جھپکاتے تھے۔ ان میں اور اللہ کے درمیان جلال کے ستر نور تھے ان میں سے کوئی نور بھی ایسا نہ تھا کہ قریب ہونیوالے کو پھونک نہ دے ان کے سامنے ایک تختی (یادداشت) رہتی ہے جب اللہ تعالیٰ زمین و آسمان میں کسی چیز کی اجازت دیتے ہیں تو یہ لوح بلند ہوکر ان کی پیشانی سے لگ جاتی ہے اور وہ دیکھتے ہیں۔ پس اگر کام میرے (جبریل) سے متعلق ہوتا ہے تو مجھے حکم دیتے ہیں اور اگر میکائیل سے متعلق ہوتا ہے تو انھیں حکم دیتے ہیں اور اگر ملک الموت کے عمل سے متعلق ہوتا ہے تو انھیں حکم دیتے ہیں۔

اس سے واضح ہے کہ محکمہ تعلیم اور محکمہ غذا اس محکمہ سیاسیات کے زیر اثر رکھا گیا ہے کیونکہ یہ شعبے محض اخلاقی ہیں اور محض اخلاقیات سے طاقتور نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ پھر جیسے بغاوت عامہ کے وقت سخت قسم کے آرڈیننس جاری کر دئیے جاتے ہیں اور صوبہ یا پورا ملک فوج کے ہاتھ میں دے کر ایک دم مارشل لا نافذ ہو جاتا ہے کہ اک دم سارے شہر کو توپ دم یا بمباٹ کر دیا جائے۔ اسی طرح یوم قیامت میں جب کہ صرف شرار خلق اور باغی سرشت انسان رہ جائیں گے تو وزیر سیاست اسرافیل نفخ صور کریں گے جس سے تمام زمین و آسمان گویا توپ دم ہو کر ٹوٹ پھوٹ جائے گا اور ملک سب کا سب ویران کر دیا جائے گا۔ پس یہ

خدمت اسرافیل سے متعلق ہوگی اس سے بھی واضح ہے کہ حضرت اسرافیل وزیر سیاست نہیں جس کے ہاتھ میں ملکی نظام کی قوت دی گئی ہے اسی لئے اُنکی سرشت جلالی انوار سے کی گئی ہے جیسا کہ حدیث گذشتہ سے واضح ہوا۔

وزیر سیاست کے کارکن اور وسائل کار

فوجی قوت | پھر جیسے صوبوں اور دور دراز قلمرو میں جُدا جُدا لشکر اور میگزین ہوتے ہیں اور مختلف مقامات پر چھاؤنیاں ڈالی جاتی ہیں۔ تاکہ اگر کہیں بغاوت ہو تو وہیں کے مقامی لشکر سے اس کا سر کچل دیا جائے۔ اسی طرح اس آسمانی بادشاہت کی بھی مختلف چھاؤنیاں ہیں جو وقتاً فوقتاً ہم پر بھیجی جاتی رہی ہیں۔

وما یعلم جنود ربك الا هو | اور تمہارے رب کے لشکروں کو بجز رب کے کوئی نہیں جانتا۔

حیوانی لشکر | اصحاب فیل اُبھرے اور مکہ پر کعبہ کے انہدام کے لئے حملہ آور ہوئے جو سرکاری عمارت اور حقیقتاً پوری دنیا کا باب الحکومت اور دار الخلافہ تھا تو طیراً ابابیل کی بمبار ہوائی فوج بھیجی گئی جو چھوٹی چھوٹی چڑیوں کی شکل میں تھی جس نے منٹوں میں اُبرہہ کی ہاتھی نشین فوج کا استیصال کر دیا۔ اور اُس کا مکرو کید تباہ کر کے رکھدیا یہ چھوٹی چھوٹی چڑیاں گویا شکاری ہوائی جہاز تھے جنکی چونچ اور پنجوں میں تین تین بنی ہوئی ٹھکریاں تھیں گویا یہ زہریلے بم تھے ان لاتعداد طیاروں نے بمباری کی اور باغیوں کے اس لشکر جرار کا خاتمہ کر دیا۔

الم تر کیف فعل ربك باصحٰب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل | کیا آپ کو معلوم نہیں کہ آپ کے رب نے ہاتھی والوں سے کیا معاملہ کیا، کیا اُنکی تدبیر کو سرتاپا غلط نہیں کر دیا اور اُن پر

وارسل علیھم طیراً ابابیل
ترمیھم بحجارۃ من سجیل
فجعلھم کعصفٍ ماکول۔

غول کے غول پرندے بھیجے جو ان لوگوں پر کنکر کی
پتھریاں پھینکتے تھے سو اللہ نے ان کو کھائے ہوئے
بھوسہ کی طرح کردیا۔

نمرود اور قوم ابراہیم نے بغاوت کی تو مچھروں کے ذریعے اُس کو تباہ کردیا گیا فرعون نے سرکشی شروع کی تو مینڈکوں اور جوؤں کے ذریعے اُسکی عافیت تنگ کردی گئی۔

عنصریاتی لشکر | پھر کسی سرکش قوم پر ٹڈیاں بھیج دی گئیں۔ جنھوں نے اُن کے کھیت اور پیداوار کو چاٹ ڈالا اور وہ قوم فاقوں سے تباہ کردی گئی۔ یہ عذاب حیوانات کی صورت میں آیا جس سے واضح ہے کہ اللہ کے لشکروں میں حیوانات کے سلسلہ کا بھی ایک عظیم لشکر ہے جس سے متمرد اور سرکش اقوام کو عذاب دیا گیا ہے۔ پھر اسی طرح عناصر اربعہ آگ پانی ہوا مٹی بھی جنود الٰہی ہیں اُن کے ذریعے بھی اقوام تباہ کی گئی ہیں۔ قوم عاد کو ہوا سے تباہ کردیا گیا۔ قوم نوح کو پانی کے طوفان سے برباد کردیا گیا قوم شعیب پر بادلوں سے آگ کے انگارے برسادیئے جس سے وہ تباہ ہوگئی۔ قوم لوط کی بستیاں اُلٹ کر زمین بُرد کردی گئیں۔ غرض آگ پانی ہوا مٹی جیسے مفرد عناصر بھی اُس کے جنود وعساکر ہیں جن سے باغیوں کی سرکوبی میں کام لیا جاتا ہے۔

غرض انبیاء کے دشمن جب بھی کھُلی بغاوت پر آئے تو بادشاہ حقیقی نے اپنے نائبین کی حمایت میں دشمنوں کے بڑے بڑے لشکروں کا اپنے ایک معمولی سے لشکر کی ذرا سی جنبش سے استیصال فرمادیا کسی کو ہوا سے اُڑا دیا گیا کسی کو ہولناک

گرج سے تباہ کر دیا گیا کسی کو زمین بُرد کر دیا گیا کسی کو دریا برد کر دیا گیا کسی کو طوفان کی نذر کر دیا گیا کسی کو آگ کے شعلوں سے بھسم کر دیا گیا۔

فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا وما کان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون۔

تو ہم نے ہر ایک کو اس کے گناہ کی سزا میں پکڑ لیا۔ سو ان میں سے بعضوں پر تو ہم نے تند ہوا بھیجی اور ان میں سے بعضوں کو ہولناک آواز نے آدبایا اور ان میں سے بعضوں کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور ان میں سے بعضوں کو ہم نے ڈبو دیا اور اللہ ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔ لیکن یہ ہی لوگ اپنے اوپر ظلم کیا کرتے ہیں۔

بہر حال یہ سب آسمانی بادشاہت کے جنود وعساکر ہیں جنہیں وقتاً فوقتاً حکومت مختلف مہمات پر بھیجتی رہتی ہے تاکہ دشمن دبے رہیں اور زیادہ سر نہ اُٹھائیں۔

وما یعلم جنود ربک الا ھو وما ھی الا ذکری للبشر۔

تیرے پروردگار کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ لشکر بجز نوع بشر کی تنبیہ و تذکیر کے اور کسی لئے نہیں ہیں

ابھی پچھلے دنوں اللہ کی یہ حکومت یورپ کے باغیوں کو سزا دے رہی تھی جب کہ انھوں نے علانیہ مالک الملک سے بغاوت شروع کر دی تھی اور کھلے بندوں گستاخیوں پر اُتر آئے تھے۔ رشیا (روس)، کے ایک ذمہ دار اعلیٰ نے کہا تھا کہ ہم نے حُدودِ رُوس میں خدا کا داخلہ بند کر دیا ہے خدا اب یہاں نہیں داخل نہیں ہو سکتا۔ جرمنوں نے کہا تھا کہ اگر خدا جرمن ہوتا تو ہم اُس کی بات

مان سکتے تھے۔ برطانیہ کے ذمہ داروں نے کہا تھا کہ اب خدا ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اگر وہ آسمان کو بھی نیچے گرا دے تو ہم اُسے اپنی سنگینوں کی نوک پر روک لیں گے جاپانیوں نے اپنے بادشاہ ہی کو خدا ماننا شروع کر دیا تھا۔ ان کھُلی گستاخیوں پر خدائے لم یزل ولایزال نے اپنی قدرت کو ہلکی سی جنبش دی اور ہر ملک کو اُس کی گستاخی کی حد تک اُس کی کرتوتوں کا مزا چکھا دیا۔ جاپان اُلٹ گیا جرمنی ختم ہو گیا برطانیہ کی چودھراہٹ ختم ہو گئی اُس کا غرور ٹوٹ گیا اور اُس نے معابد میں دعائیں مانگنے کی خود اپنی رعایا سے التجا کی۔ غرض ان سرکشوں کو خدا نے خود اُنھی اسباب و وسائل کے ہاتھوں سزائیں دیں جن پر اُنہیں ناز تھا یعنی عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ چنانچہ اسی جنگ میں کسی موقعہ پر عناصر کی معدنی طاقتوں سے بمباری کرا دی کہیں یہ فوجیں جہازوں ہی میں دریا برد ہوئیں کہیں بموں کے ذریعہ زمین برد ہوئیں کہیں بارودی سرنگوں سے تہ آب ہو گئیں کہیں گیسوں سے جُھلس دی گئیں کہیں بارود کی گرج سے برباد ہوئیں۔

غرض کائنات کے مختلف جنود اِن دشمنوں پر مسلط کر دیئے گئے۔ کچھ تو ان میں سے صرف خدا کے منکر تھے خود خدائی کے مدعی نہ تھے جیسے رُوس و برطانیہ اور کچھ انکارِ خدائی کے ساتھ اپنے حق میں خدائی کے دعویدار تھے جیسے جاپان کی بادشاہت چنانچہ شاہ جاپان کو قوم خدا اور خدا کا مظہرِ اتم جانتی تھی اور وہ بھی اسی مانتا تھا جرمن اپنی قوم میں خدائی طاقتوں کے مدعی تھے۔ غرض ان میں سے ہر ایک کی بغاوت کا ایک نیا رنگ تھا۔ پس جاپان کی فرضی خدائی کا تختہ تو صرف ایک ایٹم بم سے اُلٹ دیا گیا۔ برطانیہ کی سیادت جنگ کے ایک لوٹ پھیر ہی میں ختم کر دی گئی

اُس کی سرکوبی جرمنی سے کرا کر اُس سے دعائیں منگوادی گئیں۔ اٹلی کا غرور اُس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے توڑ دیا گیا۔ غرض جتنا جس کا تمرد تھا اُتنا ہی عذاب اُن پر نازل کیا گیا اور انہی وسائل کے ذریعہ جن پر اُنہیں ناز تھا بلکہ اُن کے پروردہ تھے اور اُن کی درخشاں ایجادات تھے۔ پس یہ ایک تنبیہ عظیم تھی جو آج کی اقوام کو کی گئی اس پر بھی اگر یہ اقوام اپنی ڈھٹائی پر قائم رہیں تو وہ وقت دور نہیں ہے کہ آسمانی بادشاہت کی فوجیں پھر حرکت میں آئیں اور سر سے ہی ان اقوام کا تختہ الٹ دیا جائے اور ان کی سیادت و قیادت کا تاج دوسری مغلوب اقوام کے سر پر رکھدیا جائے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمۃ و نجعلھم الوارثین ونمکن لھم فی الارض۔

اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کا زمین میں زور گھٹایا جا رہا تھا۔ ہم اُن پر احسان کریں اور اُن کو پیشوا بنائیں اور اُن کو مالک بنائیں اور اُن کو زمین میں حکومت دیں۔

غرض اُمم ماضیہ اور اُمم حالیہ میں سے جس نے بھی حدود سے تجاوز کیا اُسے فوراً ہی خدائی جنود و عساکر سے سزا دی گئی کبھی آسمانی لشکر سے اور کبھی زمینی فوج سے جس سے واضح ہے کہ شاہی قلعہ کے عساکر قاہرہ جدا ہیں یعنی آسمانی طاقتیں اور صوبوں کے عساکر و افواج الگ ہیں یعنی زمینی فوجیں خواہ وہ انسانی ہوں یا حیوانی یا نباتی اور جمادی۔ البتہ کبھی مرکز سے بھی طاقت بھیجدی جاتی ہے جیسے آسمانی ملائکہ کی چنگھاڑ سے یا ملائکہ کے ذریعہ بعض اقوام کی بستیوں کے لوٹ دینے سے زمینی اقوام ہلاک کی گئیں یا بارشی طوفان سے ہلاکت عمل میں آگئی۔ وغیرہ

انسانی لشکر | اور کبھی زمین کا قصہ زمین ہی پر ختم کر دیا جاتا ہے اور انسانوں کے ذریعہ انسانوں کو کیفر کردار تک پہونچا دیا جاتا ہے۔

ولولا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لفسدت الارض ولکن اللہ ذو فضل علی العلمین

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کے ذریعہ دفع کرتے رہا کرتے ہیں تو سرزمین فساد سے پُر ہو جاتی لیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر۔

چنانچہ خود انسانوں میں بھی حزب اللہ اور جنود الٰہی ہیں جو سرکش انسانوں کیلئے بطور جلاد استعمال کئے جاتے ہیں کبھی مقبولین کی جماعت کفار سے جہاد کر کے انھیں پست کر دیتی ہے جیسے غزوۂ بدر میں ہوا اور کبھی مقبولوں کی غفلت توڑنے کے لئے کفار کے ذریعہ سزا دے کر انہیں زجر و توبیخ کر دی جاتی ہے جیسے مسلم سلطنتوں پر کفار کے ذریعہ آفات نازل ہوئیں یا جیسے بنی اسرائیل پر بخت نصر جیسے مشرک کو دسترس دی گئی اور اُن مشرک افراد نے ان سیہ کار مومنوں کے گھروں میں گھس گھس کر انہیں سزائیں دیں اور ذلیل کیا۔

فاذا جاء وعد اولٰھما بعثنا علیکم عبادا لنا اولی بأس شدید فجاسوا خلال الدیار وکان وعدا مفعولا۔

پھر جب اُن دو باروں میں سے پہلی بار کی میعاد آوے گی ہم تم پر ایسے بندوں کو مسلط کریں گے جو بڑے جنگجو ہوں گے پھر وہ گھروں میں گھس پڑیں گے۔ اور یہ ایک وعدہ ہے جو ضرور پورا ہو کر رہے گا۔

ملکی لشکر | پھر کبھی سرکشوں کے مقابلہ میں مطیعوں کی مدد ملائکہ کے غیبی لشکر سے کر دی جاتی ہے۔ جیسے غزوۂ بدر میں مہاجرین اولین کی امداد کے لئے پانچ ہزار ملائکہ بھیجے گئے۔

ولقد نصرکم اللہ ببدر و انتم
اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون
اذ تقول للمؤمنین الن یکفیکم
ان یمدکم ربکم بثلثۃ آلاف
من الملائکۃ منزلین بلیٰ ان
تصبروا وتتقوا ویأتوکم من
فورھم ھذا یمددکم ربکم بخمسۃ
آلاف من الملائکۃ مسومین
وما جعلہ اللہ الا بشریٰ لکم
ولتطمئن قلوبکم بہ وما النصر
الا من عند اللہ العزیز الحکیم ۔

اور یہ بات محقق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمکو بدر میں منصور فرمایا
حالانکہ تم بے سروسامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے
رہا کرو تاکہ تم شکر گذار رہو جبکہ آپ مسلمانوں سے یوں
فرمارہے تھے کہ کیا تم کو یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا
رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ
جو اتارے جاویں گے۔ ہاں کیوں نہیں اگر مستقل
رہو گے اور متقی رہو گے۔ اور وہ لوگ تم پر ایکدم سے
آپہنچینگے تو تمہارا رب تمہاری امداد فرماویگا پانچہزار
فرشتوں سے جو ایک خاص وضع بنائے ہوں گے اور
اللہ تعالیٰ نے یہ امداد محض اسلئے کی کہ تمہارے لئے بشارت ہو اور تاکہ تمہارے
دلوں کو قرار ہوجاوے اور نصرت صرف اللہ ہی کیطرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں حکیم ہیں

اسی طرح حضرت جبرئیل کے ذریعہ قوم لوط کی بستیاں اُلٹ دی گئیں۔ بہرحال جمادات، عنصریات، حیوانات، انسان اور ملائکہ سب ہی ہیں اللہ کے جنود و عساکر بنے ہوئے ہیں جو آسمانی بادشاہت کے سپاہی کی حیثیت سے اُسیوقت اپنی ڈیوٹی بحکم الٰہی انجام دیتے ہیں۔ جب کوئی دشمن سر اُبھارتا اور حد سے گذر جاتا ہے تا آنکہ اُسے مغلوب کرکے ہی چین لیتے ہیں۔

الا ان حزب اللہ ھم الغلبون ۔

خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ غالب ہونے والا ہے۔

خاص اسلحہ اور مخصوص میگزین

پھر جس طرح عام اسلحہ اور فوجی طاقتوں کے ساتھ شاہی قلعہ پر دمدمے اور مورچے ہوتے ہیں جن میں بڑی بڑی مار کی توپیں رکھی جاتی ہیں۔

کہ اگر کہیں ملک میں عام بغاوت پھیل جائے اور رعیت سرتابی کرنے لگے تو اس اژدر دم توپ سے جس کا دہانہ آبادی کی طرف ہی ہوتا ہے سارے شہر کو توپ دم کر دیا جائے ایسے ہی حملۂ عرش ہیں سے حضرتِ اسرافیل کو صور دے کر کھڑا کیا گیا ہے تو تمام آسمان و زمین کی چوڑائی کی قدر ہے اور جس کا دہانہ ارضی و سماوی آبادی ہی کی طرف ہے۔ اسرافیل ہر آن عرش کی طرف نگراں ہیں کہ اگر ذرا اشارہ ہو جائے تو سارے ممالک کو ایک دم میں پھونک دوں اور توپ دم کر دوں۔

عن ابی سعید الخدری عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال کیف انعم وصاحب القرن قد التقم القرن وحنی جبھتہ وانتظر ان یؤذن لہ (رواہ احمد)

ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کیونکر چین سے بیٹھوں جبکہ بگل والا (اسرافیل) بگل (صور) منہ میں لے چکا ہے اور پیشانی جھکا چکا ہے اور (صور پھونکنے کیلئے) بس اجازت کا منتظر ہے جس کی ہیبتناک گرج سے یہ سارا کارخانہ درہم برہم ہو جائے،

یعنی قیامت قائم کر دی جائے۔

بہرحال یہ وزارت زجر و سیاست کا ایک مختصر اور اجمالی خاکہ تھا جس کی فروعی تفصیلات چھوڑ کر محض اصولی امور سے اس محکمہ کا نقشہ پیش کیا گیا ہے۔

(۴)

وزارت تذکیر و اشاعت

اسی کے ساتھ آسمانی بادشاہت کا ایک بڑا محکمۂ دعایت و اشاعت کا بھی ہے جسے آج کل کی اصطلاح میں پروپگنڈہ کا محکمہ کہتے ہیں۔ اس شعبہ کا کام یہ ہے کہ

حکومت کے قوانین کے احترام اور اس کی اطاعت کی طرف ملک کو توجہ دلاتا رہے اور بار بار یاددہانی کرے تاکہ لوگ انجام کی طرف متوجہ ہوں اس سلسلہ میں آسمانی بادشاہت نے تکوینی طور پر بہت سے واعظ اور ہادی مقرر فرمائے ہیں جو اپنے اپنے مقررہ اوقات پر انسان کو اس کی آخرت یاد دلاتے ہیں۔ اور شاہنشاہِ حقیقی کے روبرو حاضر ہو کر جواب دہی کے دہشتناک وقت سے ڈراتے ہیں تاکہ آدمی موت سے پہلے موت کی استعداد پیدا کرلے۔ نیز حاضریٔ عدالت شاہی کے لئے عمر بھر سامان فراہم کرتا رہے تاکہ اس بندہ کا انجام جو کچھ بھی ہو خواہ نجات ہو یا معاذ اللہ ہلاکت اتمام حجت کے ساتھ ہو اور سلطنت پر یہ الزام نہ آئے کہ اس نے ایسے ہیبت ناک نتائج پر پہلے سے کیوں نہ مطلع کردیا کہ ہم تیاری کرلیتے

وزیرِ تذکیر کے وسائلِ کار

ملک الموت کے قاصد | پس اس وعظ و پند اور قانون ملکی کی اشاعت و رعایتہ کے لئے ایک مستقل محکمہ بلکہ مستقل وزارت قائم ہے جس کا کام حضرت عزرائیل علیہ السلام انجام دیتے ہیں۔ جو مخلوق کی نگرانی بھی کرتے ہیں اور انھیں روحانی طور پر تذکیر بھی کرتے ہیں۔ نیز ان کے ماتحت مستقل واعظ اور قاصد ہیں جو رعایا کو پند و نصیحت سے آخرۃ کی یاد دلاتے ہیں اور عذاب خداوندی سے ڈراتے ہیں۔

طول عمر اور بڑھاپا | مثلاً بوڑھاپا جو قرب موت کی علامت ہے اسی وزارت کے کار کنوں میں سے ایک کارکن ہے ارشاد ربانی ہے۔

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَا يَتَذَكَّرُ فِيهِ مَنْ	کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہو

تذکر فیہ من تذکر وجاءکم النذیر | وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا

یعنی یہ عمرِ طویل اور بڑھاپے کا زمانہ ایک مستقل نذیر اور ڈرانے والا ہے کہ موت کے قریب ہونے کی علامت ہے۔ جو آخرۃ کی پہلی منزل ہے۔

شیب یعنی سفید بال — سفید بال بھی نذیر ہیں اور علامت موت ہیں جو موت کی یاددہانی کرتے ہیں۔ پس یہ بھی آیت کی تفسیر میں شامل اور نذیر کا مصداق ہیں۔

رُوی عن ابن عباس وعکرمۃ وابی جعفر الباقر وقتادۃ وسفیان بن عیینۃ انھم قالوا یعنی الشیب وقرأ ابن زید ھذا نذیر من النذر الاولیٰ (تفسیر ابن کثیر جلد سابع ص ۵۲۳)

اس سلسلہ میں ابن عباس، عکرمہ، ابو جعفر الباقر، قتادہ اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ڈرانیوالے سے مراد بڑھاپا ہے جو موت کے قرب کی خبر دیکر گویا عذاب آخرت سے ڈراتا ہے۔ اور ابن زید نے پڑھا یہ بڑھاپا بھی ایک ڈرانے والا ہے ڈرانیوالوں میں سے۔

اولاد کی اولاد — بعض تفسیری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی اولاد کی اولاد یعنی پوتے اور نواسے بھی نذیر اور ڈرانے والوں میں شامل ہیں جو آیت میں لفظ نذیر کا مصداق ہیں۔

امراض — پھر اسقام وامراض وغیرہ بھی اُنہی واعظوں میں سے ہیں جو موت کی یاددہانی کرتے ہیں۔

اخرج ابو نعیم فی الحلیۃ عن مجاھد قال ما من مرض یمرضہ العبد الا ورسول ملک الموت عندہ الخ۔

ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں مجاہد سے روایت کی ہے کہ کوئی مرض ایسا نہیں ہے جو بندہ کو لگے اور وہ ملک الموت کا قاصد نہ ہو جو اُس کے پاس آیا ہو (یا مرض کے وقت کوئی نہ کوئی قاصد موت کے فرشتہ کا اس بندہ کے پاس نہ ہو)

قال القرطبي وردَ في الخبر ان
بعض الانبياء قال لملك الموت
اما لك رسول تقدمه بين
يديك ليكون الناس على
حذر منك۔

اختلال حواس | قال نعم لي والله
رسل كثيرة من الاعمال
والامراض والشيب والهرم
وتغيير السمع والبصر فاذا لم
يتذكر من نزل به ذلك ولم
يتب ناديته اذا قبضته الم
اقدم اليك رسولا بعد رسول
ونذيرا بعد نذير انا الرسول
ليس بعدي رسول وانا النذير
الذي ليس بعدي نذير (شرح
الصدور للسيوطي ص۸)۔

قرطبی کہتے ہیں کہ نقل ہے کہ بعض انبیاء علیہم السلام نے
ملک الموت سے کہا کہ کیا تمہارے پاس کوئی قاصد نہیں ہے
کہ تم اپنے آگے آگے اسے بھیج دیا کرو تاکہ لوگ تم سے
ڈرتے رہا کریں (اور اپنا بچاؤ معاصی وغیرہ سے کریں
یعنی توبہ کرلیا کریں)۔

کہا کیوں نہیں ہے واللہ میرے قاصد تو بہت سے ہیں یہ
علتیں، امراض، بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، سمع وبصر (حواس)
کا متغیر ہو جانا یہ سب میرے قاصد ہی تو ہیں جو میرے جلد
پہونچنے کی خبر دیتے ہیں۔ پس جب کوئی ان تنبیہی چیزوں سے
متنبہ نہیں ہوتا اور توبہ نہیں کرتا تو میں قبض روح
کے وقت اُسے جتاتا ہوں کہ کیا میں نے آگے آگے تیرے
پاس قاصد پر قاصد اور آگے پیچھے ڈرانے والے نہیں
بھیجے؟ سو اب میں خود وہ قاصد ہوں کہ میرے بعد
کوئی قاصد نہیں۔ اور میں خود وہ ڈرانے والا ہوں
کہ میرے بعد اب کوئی ڈرانے والا نہیں۔

موت | خود موت کی یاد ایک مستقل واعظ ہے جو انسان کے عبرت پکڑنے کے لئے
حیاۃ کی ساتھ ساتھ رکھی گئی ہے۔ ورنہ یہ بھی ممکن تھا کہ سارے انسان دنیا میں
صرف پیدا ہی ہوتے رہتے اور ایام قیامت میں ایک دن کی ایک ساعۃ میں۔

ایک دم موت کے گھاٹ اُتار دیئے جاتے۔ لیکن اُس میں ایک کی موت سے دوسری کو عبرت پکڑنے کا موقعہ نہ ملتا اس لئے حیاۃ اور پیدائش کے ساتھ ساتھ موت کا سلسلہ قائم رکھا گیا تاکہ یہ موت واعظ کا کام بھی دے۔ ارشاد نبوی ہے۔

کفیٰ بالموت واعظاً

آدمی کے وعظ و نصیحت کیلئے ایک موت ہی کی یاد کافی ہے۔

قبر — انسان کی قبر بھی روزانہ موت کی یاددہانی کرتی ہے اور تنبّہ اور توبہ کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

اخرج الدیلمی عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تجھزوا القبورکم فان القبر لہ فی کل یوم سبع مرات یقول یا ابن آدم الضعیف ترحم فی حیٰوتک علیٰ نفسک قبل ان تلقانی ارحم علیک وتکفی منی السردی (شرح الصدور ص ۳۹)

دیلمی نے روایت کی ہے ابن عباس سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ لوگو اپنی قبروں کیلئے تیاری کرو۔ بہ تحقیق قبر کی ہر دن میں سات ندائیں ہیں۔ وہ کہتی ہے کہ اے کمزور انسان اپنے اوپر اپنی زندگی ہی میں میرے آنے سے پہلے رحم کر تو میں بھی تجھ پر ترحم کروں گی۔ اور میری ہلاکت آفرینی اور تباہ کاری سے تو بچا رہے گا۔

ملک الموت — خود ملک الموت بھی روزانہ انسان کو اپنی روحانی اور معنوی آواز سے متنبہ کرتے اور آخر وقت سے ڈراتے ہیں۔

عن جعفر بن محمد قال سمعت ابی یقول نظر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی ملک الموت

جعفر بن محمد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے باپ سے سنا وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ملک الموت کو ایک انصاری کی روح قبض کرتے ہوئے دیکھا تو

عند راس رجل من الانصار فقال یا ملک الموت ارفق بصاحبی فانہ مومن فقال ملک الموت یا محمد طب نفسا وقر عینا فانی بکل مومن رفیق واعلم ان ما فی الارض بیت مدر ولا شعر فی بر ولا بحر الا وانا اتصفحہم فی کل یوم خمس مرات حتی انا اعرف بصغیرہم وکبیرہم بانفسہم الخ (البدایہ ص ۴۷)۔

فرمایا کہ اے ملک الموت میرے صحابی کیساتھ نرمی کرو اس لئے کہ وہ مومن ہے تو ملک الموت نے عرض کیا اے محمد خوش ہوجیے اور آنکھیں ٹھنڈی رکھیے کہ میں ہر مومن پر مہربان (نرم) ہوں اور یہ جان لیجئے کہ روئے زمین پر کوئی اینٹ اور کپڑے کا گھر بر اور بحر میں ایسا نہیں ہے کہ میں روزانہ اس کا کھوج پانچ دفعہ نہ لگاتا ہوں۔ تا آں کہ میں ان انسانوں کے ہر چھوٹے اور بڑے اُن سے بہت خوب پہچانتا ہوں۔

بہر حال یہ سب مذکرات ہیں جو دنیا والوں کے انتباہ کے لئے رکھے گئے۔ اور ان کو ضابطہ میں لانے کے لئے اُنھیں عزرائیل علیہ السّلام کے سپرد کردیا گیا۔

غرض اس وزارت تذکیر و اشاعۃ کے یہ سینکڑوں کارکن ہیں جو انسان کے حق میں واعظ ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ۔ ؎

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو
ذرہ ذرہ سے صدا آتی ہے فافہم فافہم (حضرت شیخ الہندؒ)

بہر حال آسمانی بادشاہت کی یہ چار وزارتیں ہیں۔ وزارت تذکیر و اشاعۃ جو ملک الموت کے تحت میں ہے وزارت تعلیم و ہدایت جو جبریل کے تحت میں ہے

وزارت ارزاق و زراعت جو میکائیل کے تحت میں ہے، وزارت زجر و سیاست جو اسرافیل کے تحت میں ہے۔ اور کسی سلطنت کے لئے یہی چار محکمے اساسی حیثیت رکھتے ہیں جن پر عادۃً ایک ملک کی ترقی اور اُس میں قیام امن و سکون کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔ اگر رعایا تعلیم یافتہ نہ ہو اور ملک جاہل رہ جائے تو وہ کبھی اندرونی اور بیرونی آفات سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ اگر روٹی کا مسئلہ حل نہ ہو تو ملک میں سکون نہیں رہ سکتا اور اس کی بے چینی رفع نہیں ہو سکتی۔ اگر تعلیم و تموّل دونوں ہوں مگر تنبیہ و سیاست نہ ہو تو ملک میں شائستگی و تہذیب پیدا نہیں ہو سکتی اور اگر نیک کردار بھی بنا دیا جائے مگر محض سیاستہً اور جبری طور پر اور اُس میں حقیقی نیکی نہ ہو اور نہ وہ عبرت و نصیحت اپنی ذات سے قبول کرتا ہو تو اُس کے دل میں علم قانون اور لائحہ عمل مستحضر نہیں رہ سکتا جس کے استحضار ہی سے کردار کی بلندی قائم ہوتی ہے۔ غرض یہ چاروں مہمات ہی ایک ملک کی بقا و تحفظ کے ضمانت دار ہیں۔ اس لئے حق تعالیٰ نے ان چار مخصوص اور مقرب ملائکہ جبریل، میکائیل، اسرافیل اور عزرائیل علیہم السلام کا انتخاب فرما کر ان چار وزارتوں کو ان چار قوی و امین ملائکہ کے سپرد فرما دیا گویا عالم کائنات کو ان چار کے ہاتھوں میں دیدیا تاکہ یہ چاروں مقرب بندے منشاء خداوندی کو ہمہ وقت سامنے رکھ کر بطور جارحہ حق عام کا نظام قائم رکھیں۔ اس سے تقسیم خدمات و عمل کا اسوہ پیدا ہوتا ہے۔ جس پر ملکی خدمات کا دارومدار ہے۔ اگر کسی ملک میں صحیح تقسیم عمل۔ اور رجال کار کا صحیح اور موزوں انتخاب نہ ہو تو اُس ملک کا نظام کبھی برجا نہیں رہ سکتا۔ ہاں پھر اس تقسیم مناصب خدمات کے بعد ان چاروں اساسی وزارتوں کے تحت

ہزار ہا فروعی شعبے اور محکمے اور اُن سے متعلقہ دفاتر ہیں جن میں ان گنت کارکنوں کے عملے ہیں جو سول اور ملٹری دونوں قسم کے اُمور انجام دیتے ہیں۔ پھر ان عملوں کے لئے وسائل کار ہیں جن کے ذریعے ملک کی مختلف خدمات انجام پا رہی ہیں اور اس طرح رعایا کی نگہداشت پرورش اور انضباط کار کا نظام بے مثال طریق پر چل رہا ہے۔

وزارتوں کے ماتحت اہم شعبہ جات

حفاظتی پولیس | مثلاً ہر بیدار سلطنت کے لئے رعایا کی حفاظت و نگاہداشت اور امن عامہ کے وسائل کا قائم رکھنا ضروری ہوتا ہے سو آسمانی بادشاہت نے بھی اپنی نوعیت کے مناسب حفظان رعایا کے وسائل کار مہیا فرمائے تاکہ انسانوں کے ان گنت دشمن اُس پر قابو نہ پا جائیں اور انسان بے وجہ نہ مارا جائے ان وسائل کار میں سے تو حفظان رعیت کے لئے حفاظتی پولیس کا انتظام ہے جس پر ان گنت سپاہی کام کرتے ہیں اور سوتے جاگتے ہر وقت رعایائے ملک کی محافظت کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔

لہ معقبات من بین یدیہ ومن خلفہ یحفظونہ من امر اللہ (قال مجاھد) ما من عبد الا وملک مو کل یحفظہ فی نومہ ولیقظتہ من الجن والانس

ہر شخص کے لئے کچھ فرشتے ہیں۔ جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے کچھ اُس کے آگے اور کچھ اُسکے پیچھے کہ وہ بحکم خدا اُسکی حفاظت کرتے ہیں۔ (مجاہد نے فرمایا) کہ کوئی بندہ نہیں ہے کہ اُسکی حفاظت پر فرشتہ مقرر نہ ہو جو سوتے اور جاگتے میں اُسکی نگاہداشت کرے۔ شیاطین سے انسانوں سے

والهوام وليس شئ ياتيه
بريئ والاقال ورداءك الا
شئ باذن الله فيه فيصيبه (البدايه)

کیڑے مکوڑوں سے ان میں سے کوئی شے بھی انسان پر آتی ہے تو وہ کہتا ہے پرے ہٹ۔ ہاں بجز اسکے کہ اللہ ہی کا ارادہ اس مصیبت کو ڈالنے کا ہو تو وہ پہونچکر رہیگی۔

خفیہ پولیس اور رعیت کے عمل کی نگرانی

ہاں پھر اسی طرح ہر حکومت کے لئے سی آئی ڈی کا محکمہ لازمی ہے جو حکومت کو خبریں پہونچائے اور بسنے والوں کی نقل و حرکت پر نظر رکھے۔ گو حکومت کو ذاتی علم بھی ہے مگر پھر بھی طریق حکمرانی کا یہ ایک ناقابل انکار اصول ہے اور اس لئے ہے کہ خفیہ کے ذریعہ ہر ہر فرد بشر کا ریکارڈ محفوظ رہے اور اس اعمال نامہ کے ذریعہ ہر شخص پر سزا و جزا کیوقت حجۃ قائم کی جاسکے۔ حکومت آلہی کے خفیہ پولیس کراماً کاتبین ہیں جو ہر شخص کی خفیہ نگرانی کرتے ہیں اور ہر وقت اُس کے کندھوں پر سوار ہیں۔

وان علیکم لحافظین کراماً کاتبین
یعلمون ما تفعلون

اور تم پر یاد رکھنے والے معزز لکھنے والے مقرر ہیں۔ جو کچھ تم کرتے ہو اُسے جانتے ہیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اذ یتلقی المتلقیان عن الیمین
وعن الشمال قعید ما یلفظ من
قول الا لدیہ رقیب عتید

جب دو اخذ کرنیوالے فرشتے اخذ کرتے رہتے ہیں جو کہ داہنی اور بائیں طرف بیٹھے رہتے ہیں وہ کوئی لفظ منہ سے نہیں نکالنے پاتا مگر اسکے پاس ہی ایک تاک لگانیوالا تیار رہتا ہے۔

رعایا کے اعمال نامے اور دفتری ریکارڈ

پھر اس خفیہ پولیس کی رپورٹیں اس قدر مکمل ہوتی ہیں کہ عمل کی ہیئتہ، مکان، وقت اور مجلس کا نقشہ حتیٰ کہ آوازیں تک محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ جیسے آج سی آئی ڈی کے کارکن مختصر کیمرے رکھتے ہیں۔

جس سے آدمی ہی نہیں اُسکی نقل و حرکت کے مواقع تک کے فوٹو اُتار لیتے ہیں گراموفون کی مشین رکھتے ہیں اور اُس سے آوازیں تک ریکارڈ کر لیتے ہیں۔ اسی طرح الٰہی حکومت کے سی آئی ڈی بھی ہر ہر انسان کے اعمال نامے اور زندگی کے ریکارڈ یوم جزا میں ہر شخص کے سامنے پیش کر دیں گے اور کہا جائے گا کہ۔

اقرأ کتابك کفیٰ بنفسك۔ اليوم علیك حسیبا — اپنا نامۂ اعمال پڑھ آج تو اپنا آپ ہی محاسب کافی ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فامّا من اوتی کتابہ بیمینہٖ فیقول ھاؤم اقرءوا کتابیہ الخ — پھر جس شخص کا نامۂ اعمال داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ وہ تو کہے گا کہ لو میرا نامۂ اعمال پڑھ لو۔

اور فرمایا گیا۔

واما من اُوتی کتابہ بشمالہٖ فیقول یا لیتنی لم اوت کتابیہ — اور جسکا نامۂ اعمال اسکے بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا۔ سو وہ کہے گا کہ کیا اچھا ہوتا کہ مجھکو میرا نامۂ اعمال ہی نہ ملتا

دفاتر محکمجات | پھر ان تمام دفتری اندراجات کے لئے دفاتر کی ضرورت تھی تو عرش الٰہی اور مستویٰ (جائے استوار اور وہ عرش ہے) کے قریب صدر دفتر عالم ہے جسکے کلرک ملائکۃ الرحمٰن ہیں جو عالم کے تمام حوادث اور احکام۔ اور تقدیر کے سارے قضایا اور فیصلے اس عظیم الشان صدر دفتر میں درج کرتے ہیں۔ یہ صدر دفتر عرش عظیم کے پاس ہے جیسے سکریٹریٹ کے تمام دفاتر شاہی مستقر کے قرب و جوار ہی میں رکھے جاتے ہیں۔ چنانچہ معراج کے موقع پر ان دفاتر کو آپ نے محسوس فرمایا حضرت ثابت بنانی کی طویل حدیث میں ہے۔

ثم عُرِجَ بِیْ حتی ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًی اَسْمَعُ فِیْهِ صَرِیْفَ الاقلام (مشکوٰۃ باب صفۃ المعراج ص ۵۲۹)	اور پھر مجھے اونچا لیجایا گیا (یعنی تمام آسمانوں سے گذر کر) تو مستوی (عرش عظیم) ظاہر ہوا اور میں نے قلموں کی کھسکھساہٹ کی آواز سنی۔

کاغذات کی روزانہ پیشی پھر ان شاہی دفاتر کے اوقات صبح وشام رکھے گئے ہیں جن میں کاغذات جاتے ہیں۔ اور بادشاہ حقیقی کے سامنے اُن کی روزانہ پیشی ہوتی ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مامن حافظین یرفعان الی اللہ عزوجل ماحفظا فی یوم فیری فی اول الصحیفۃ وفی آخرھا استغفارا الا قال غفرت ما بین طرفی الصحیفۃ (البدایہ ص ۹۱)	انس فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ دونوں محافظ (کراماً کاتبین) جب بھی روزانہ عروج کرکے اللہ تک پہونچتے ہیں تو جسکے نامۂ اعمال میں اوّل وآخر استغفار ہوتا ہے حق تعالٰے فرما دیتے ہیں کہ اس صحیفہ کے دو طرف جتنی بھی کوتاہیاں ہیں میں نے سب بخش دیں۔

اوقات پیشی اس روزانہ پیشی کے سلسلہ میں اوقات دفتر کے متعلق حدیث ابی موسٰی میں ارشاد ہے کہ وہ صبح وشام رکھے گئے ہیں۔

یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار وعمل النہار قبل عمل اللیل (مشکوٰۃ باب الایمان بالقدر ص ۲۱)	اس کے حضور میں رات کے اعمال دن کے عملوں سے پہلے اور دن کے اعمال رات کے عملوں سے پہلے پیش ہو جاتے ہیں (گویا دن میں بھی پیشی ہوتی ہے اور رات میں بھی۔

تبادلہ اور جائزہ

پھر اس صبح اور شام کی پیشی کے سلسلہ میں ساعتیں تک متعین ہیں کہ وہ نماز فجر اور نماز عصر کے اوقات ہیں۔ حدیث ابی ہریرہ میں اس کی تعیین کی گئی ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الملائکۃ یتعاقبون ملائکۃ اللیل وملائکۃ النھار ویجتمعون فی صلوٰۃ الفجر وصلوٰۃ العصر (البدایہ ص)

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رات اور دن کے نگراں ملائکہ ایکدوسرے کے آگے پیچھے آتے رہتے ہیں اور نماز فجر و عصر میں جمع ہو جاتے ہیں یعنی دن کے ملائکہ طلوع فجر پر آ کر رات والوں سے چارج لیتے ہیں اور نماز فجر میں جمع ہو جاتے ہیں اور رات کے ملائکہ دن والوں سے قبل مغرب چارج لیتے ہیں اور نماز عصر میں جمع ہو جاتے ہیں۔

ظاہر ہے کہ اعمال کی پیشی کا یہ سلسلہ حق تعالیٰ کے علم میں لانے کے لئے تو ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تو خود عالم الغیب ہے۔ بلکہ یہ سارا سلسلہ اولاً نظام حکومت کی تشکیل کے لئے ہے ثانیاً بندوں کی تعلیم کے لئے ہے۔ اور ثالثاً اس لئے ہے کہ ان تحریری نوشتوں سے ہر بندہ پر اتمام حجت کے بعد ہی اُسے سزا و جزا دی جائے جسے وہ بھی تسلیم کر لے اور مسلّمہ حجۃ و برہان سے اُس کے یہ دونوں استحقاق ثابت ہوں اور اس طرح ہر ایک مخلوق کو اس عادلانہ نظم کے ماتحت بتدریج اُس کی حد کمال پر پہونچا کر اُس مقام تک پہنچا دیا جائے جس کا وہ اہل ہے۔ اور جس کی طرف طبعی میلان اپنے خمیر اور خلقت میں رکھتا تھا یعنی مطیع مقام رضوان و ریحان تک اور مجرم مقام خسران و حرمان تک پہونچا دیئے جائیں۔ اور ہر ایک اپنے کردار و افعال سے آہستہ آہستہ چل کر مناسب مقام حاصل کرے کوئی مورد رحمت بنے اور کوئی مورد غضب تاکہ ایک طرف تو مخلوق کے وہ مخفی جوہر کھل جائیں جو بدء

خلقت سے اُس میں ودیعت کئے گئے تھے اور ایک طرف حکیم مطلق کی وہ مخفی حکمتیں اور مکنون کمالات وصفات کھل جائیں جن کے ظہور کے لئے اس کائنات کا یہ طلسم رنگ و بو بنایا گیا تھا۔

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نہ باشد

عطایائے صلہ و اعزاز

تقسیم جاگیرات و اعزازات

رجال کار کا انتخاب اور تقسیم عہدہ جات کے بعد جب کہ کارکن اپنی اپنی کارگذاری دکھلانے لگیں اور اپنی اپنی قابلیتوں کے جوہر نمایاں کر کے صلہ و انعام کا استحقاق ثابت کر دیں تو موقعہ آتا ہے کہ ان وفاداران حکومت کو مختلف مناصب اور اعزازات و جاگیرات دیئے جائیں تاکہ وہ اپنی خدمات حوصلہ اور اُمنگ سے انجام دیں اور بادشاہ کے مخلص اور وفادار رہیں پس کسی کو کسی ملک کی گورنری اور افسری دیجاتی ہے کسی کو جاگیریں دی جاتی ہیں کسی کو خطاب ملتا ہے اور کسی کو بھرے مجمع میں حوصلہ افزائی کی جاتی ہے غرض مختلف انواع کے انعامات سے وفاداروں کو نوازا جاتا ہے اس کے بالمقابل کام چوروں باغیوں اور پشتینی دشمنوں کی رسوائی کے لئے یا انہیں کسی بدترین قوم کی قیادت دیجاتی ہے۔ تاکہ وہ ناکام واپس ہوں، اور انجام کار اُن پر حجت تمام ہو اور وہ سزا کے مستحق ہو جائیں اور کسی کا اعزاز و منصب بحق سرکار ضبط کر لیا جاتا ہے جیسے ابلیس کا منصب سرداری ملائکہ ضبط ہوا کسی گمراہ قوم میں سے خاندانی

عزت و فضیلت ختم کر دیجاتی ہے جیسے بنی اسرائیل کی قیادت و فضیلت عامہ ختم کر دیگئی یا آج جیسے اقوام حال میں سے کسی قوم کو ملک دیا جا رہا ہے جوں جوں وہ صلاح و رشد کیطرف آرہی ہے اور کسی سے ملک چھینا جا رہا ہے جوں جوں وہ طغیان و سرکشی کیطرف جا رہی ہے۔ چنانچہ اس شاہی عطاء و سلب کے بارہ میں قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے۔

قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شیء قدیر ہ

آپ یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس سے چاہے ملک لے لیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں غالب کر دیتے ہیں اور جسکو آپ چاہیں پست کر دیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔

عطاء خطابات

پھر اعیان ملک کو جو وفاداری میں ہر وقت سرگرم رہتے ہیں۔ خطابات عطا کئے جاتے ہیں جیسے ملائکہ مقربین انبیاء علیہم السلام اور نائبان انبیاء کو اپنے اپنے وقت میں مختلف خطابات دیئے گئے ہیں جو اُن کی نوعیت کارگذاری اور شخصی اوصاف کے مناسب حال تھے بالکل اسی طرح جیسے سلاطین دنیا مثلاً طبقہ علماء کو تو اُن کے انداز کے مناسب خطاب دیتے ہیں جیسے شمس العلماء یا ملک العلماء اور طبقہ امراء کو اُن کے طرز کے خطابات جیسے خان خانان اور امیر الامراء وغیرہ۔ مثلاً حضرت ابراہیم کو خلیل اللہ اور صدیق کا خطاب ہوا۔

واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا ہ انہ کان صدیقا نبیا ہ

اور بنا لیا اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو دوست۔ وہ بڑے راستی والے اور پیغمبر تھے۔

موسیٰ علیہ السلام کو نجی اللہ اور مخلص اور کلیم اللہ کا خطاب ملا۔

وقربناہ نجیاہ — اور ہم نے ان کو راز کی باتیں کرنے کے لئے مقرب بنایا

انہ کان مخلصا — وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے خاص کئے ہوئے تھے۔

وکلم اللہ موسیٰ تکلیما — اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کلام فرمایا۔

عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کا خطاب ملا۔

انما المسیح عیسی بن مریم رسول اللہ وکلمتہ القاھا الی مریم وروح منہ — مسیح عیسیٰ ابن مریم اور کچھ بھی نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے مریم تک پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک جان ہیں

ادریس علیہ السلام کو صدیق کا۔ اسمٰعیل علیہ السلام کو صادق الوعد کا۔ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عبد اللہ کا خطاب ہوا جو تمام خطابات میں سب سے اونچا خطاب ہے۔ کیونکہ بارگاہ الوہیت میں عبدیت سے بڑھکر کوئی مقام نہیں۔ کہ جو رفعت عبدیت سے ملتی ہے وہ اور کسی مقام سے نہیں ملتی۔ اسی لئے بیان معراج میں امتنان اور بیان فضیلت محمدی کے مقام پر حق تعالیٰ نے آپ کو عبد کے لفظ سے یاد فرمایا اور اسے بھی اپنی طرف نسبتہ دیکر۔ تاکہ آپ کی اعلیٰ ترین بزرگی دنیا پر واضح کردی جائے۔ فرمایا۔

سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ۔ — وہ پاک ذات ہے جو اپنے بندے کو شب کے وقت مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گئی۔

پھر انبیاء کے بعد نائبان انبیاء ان کے صحابہ اور بعد کے ورثاء نبوۃ کو بھی

حسب حیثیت خطابات عطا ہوتے ہیں۔ جیسے ابوبکر رضی اللہ عنہ کا خطاب حلیم اور صدیق تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فاروق۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ذوالنورین۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مرتضیٰ اور اسد اللہ حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ کا سیف اللہ۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا امین الامۃ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا حبر الامۃ و حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا حواریٔ نبی۔ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سید۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا سید الشہداء اسی طرح اولیاء کرام کے خطابات عالم مثال میں اُن کے حسب حال ہوتے ہیں جیسے عظیم یا ابدال یا قطب اور غوث وغیرہ۔ جو روایات حدیث سے ثابت ہیں۔ ہاں پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بمنزلۂ وزیر اعظم کے ہیں صرف ایک ہی خطاب عبدیت کا نہیں ملا۔ بلکہ تقریباً ۹۹ خطابات عطا ہوئے جن میں سے اعلیٰ ترین خطاب تو عبداللہ ہے کہ مقام عبدیت سب مقامات خلۃ۔ تکلیم۔ رُوحیت وغیرہ پر فائق ہے۔ بقیہ خطابات آپ کی مختلف شانوں اور صفات کمال کے اعتبار سے عطا ہوئے حتیٰ کہ بعض شاہی القاب تک سے حضور کو ملقب کر دیا گیا ہے۔ یعنی حق تعالیٰ نے خود اپنے بعض اسماء آپ کو بطور خاص خطاب میں عطا فرمائے جن میں سے بعض کا قرآن کریم میں بھی ذکر موجود ہے جیسے رؤف و رحیم وغیرہ۔ ان ننانوے خطابات میں سے ۳۰ خطابات خصائص کبریٰ میں منقول ہیں اور بقیہ دوسری کتب حدیث کی روایات میں موجود ہیں۔

اسی طرح ملائکہ بھی شاہی خطابات سے نوازے جاتے ہیں۔ جیسے جبرئیل

کا خطاب امین اور روح القدس ہے اسرافیلؑ کا خطاب صاحب الصّور وغیرہ ہے۔ بہرحال عطاء خطاب و اعزازات چونکہ لوازم سلطنت میں سے ہے جس سے اعلیٰ ترین خدمت گذاروں کی حوصلہ افزائی اور توقیر مقصود ہوتی ہے اس لئے آسمانی بادشاہت میں یہ شعبہ اپنی انتہائی برتری کی شان سے قائم ہے حتیٰ کہ بعد کے اولیاء کرام بھی عطاء خطابات سے نوازے جاتے ہیں جس کا سلسلہ آجتک جاری ہے۔

میں نے بزرگان دار العلوم دیوبند سے سنا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ بانی دار العلوم دیوبند کا لقب عالم مثال میں شیخ الاسلام اور حضرت اقدس مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کا لقب شمس العلوم ہے یہ مکاشفہ حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ مہتمم اول دار العلوم دیوبند کا ہے جو میں نے اپنے متعدد اکابر سے خود سنا ہے۔

معاہدات سلطنت اور اُن کی دفعات

رعایائے شاہی عہد و میثاق

سلطنت کا اندرونی نظم مکمل ہوجانے کے بعد مستقبل کی بہبود و فلاح اور باہمی اعتماد قائم رکھنے کے لئے سلطنتیں دوسری سلطنتوں نیز خود اپنی اندرونی ریاستوں صوبوں اور رعایا کے بڑے طبقات اور افراد سے معاہدے کرنے کی خوگر ہوتی ہیں جن کا تعلق سلطنت کی داخلی اور خارجی پالیسی اور بین الاقوامی سیاست کے ساتھ ہوتا ہے۔ یہ معاہدے ضابطہ میں منضبط ہوکر اور قید تحریر میں آکر بصورت دستاویزات سرکاری خزانہ میں محفوظ کردیئے جاتے

ہیں۔ تاکہ حکومت اور ریاست ہائے حکومت نیز راعی و رعایا ایک دوسرے سے مطمئن ہو کر ملک کی ترقی میں مصروف رہیں۔

اس اصول پر آسمانی بادشاہت نے بھی رعایا کے اعلیٰ ترین طبقات اور افرادِ بنی آدم سے ایک باہمی معاہدہ کیا جو درحقیقت سلطنت کے نصب العین اور سرکاری پالیسی کو تسلیم کرانے کے بارہ میں ہوا۔ اس سرکاری معاہدہ کو حکومت کی زبان میں عہدِ اَلَسْتُ کہتے ہیں۔

رئیسِ عالم کی تمام اقوام اُن کے زعماء اور لیڈروں اُن کے سربرآوردہ اشخاص اور سرگروہوں یعنی انبیاء و اولیاء اور حکماء و فقہاء سے عہد لیا گیا ہے کہ وہ اس حکومت کو تسلیم کریں اُس کے نصب العین کو اپنا نصب العین سمجھیں اور اُس کی پالیسی کے سامنے سر جھکائیں۔ اس معاہدہ کا مسودہ اور شاہی گفتگو جو راعی و رعایا کے آمنے سامنے ہوئی ہے قرآن حکیم نے نقل فرمائی ہے۔ ارشاد ہے۔

واذ اخذ ربك من بنی آدم من ظهورهم ذریتهم واشهدهم علی انفسهم الست بربکم؟ قالوا بلیٰ۔ شهدنا ان تقولوا یوم القیمة انا کنا عن هذا غافلین او تقولوا انما اشرك آباءنا من قبل وکنا ذریة من بعدهم افتهلکنا بما فعل المبطلون؟

اور یہ کہ آپ کے رب نے اولاد آدم کی پشت سے انکی اولاد کو نکالا اور ان سے اُنہی کے متعلق اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے جواب دیا کہ کیوں نہیں ہم سب گواہ بنتے ہیں تاکہ تم لوگ قیامت کے روز یوں نہ کہنے لگو کہ ہم تو اس سے محض بے خبر تھے یا یوں کہنے لگو کہ شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد انکی نسل میں ہوئے سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر آپ ہم کو ہلاکت میں ڈالے دیتے ہیں؟۔

دفعات معاہدہ | اس آیت سے معاہدہ کی دو دفعات واضح ہوئیں جو من جانب رعایا کیا گیا ہے۔

(۱) ایک مالک الملک کی ربوبیت عامہ کا اعتراف۔

(۲) دوسرے اُس کی وحدانیت کے عقیدہ پر دل و جان سے جمنا اور جمع ہوجانا یعنی تنہا اُسی کو حاکم و آمر اور واضع قانون تسلیم کرنا۔

(۳) تیسری دفعہ ذیل کی آیت میں ہے کہ اُس کے باغیوں اور دشمنوں سے کبھی ساز باز نہ کرنا اور نہ کبھی اُس کے بارہ میں اُن کی بات ماننا۔ ارشاد حق ہے

الم اعهد اليكم يا بني آدم ان لا تعبدوا الشيطان انه لكم عدو مبين وان اعبدوني هذا صراط مستقيم۔

اے اولاد آدم کیا میں نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔ اور یہ کہ میری عبادت کرنا۔ یہ ہی سیدھا راستہ ہے۔

حاصل عہد وہی ربوبیت وہدایت عامہ کا تسلیم کرانا ہے جو اس سلطنت کا نصب العین ہے۔

بادشاہ کا عہدنامہ | اس کے ساتھ خود مالک الملک نے بھی اپنی پروردہ رعایا سے ایک عہد کیا جس کا بنیادی جزو وہ حکمۃ عملی ہے جس کو سلطنت کی پالیسی قرار دیا گیا ہے یعنی رحمۃ عامہ۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ میری طاعۃ مطلقہ کرو اور میں رحمت عامہ سے تمہاری اعانۃ و نصرت اور حمایت کروں گا۔ اور اگر بمقتضائے بشریۃ کبھی تم سے نادانستگی میں اس دفعہ کی خلاف ورزی ہوگئی تو توبہ اور اظہار پشیمانی پر میں اُسے معاف بھی کر دوں گا۔

کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ انہ من عمل منکم سوء بجھالۃ ثم تاب من بعدہ واصلح فانہ غفور رحیم۔

تمہارے رب نے مہربانی فرمانا اپنے ذمہ مقرر کرلیا ہے کہ جو شخص تم میں سے کوئی برا کام کر بیٹھے جہالت سے پھر وہ اس کے بعد توبہ کرے اور اصلاح رکھے تو اللہ تعالےٰ کی یہ شان ہے کہ وہ بڑی مغفرت کرنیوالا بڑی رحمت والا ہے

چنانچہ تخت شاہی پر اس عہد کی دستاویز لکھ کر رکھ لی گئی اور وہ بھی تخلیق عالم سے ہزاروں سال پہلے جیسا کہ حدیث گذر چکی ہے۔

اس دو طرفہ معاہدہ کو جامع ترین الفاظ میں حق تعالیٰ نے یوں واضح فرمایا ہے کہ ایک کام رعایا کے ذمہ ہے اور ایک ہماری حکومت کے ذمہ۔ رعایا کی ذمہ سمع و طاعۃ مطلقہ ہے جسے عبادت کہتے ہیں اور ہمارے ذمہ رزاقی اور رعیت کی خبر گیری ہے جسے رحمت و شفقت کہتے ہیں۔ ارشاد حق ہے۔

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون ما ارید منھم من رزق وما ارید ان یطعمون ان اللہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین۔

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں میں انسے رزق رسانی کی درخواست نہیں کرتا اور نہ یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ مجھکو کھلایا کریں اللہ خود ہی سب کو رزق پہنچانیوالا ہے قوت والا ہے نہایت قوت والا ہے۔

(۱) بہر حال اس معاہدہ میں حکومت الٰہی نے یہ وعدہ فرمایا کہ میں تمہارے رزق کا ذمہ دار ہوں۔

(۲) معاہدہ کی ایک دوسری دفعہ دوسری جگہ ارشاد فرمائی کہ تمہاری محنت رائگاں نہیں کی جائے گی اور صلہ و اجر پورا دیا جائے گا۔ ارشاد ہے۔

انی لا اضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثی بعضکم من بعض

ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین

ان الذین آمنو اوعملوا لصلحت انا لا نضیع اجر من احسن عملا۔

وکان سعیکم مشکورا

اس وجہ سے کہ میں کسی شخص کے کام کو جو کہ تم میں سے کرنیوالا ہوا کارت نہیں کرتا خواہ وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کا جز ہو

یقیناً اللہ تعالیٰ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اچھے کام کئے تو ہم ایسوں کا اجر ضائع نہیں کریں گے جو اچھی طرح کام کو کرے۔

اور تمہاری کوشش مقبول ہوئی

(۳) معاہدے کی ایک تیسری دفعہ یہ بھی تھی کہ اگر تم سرکار کے وفادار اور دوست رہے تو دنیا و آخرۃ میں غم و تشویش بھی تمہارے پاس پھٹکنے نہ پائیں گے اُن سے بھی تمہاری حفاظت کی جائے گی اور یہ وعدہ اتنا حتمی کیا جاتا ہے کہ کہیں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون الذین آمنوا وکانوا یتقون لھم البشریٰ فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الآخرۃ لا تبدیل لکلمات اللہ

آگاہ رہو کہ اللہ کے وفادار دوست (جنہوں نے عہد پورا کر دکھایا ہو) نہ اُن پر کوئی غم ہو نہ خوف وہ جنہوں نے ایمان اختیار کیا اور خدا سے ڈرتے رہے اُن کیلئے دنیا کی زندگی اور آخرۃ میں خوش خبری ہے خدا کے کلمات (یعنی کئے ہوئے عہد میں) کوئی تبدیلی نہیں۔

معاہدہ باہمی کا قول و قرار

جانبین سے جب معاہدے ہو گئے اور دفتری طور پر قلمبند بھی ہو گئے تو پھر بالاجمال ایفاء عہد کی تاکید اور یاد دہانی کی گئی مثلاً بنی اسرائیل کو خطاب ہوا تھا۔

واوفوبعهدی اوف بعهدکم وایای فارهبون

پوراکرو تم میرے عہد کو پوراکروں گا میں تمہارے عہد کو اور صرف مجھ ہی سے ڈرو۔

مسلمانوں کو الگ خطاب فرمایا۔

واوفوا بعهد الله اذا عاهدتم ولا تنقضوا الایمان بعد توکیدها وقد جعلتم الله علیکم کفیلا ان الله یعلم ما تفعلون

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اسکو اپنے ذمہ کرلو اور قسموں کو بعد ان کو مستحکم کرنیکے مت توڑو۔ اور تم اللہ تعالیٰ کو گواہ بھی بنا چکے ہو بے شک اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ کرتے ہو۔

ولا تکونوا کالتی نقضت غزلها من بعد قوة انکاثا تتخذون ایمانکم دخلا بینکم ان تکون امة هی اربی من امة انما یبلوکم الله به ولیبینن لکم یوم القیمة ما کنتم فیه تختلفون

اور تم اس عورت کے مشابہ مت بنو جس نے اپنا سوت کاتے پیچھے بوٹی بوٹی کرکے نوچ ڈالا۔ کہ تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو محض اسوجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ بس اس سے اللہ تم تمہاری آزمائش کرتا ہے۔ اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے ہو قیامت کے دن ان سبکو تمہارے سامنے ظاہر کردے گا۔

رعایا کو عہد کی یاددہانی اور تجدیدات معاہدہ

پھر انتہائی رحمت سے اس عہد یعنی اپنی ربوبیت اور ہدایت کا اعتراف صرف فطرتوں ہی میں خمیر نہیں کر دیا بلکہ اُس کے مخفی جذبہ کو اُبھارنے کے لئے ہادیوں اور نذیروں یعنی انبیاؤ رُسُل اور اُنکے نائبوں کا ایک طویل و عریض سلسلہ قائم فرما دیا جیسے سلطنتیں بذریعہ اشتہارات و اخبارات اور بواسطہ منادی ایک طے شدہ دفعہ کو شائع کیا کرتی ہیں تاکہ منشار شاہی رعایا کے گھر گھر پہونچ جائے۔ اُنہی ہادیوں اور منادی افراد کا ذکر آیات ذیل میں

فرمایا گیا جو قانون سلطنت اور معاہدات حکومت کو رعایا کے کانوں اور دلوں کی گہرائیوں تک میں پہونچانے والے ہیں - اور یہ کہ وہ پیاپے آتے رہے - ارشاد حق ہے

ولکل قوم ھاد	اور ہر قوم کے لئے ہادی ہوتے چلے آئے
ولکل امۃ رسول	اور ہر امت کے لئے ایک حکم پہنچانیوالا ہے
وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا	اور ہم سزا نہیں دیتے جبتک کسی رسول کو نہیں بھیج لیتے
وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر	اور کوئی امت ایسی نہیں ہوئی جسمیں کوئی ڈرسنانیوالا نہ گذرا ہو
ثم ارسلنا رسلنا تترا	ہم نے اپنے پیغمبروں کو یکے بعد دیگرے بھیجا -

پھر ان مقدس مبلغوں کے ساتھ عہد یاد دلانے والے عہد نامے بھی بھیجے - یعنی خدائی کتابیں آئین - قوانین اُترے اور آسمان سے ہدایتوں کا نزول ہوتا رہا -

لقد ارسلنا رسلنا بالبینٰت وانزلنا معھم الکتٰب والمیزان لیقوم الناس بالقسط -	ہمنے اپنے پیغمبروں کو کھلے کھلے احکام دیکر بھیجا اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب کو اور انصاف کرنے کو نازل کیا تاکہ لوگ اعتدال پر قائم رہیں -
کل امۃ تدعیٰ الیٰ کتابھا الیوم تجزون ما کنتم تعملون - ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق انا کنا نستنسخ ما کنتم تعملون	ہر فرقہ اپنے نامۂ اعمال کیطرف بلایا جائیگا - آج تم کو تمہارے کئے کا بدلہ ملے گا - یہ ہمارا دفتر ہے جو تمہارے مقابلہ میں ٹھیک ٹھیک بول رہا ہے ہم تمہارے اعمال کو لکھواتے جاتے تھے -

بادشاہ کی طرف سے وفاء عہد اب دنیا دیکھ لے کہ خدا نے تو اپنا عہد پورا کر دکھایا کہ رزق کی تو بارش ہے جس میں دوست دشمن کا کوئی امتیاز نہیں مغفرت ورحمت کا غلبہ ہے کہ

باوجود انتہائی معاصی ونافرمانی کے آسمان کے دروازے رزق سے بند نہیں کئے جاتے کسی کی محنت ضائع نہیں ہوتی جو محنت کرتا ہے وہ پاتا ہے حتیٰ کہ آخرت سے پہلے دنیا میں بھی اُس کے ثمرات محسوس کرنے لگتا ہے۔

رعایا کی بدعہدی اور اکثریت کا غدر

ہاں ! انسانی رعایا غور کرے کہ آیا اُس نے بھی وہ عہد پورا کیا ہے جو بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر باندھا تھا یا نہیں آیا رعایا نے بھی حسب قرارداد صرف اُسی کو حاکم و آمر مان کر نفس و شیطان اور انس و جن کے احکام سے کنارہ کشی کر لی ؟ آیا کفار و منافقین کے وعدوں سے بے اعتماد ہو کر تنہا خدا کے وعدوں پر اعتماد کیا ؟ آیا لذات فانیہ سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی طاعت وعبادت کے لئے وقف کردی ؟ اور اُس ایک سے جڑ کر اور سب سے کٹ گیا یا نہیں ؟ اس ناشکر رعایا اور اُس میں بھی طبقۂ اعلیٰ کی رعایا یعنی انسان کے ایفار عہد کا تو یہ حال ہے کہ ۔

وَلَقَدْ عَهِدْنَا إِلَىٰ آدَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا ۔

اور اس سے پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو اُن سے غفلت ہو گئی اور ہم نے اُن میں پختگی نہ پائی ۔

وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِم مِّنْ عَهْدٍ وَإِن وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ

اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا اور ہم نے اکثر لوگوں کو بے حکم ہی پایا ۔

مگر اس نقض عہد کا بالآخر وہی ثمرہ نکلتا رہا جو غداروں کے حق میں نکلا کرتا ہے کہ اُس کی حیثیت گر جاتی ہے اُس سے معاملات قطع کر لئے جاتے ہیں اور اُسے بالآخر دھتکار دیا جاتا ہے ۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا ۔

فَبِمَا نَقْضِهِم مِّيثَاقَهُمْ لَعَنَّاهُمْ وَجَعَلْنَا

تو ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے انکو اپنی رحمت سے دور کر دیا اور ہم نے ان کے

قلوبهم قاسية يحرفون الكلم عن مواضعه ونسوا حظا مما ذكروا به ولا تزال تطلع على خائنة منهم الا قليلا منهم

قلوب کو سخت کر دیا وہ لوگ کلام کو اسکے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ انکو نصیحت کیگئی تھی اس میں اپنا ایک بہت بڑا حصہ فوت کر بیٹھے اور آپکو آئے دن کسی نہ کسی خیانت کی اطلاع ہوتی رہتی ہے جو ان سے صادر ہوتی ہے۔

پس اس عہد شکنی کے بعد اگر خدائی حکومت کیطرف سے وقتاً فوقتاً ان پر عذاب بھیجے گئے اور دنیا کی سرکش اقوام پر گاہ بگاہ مصیبتیں نازل ہوئیں یا آج ہوتی ہیں تو نہ یہ اس رحمت عامہ کے منافی ہے جو سرکار کی پالیسی ہے اور نہ اس عہد کیخلاف ہے جو نصرت و حمایت کیلئے سرکار الٰہی کیطرف سے کیا گیا تھا کیونکہ قانون الٰہی کی ایک مسلمہ دفعہ یہ بھی ہے کہ اس عالم کے معاملات قانون مکافات پر رکھے جائینگے جو معاملہ ادھر سے ہوگا وہی ادھر سے ہوگا اگر ادھر سے وفاء عہد ہوگا تو ادھر سے بھی ہوگا ورنہ نہیں چنانچہ اس قانون مکافات کیطرف قرآن حکیم نے چند جگہوں میں اشارے اور تصریحات فرمائیں ارشاد حق ہے

قانون مکافات

واوفوا بعهدي اوف بعهدكم ان تنصروا الله ينصركم. فاذكروني اذكركم

پورا کرو تم میرا عہد پورا کرونگا میں تمہارا عہد۔ اگر تم اللہ کا ساتھ دو اللہ تمہارا ساتھ دے۔ مجھکو یاد کرو میں تمکو یاد کرونگا۔

پھر منفی پہلو کی بھی صراحت فرمائی کہ اگر ادھر سے نقض عہد ہوگا تو ادھر سے بھی پابندی عہد ضروری نہ ہوگی چنانچہ ارشاد ہے

وان تعودوا نعد ولن تغني عنكم فئتكم شيئا ولو كثرت وان الله مع المؤمنين

ان عدتم عدنا وجعلنا جهنم للكفرين حصيرا

اور اگر تم پھر وہی کام کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کام کرینگے اور تمہاری جمعیت تمہارے ذرا بھی کام نہ آئیگی گو کتنی زیادہ ہو اور قطعی بات یہ ہے کہ اللہ تو ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

اگر تم پھر وہی کرو گے تو ہم بھی پھر وہی کرینگے اور ہمنے جہنم کو کافروں کا جیلخانہ بنا رکھا ہے،

بہر حال آسمانی بادشاہت کے اصول انتظام کا یہ ایک اجمالی خاکہ ہے جسمیں اصولی طور پر نظام حکومت کی چند اصولی اور کلی دفعات پیش کی گئیں ہیں یہ دفعات گنتی میں تھوڑی سی ہیں مگر اپنے پھیلاؤ اور معنویت کے لحاظ سے وہ بہت وسیع اور ہمہ گیر پھیلاؤ رکھتی ہیں جنمیں سے اہم ترین دفعات حکومت کا نصب العین سرکاری پالیسی راعی و رعایا کے باہمی تعلقات عہد نامہ جات رعایا کا عہد اور وفاء عہد پر حوصلہ افزائی اور عہد شکنی پر سزا وغیرہ ہیں ان کے تحت میں تمام ملکی انتظامات کا نقشہ آجاتا ہے جو انہی اصول کی تہ سے چلتا ہے اور اس میں روشنی انہی اصول کی ہوتی ہے۔

آسمانی بادشاہت کی تربیت عامہ
اور
تصرفات ملوکی کا نقشہ

قانون شاہی اور اسکی حیثیت

لیکن ان سب اُصولی نقشوں میں سب سے اہم اور اساسی چیز جس کو حکومت کی بنیاد بلکہ جوہر حکومت کہنا چاہیے وہ قانون سلطنت ہے۔ جو حقیقتاً ملک پر حکمرانی کرتا ہے۔ رجال کار میں بھی اگر روح حکومت دوڑتی ہے تو وہ ذاتی نہیں ہوتی بلکہ قانون کی ہوتی ہے۔ اگر رجال کار کو قانون سے الگ کر کے دیکھا جائے تو اُن کی کوئی پوزیشن باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ سلطنتوں میں بڑے بڑے وزراء اُمراء عہدیدار جب ریٹائر یا پنشنر ہو جاتے ہیں تو پھر اُن کا کوئی حکم نہیں چلتا تنفیذ حقیقتاً قانون کی ہوتی ہے نہ کہ افراد کے خیالات و نظریات کی۔ بادشاہ حقیقی نے بھی اپنے ملک پر حکومت اپنے قانون کی رکھی ہے۔ یہ جدا گانہ بات ہے کہ چونکہ وہ خود قانون ساز ہے اور قانون عدل کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کا کہا ہوا اور اُس کا کیا ہوا ہو اس لئے یہاں قانون پر وہ خود حاکم ہے قانون اُسپر حاکم نہیں۔ ہاں اُس کے سوا کسی کا بھی ذاتی قول و فعل قانون نہیں جب تک کہ اُس کا استناد قانون الٰہی کی کسی دفعہ سے نہ ہو رہا ہو۔ پس اللہ بالذات حاکم

بادشاہ اور مُطاع مطلق ہے اور اُس کے سوا سب کے سب اس شرط سے مطاع ومتبوع ہیں کہ وہ اُس کے قانون پر چلیں اُس کے قانون سے بولیں اور اُس سے حجت پکڑیں یعنی بالذات اُس کے سوا کوئی حاکم ومطاع نہیں۔ اسی لئے قرآن حکیم نے مطاعیت کے ان مراتب ودرجات کو آیت ذیل سے واشگاف کردیا ہے۔

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واُولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الآخر ذلک خیر واحسن تاویلا۔

اے ایمان والو! تم اللہ کا کہنا مانو۔ اور رسول کا کہنا مانو۔ اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی۔ پھر اگر کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو تو اُس امر کو اللہ اور رسول کی طرف حوالہ کر لیا کرو۔ اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو۔ اور یہ امور سب بہتر ہیں اور ان کا انجام خوشتر ہے۔

اطاعت قانون کے تین مراتب

آیت بالا میں اطاعۃ خداوندی کے سلسلہ میں تو لفظ اللہ لایا گیا ہے جو اسم ذات ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تو بالذات اور ذاتی طور پر مطاع ہے کسی وصف کی وجہ سے نہیں کیونکہ یہاں ذات بابرکات خود سرچشمۂ اوصاف وکمالات ہے یعنی ذات کو صفاتِ کمال سے بزرگی حاصل نہیں ہوئی بلکہ صفات کمال اس لئے کمالات میں شمار ہوئیں کہ وہ اس ذات منبع برکات سے وابستہ ہیں اس لئے اللہ کی مخدومی اور مطاعی صفات کی وجہ سے نہیں بلکہ ذات کی وجہ سے ہے۔ اس کے بعد پیغمبروں کی اطاعۃ کے سلسلہ میں کسی پیغمبر حتیٰ کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسم ذات ذکر نہیں

کیا گیا اور نہیں کہا گیا کہ اطیعوا محمداً ۔ بلکہ الرسول کا لفظ لایا گیا ہے جو اس کی صاف دلیل ہے کہ انبیاء بالذات مطاع نہیں ہیں بلکہ وصف رسالۃ کی وجہ سے مطاع قرار پائے ہیں۔ یعنی بحیثیت رسول ہونے کے واجب الاطاعۃ ہیں۔ چنانچہ جس دور میں وہ وصف رسالۃ سے متصف نہیں ہوئے واجب الاطاعۃ بھی نہیں ہوتے جیسے قبل از بعثت حضور اپنی چالیس سالہ عمر میں واجب الاطاعۃ نہ تھے۔ ہاں مگر جونہی رسالت الٰہی کا عہدہ عطا ہوا آپ کی اطاعۃ فرض ہو گئی اب اگر غور کیا جائے تو اس رسالت کی اطاعۃ سے بھی اللہ ہی کی اطاعۃ مطلوب ہوئی کیونکہ رسالت اُسی کی طرف سے تو دی جاتی ہے۔ اس کے بعد نائبان نبوی کی اطاعت تو بطریق اولیٰ ذاتی طور پر نہیں کی جاسکتی کہ نبی تو معصوم بھی ہوتے ہیں یہاں عصمت بھی نہیں اور جب عصمت کے باوجود انبیاء کی بھی ذاتی اطاعۃ نہیں تو غیر انبیاء کی عدم عصمت کے ساتھ بالذات اطاعۃ کیسے ہو سکتی تھی۔ اسی لئے اُن کی اطاعۃ کے سلسلہ میں کسی نائب نبی کا نام تو کیا آتا اُن کا عرفی لقب ہی نہیں لایا گیا اور نہیں کہا گیا کہ اطیعوا علماء یا اطیعوا صوفیاء وغیرہ۔

بلکہ اولوالامر کا لفظ لایا گیا۔ جس کے معنے یہ ہیں کہ علماء ذاتی طور پر تو مطاع ہیں ہی نہیں محض عالم ہو جانے سے ہی واجب الاطاعۃ نہیں ہوتے جب تک کہ امر دین میں اولوالامر کا درجہ اختیار نہ کرلیں۔ یعنی وہ علم میں راسخ ہو کر اور علم اُن میں راسخ ہو کر دونوں ایک ذات نہ ہو جائیں اور عالم کے بجائے امیر علم نہ بن جائیں اور علم اُن پر چھا نہ جائے جس سے اُن میں علمی بصیرۃ و فراستہ اور فقہ فی الدین کی روشنی پیدا ہو جائے اور وہ اس حد پر آجائیں کہ ہر طرز و انداز

پر اور ہر نقل وحرکت پر علم آلہی کی حکمرانی اور اس کا غلبہ و استیلاء اُن میں راسخ نظر آنے لگے۔ غور کرو تو یہاں بھی اطاعۃ اللہ ہی کی نکلی کیونکہ جس امر کے وہ اولو الامر ہیں وہ امر آلہی ہی تو ہے جس کے معنی امر دین کے ہیں۔ چنانچہ احادیث میں دین کے لئے لفظ امر ہی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے من احدث فی امرنا ھذا۔ اور لا ذنی امرنا ھذا امن طلبہ۔ اور ما نجاۃ ھذ الامر وغیرہ۔ بہر حال عالم اَمرُ اللہ ہی کا ہے اس لئے امر دین کے بارہ میں جو بھی اطاعۃ ہو گی وہ بالواسطہ اللہ ہی کی ہو گی۔ اسی لئے دینی حکومت کے ذمہ دار کا لقب بادشاہ یا حاکم نہیں بلکہ خلیفہ یا امیر ہے کہ وہ نیابتہً امر آلہی کا جاری کنندہ ہے خود حاکم نہیں۔ اسی لئے قرآن نے اطاعۃ کے سلسلہ میں تو یہ تین اطاعتیں رکھیں جن کی تفصیل ذکر کی گئی لیکن حکومت کے سلسلہ میں تین حکومتیں نہیں رکھیں بلکہ صرف ایک اللہ کی کہ

ان الحکمُ الا للہ،	مگر حکم صرف اللہ کے لئے ہے
اور۔ یحکم ما یشاءُ	حکم دیتا ہے جو چاہتا ہے
اور۔ فالحکمُ للہ العلی الکبیر	حکم اللہ کیلئے ہے جو بلند و بالا بزرگتر ہے۔

بہر حال حکم کی اصل بنیاد قانون ہے اسی پر ملک چلتا ہے اور وہی سارے نظام کی رُوح ہوتی ہے۔ گویا حقیقتاً عمال حکومت حکمران نہیں ہوتے۔ بلکہ قانون حکومت کرتا ہے۔ اسی لئے ہر جھگڑے اور نزاع میں بالآخر قانون ہی کی پناہ پکڑی جاتی ہے کہ گویا اصل بادشاہ قانون ہوتا ہے۔

قانون شاہی کی انواع پس مذکورہ بالا لوازم حکومت یعنی اعلان بادشاہت۔ حلف وفاداری۔ سرکاری پالیسی اور تقسیم خدمات و مناصب اور معاہدات اور تدابیر

ملکی وغیرہ کے خاکے قائم کر دینے کے بعد جب بادشاہ کی توجہات نظم مملکت اور تدابیر ملکی کی طرف مبذول ہوتی ہیں تو سب سے پہلے شانِ حکومت کی اساس کے طور پر قانون شاہی کی ضرورت کا سوال پیدا ہوتا ہے تاکہ رعایا اُس پر چل کر امن وعافیت کی زندگی بسر کرے اور پھر اُسی قانون کی رو سے اُس پر مواخذۂ وگرفت اور اعزاز وتعزیر کا معاملہ کیا جا سکے۔ نیز سرکاری عُمّال کے مراتب ودرجات کے ترقی وتنزل کا معیار بھی وہی قانون ہو۔ ظاہر ہے کہ جب اس خدائی قلمرو کی علیٰحدہ علیٰحدہ بے شمار انواع پر مشتمل تھی اور ہر ایک نوع کی رفتار زندگی اور میلانات طبعی الگ الگ اور اُن کے اندرونی تقاضے جدا جدا تھے اس لئے سوائے اس ایک مشترکہ قانون کے کہ ہر نوع اُسی ایک کی بادشاہی کو تسلیم کرے اور اُسی کی وفادار رہے باقی ہر ہر نوع کے لئے قانون عمل جدا جدا درکار تھا جس طرح سے کہ طویل وعریض مملکتوں میں جو بہت سی اقوام اور بہت سے صوبوں اور علاقوں پر مشتمل ہوتی ہیں ہر صوبہ اور خطہ کا قانون الگ الگ اور اور اُن کی مرز وبوم کے تقاضوں کے اختلاف سے ہر ہر علاقہ کا دستور العمل جداگانہ ہوتا ہے البتہ قدر مشترک کے طور پر یہ چیز سب صوبوں میں قانونی طور پر لازم رہتی ہے کہ سب کے سب مرکز کے تابع رہیں۔

عالم خلق اور عالم امر

قانون طبائع | اس اُصول پر ایک تو قانون طبائع تجویز ہوا جو انسان غیر انسان سب کے لئے یکساں طور پر وضع فرمایا گیا جس میں قولی امر ونہی نہیں بلکہ خلقی امر ونہی

ہر جماد و نبات اور ہر حیوان و انسان کی جبلت میں اُس کی صورت نوعیہ کے مناسب حال ڈال دیا گیا جس سے نہ وہ نوع انحراف کر سکتی ہے نہ قانون شکنی پر قادر ہے درندوں کے لئے گوشت خوری اور بھٹ سازی چرندوں کے لئے گھاس خوری اور آخور سازی اور پرندوں کے لئے دانہ خوری اور گھونسلہ سازی کے دواعی اُن کی سرشت میں اس طرح پیوست کر دئے گئے ہیں کہ اس تکوینی اور فعلی امر کے بعد کسی قولی اور تفہیمی امر کی ضرورت نہیں رہی کہ نہ اُن کی طبائع بدل سکتی ہیں اور نہ طبائع کے یہ تقاضے تبدیل ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ پیدا ہوتے ہی ایک جانور کا بچہ بلا تعلیم و تفہیم وہی کچھ کرنے لگتا ہے جو اُس کے دوسرے ابنائے نوع کرتے ہوتے ہیں۔ پس یہ تکوینی طور پر ایک ربانی ہدایت و رہنمائی ہے جو کائنات کی طبائع پر بالہام الٰہی اُترتی ہے اور اُس کے ماتحت تمام حیوانات نباتات اور جمادات اپنے اپنے طبعی ڈھنگ پر زندگی بسر کر رہی ہیں ارشاد ربانی ہے۔

ربنا الذی اعطی کل شئٍ خلقہ ثم ھدیٰ	ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب بناوٹ عطا فرمائی پھر رہنمائی فرمائی۔

اسی وطیرہ پر دنیا کی ہر نوع کو اور اُس کے نوعی اُمور طبعیہ کو قیاس کر لینا چاہئے۔ مثلاً جانوروں پر یہ الہام طبعی رنگ میں ہوتا ہے اور اُن پر تکوینی وحی آتی ہے۔ جس کو وہ خلقتہً سمجھ لیتے ہیں اور اُنھیں کسی کتاب یا معلّم کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شہد کی مکھی کو چھتہ بنانے اور شہد نکالنے کا الہام طبعی فرمایا گیا جو اُس کے لئے نوعی قانون ہے۔ فرمایا گیا۔

واوحی ربک الی النحل ان اتخذی من الجبال بیوتا ومن الشجر ومما یعرشون ثم کلی من کل الثمرات فاسلکی سبل ربک ذللا یخرج من بطونھا شراب مختلف الوانہ فیہ شفاء للناس۔ ان فی ذالک لآیات لقوم یتفکرون	اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو پہاڑوں میں گھر بنالے اور درختوں میں اور لوگ جو عمارتیں بناتے ہیں اُن میں۔ پھر ہر قسم کے پھلوں سے چوستی پھر۔ پھر اپنے رب کے رستوں میں چل جو آسان ہیں۔ اس کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے جسکی رنگتیں مختلف ہوتی ہیں کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ اس میں ان لوگوں کیلئے بڑی دلیل ہے جو سوچتے ہیں۔

یا مثلاً پہاڑوں کو اُن کے مناسب حال تکوینی خطاب کے ساتھ قانون ارشاد ہوا۔

یاجبال اوبی معہ والطیر	اے پہاڑو داؤد کیساتھ بار بار تسبیح کرو اور پرندوں کو بھی حکم دیا۔

یا مثلاً زمین و آسمان کو اُن کے مناسب شان الہام ہوا۔

یاارض ابلعی ماءک ویاسماء اقلعی وغیض الماء وقضی الامر	اے زمین اپنا پانی نگل جا۔ اور اے آسمان تھم جا اور پانی گھٹ گیا اور قصہ ختم ہوا۔

یا مثلاً ابتدار آفرینش کے وقت آسمان و زمین کو اُن کے مناسب حال ندا دی گئی اور انہوں نے امر آلہی پر لبیک کہا۔

ثم استوی الی السماء وھی دخان فقال لھا وللارض ائتیا طوعا او کرھا قالتا اتینا طائعین	پھر آسمان کی طرف توجہ فرمائی۔ اور وہ دُھواں سا تھا۔ سو اس سے اور زمین سے فرمایا تم دونوں خوشی سے آؤ یا زبردستی سے دونوں نے عرض کیا کہ ہم خوشی سے حاضر ہیں۔

بہر حال ہر نوع کو اُس کے مناسب طبع الہام ربانی ہوا جس میں تشریع کے الفاظ و کلمات نہ تھے بلکہ تکوین کی خاموش زبان تھی۔ یعنی اُن کی جبلتوں کو فعلی و عملی آواز دی گئی گویا اُسی انداز پر انہیں بتا دیا گیا جس کو اُن کی طبیعتوں نے سُنا اور تعمیل شروع کر دی۔

قانونِ شریعت | لیکن انسان کو طبیعت کے علاوہ عقل کا جوہر بھی عطا ہوا تھا۔ جو اُس کی طبع بشری سے بالاتر اور مافوق تھا اس لئے عام حیوانات کی طرح اسپر محض اس کی طبیعت تنہا حکمرانی نہیں کر سکتی تھی جب تک کہ عقل سے صلاح نہ لیلے۔ اور عقل اُس کے کھرے اور کھوٹے کو واضح نہ کر دے۔ ورنہ انسان اور حیوان میں کوئی فرق و امتیاز باقی نہ رہتا کہ محض طبعی اشاروں پر چلنا اُسی جاندار کا کام ہو سکتا ہے جس میں عقل کا پتہ نہ ہو اور اس لئے اُسے اپنی طبیعت کو عقل کا پابند بنانے کا مکلف بھی نہیں ٹھیرایا جا سکتا تھا پس انسان اگر ایک حد تک طبیعت کا محکوم ہو گا تو اُس کی طبیعت اُس کی عقل کی محکوم ہو گی اس لئے حقیقتاً انسان وہی ہو گا جس کی طبیعت اُس کی عقل کے زیر اثر کام کرے گی لیکن جس طرح طبع بشری سے عقل انسانی بالاتر ہونے کی وجہ سے طبیعت پر حاکم بنائی گئی ہے اسی طرح انسان میں عقل سے بالاتر بھی ایک جوہر ہے جسے وجدان باطنی اور روحانیت کہتے ہیں جس کی وجہ سے اُس کا تعلق اُس عالمِ غیب سے بھی قائم ہے جو محسوسات سے وراء اور بالاتر ہے اور جہاں حقائق غیبیہ کی گرم بازاری ہے ظاہر ہے کہ ان ورائے عقل مغیبات تک عقل کی رسائی نہیں ہو سکتی کیونکہ عقل صرف محسوسات کے دائرہ میں کام کر سکتی ہے۔

حقائق غیب عرش و کرسی لوح و قلم جنتہ و نار اور جن و ملک وغیرہ کے علوم و معارف تک اس کی دوڑ سر سے سے کام نہیں دیتی بلکہ غور کرو تو مادیات اور محسوسات کی حقائق میں بھی عقل مستقل بالادراک نہیں جو خاص اُس کے عمل کا میدان ہے جب تک کہ علم الٰہی اور انکشافات غیب اس کی امداد نہ کریں۔ اس لئے یہ بے بس عقل بھی طبع بشری کی طرح انسان پر من کل الوجوہ حکمرانی نہیں کر سکتی جب تک کہ اُسے راہ دکھلانے والا اور سجل کرنے والا غیبی علم اُسکے سر پر موجود نہ ہو جسے علم شرائع کہتے ہیں پس انسان طبع محض کا محکوم تو یوں نہ ہوا کہ وہ عقل کے بغیر ناکارہ ہے اور عقل محض کا محکوم یوں نہ ہوا کہ وہ بغیر علم کے بے کار ہے اس لئے یہ نتیجہ صاف نکل آیا کہ انسان کے لئے نہ قانون طبائع کافی اور نہ قانون عقل بلکہ ان دونوں کی رہنمائی کے لئے قانون وحی کی ضرورت تھی جسے قانون شریعت کہتے ہیں اس لئے آسمانی بادشاہت کی طرف سے انسانی نوع میں نبوۃ کا سلسلہ جاری کر کے اُس کے لئے تشریعی امر و نہی کا قانون ہی اُتار اگیا اور عالم خلق کو عالم امر سے نواز اگیا۔ جس کو قرآن حکیم نے اس طرح واشگاف فرمایا ہے۔

اللہ الذی خلق سبع سمٰوات ومن الارض مثلھن یتنزل الامر بینھن لتعلموا ان اللہ علی کل شئ قدیر و ان اللہ قد احاط بکل شئ علما۔	اللہ ایسا ہے جس نے سات آسمان پیدا کئے اور انہی کی طرح زمین بھی۔ ان سب میں احکام نازل ہوتے رہتے ہیں تاکہ تم کو معلوم ہو جاوے کہ اللہ تعالیٰ ہر شئے پر قادر ہے اور اللہ ہر چیز کو احاطۂ علمی میں لئے ہوئے ہے۔

بہرحال اس آسمانی نظم میں دو قانون رائج ہیں۔ ایک قانون طبیعت جو تکوین الٰہی کے ماتحت ہے اور ایک قانون شریعت جو تشریع الٰہی کے ماتحت ہے۔ پہلا قانون ساری کائنات کے لئے ہے مگر باختلاف انواع متفاوت ہے اور دوسرا قانون صرف بنی نوع انسان اور جنات کے لئے ہے جن میں فہم و خطاب کی صلاحیت رکھی گئی ہے مگر بتفاوت اقوام متفاوت ہے۔ یعنی اس قانون شرعی میں فروع و احکام کی حد تک حسب مزاج اقوام اور حسب احوال عالم تغیر و تبدل بھی ہوتا رہا ہے مگر اصول و کلیات از اول تا آخر یکساں رہے ہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

نحن معاشر الانبیاء ابونا واحد وامھاتنا شتّٰی

ہم انبیاء کی جماعت کا باپ (دین) تو ایک ہے مگر مائیں (شریعتیں) کئی ہیں۔

لیکن بہرحال جس طرح عالم خلق کی بھی ایک تکمیل اور انتہا تھی ایسے ہی عالم امر کے ماتحت شرائع کی بھی تکمیل و انتہاء کا ایک وقت تھا کہ اس کے بعد شرائع نہ بلکہ آخری شریعت کافی ہو جائے جو ہر نہج سے مکمل اور مختتم ہو چنانچہ آخری شریعت اسلام کے نام سے دنیا کے ان آخری قرون میں بھیجدی گئی اور اس کے بعد نبوۃ اور جدید شریعت کا دروازہ اس لئے بند کر دیا گیا کہ یہ آخری اور مکمل شریعت آخری دورۂ دنیا تک کے انسانوں کے لئے کافی تھی اس کی تفصیل آئندہ ابواب میں آتی ہے۔

شاہی کونسل

قانون کی ترتیب و تدوین کے بعد اس کے دقائق کھولنے اور باہمی بحث سے منشاء خداوندی کو بروئے کار لاکر رعایا میں اسے پھیلانے اور چلانے

کے لئے ایک مجلس اعیان یا دار الخواص ترتیب دی جاتی ہے جسے شاہی پارلیمنٹ کہتے ہیں سو ربانی حکومت نے جو شاہی پارلیمنٹ ترتیب دی ہے اُس میں ملائکہ مقربین اور انبیاء علیہم السلام اور اُن کے کامل ورثہ کی ارواح مقدسہ بطور سرکاری پارلیمنٹ کام کرتی ہیں کائنات کے مہم مسائل اولاً اسی مجلس میں لائے جاتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی ہمت باطنی سے انھیں آگے بڑھائیں ظاہر ہے کہ اس سے شان حکومت کے لوازم کا اظہار اور مخلوق کے لئے نمونہ عمل قائم کرنا مقصود ہے۔ ورنہ حق تعالیٰ اس سے بری اور غنی ہیں کہ کوئی انھیں مشورہ دے یا اُن کا ہاتھ بٹائے۔ پس جیسے اس عالم شاہد میں اُس کی قدرت بذیل اسباب ظاہرہ نمایاں ہوتی ہے ایسے ہی عالم غیب میں اُس کی قدرت وحکومت بذیل اسباب باطنہ تحقق پذیر ہوتی ہے۔ پس یہ مجلس اعیان ملکی انتظامات کا ایک آئینی لازمہ ہے جس کا نام سرکاری زبان میں مَلَاِءِ اَعْلٰے ہے۔ اس مجلس پر شاہی پالیسی اور سلطنت کے بہت سے مخفی راز آشکارا کئے جاتے ہیں۔ مثلاً کس قوم پر عنایت ولطف متوجہ کیا جائے؟ اور کس پہ قہر وخذلان؟ کسے سربلند کیا جائے اور کسے پست اور سرنگوں۔ پس جو بھی مقدر ہوتا ہے اسی کے مطابق ملاء اعلیٰ حرکت کرتا ہے اور عالم میں وہی واقعات رونما ہونے لگتے ہیں۔ جو منشاء الٰہی ہوتے ہیں۔ قرآن نے اسی مجلس (ملاء اعلیٰ) کے بارہ میں فرمایا

مَا كَانَ لِيَ مِنْ عِلْمٍ بِالْمَلَاِ الْاَعْلٰى اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ اِنْ يُّوْحٰى اِلَيَّ اِلَّآ اَنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔

مجھ کو عالم بالا کی کچھ خبر بھی نہ تھی جب کہ وہ گفتگو کر رہے تھے۔ میرے پاس وحی محض اس سبب سے آتی ہو کہ میں صاف صاف ڈرانے والا ہوں۔

اثبات رسالۃ کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ کا علم مجھے مشاہدہ سے نہیں نقل وروایت کتب سابقہ سے نہیں کہ میں پڑھا ہوا نہیں تو پھر بجز اس کے کہ مجھ پر بذریعہ وحی والہام اُمور غیب منکشف ہوتے ہیں۔ اور کیا کہو گے؟ اور غیبی معلومات بغیر رسالت ونبوۃ کے حاصل نہیں ہوتے اس لئے تم میری رسالت سے انکار کیسے کر سکتے ہو۔

مباحث ملکی | ملاء اعلیٰ کی بحث وتمحیص کو جو فطرۃً کونسلوں اور ورکنگ کمیٹیوں میں ہوتی ہے اختصام سے تعبیر کیا گیا ہے یہ اختصام صورتاً ہے جیسا کہ ملاء اعلےٰ کے ارکان حق تعالیٰ سے مسئلہ خلافت میں گفتگو کر رہے تھے کہ یہ خلافت اُنہیں کیوں نہ مل جائے اور اس کی وجوہات ودلائل بیان کی جارہی تھیں ورنہ بلحاظ حقیقت نفاذ پذیر صرف منشار خداوندی ہوتا ہے۔ نہ اس میں کسی کا مشورہ شامل ہوتا ہے نہ اُسے کسی کی فکری یا عملی اعانت کی ضرورت وحاجت ہے۔ یہ بھی بدرجۂ حقیقت ارکان ملاء اعلیٰ کی معنوی تربیت ہے کہ قدرت نے جو کچھ اُنکے باطن میں ودیعت کیا ہے اُسے بروئے کار لانے کے لئے یہ مجلسی اختصام اُن کے حق میں ایک ذریعہ بنا دیا ہے ہاں چونکہ یہ ارکان مقربین خاص اور مقدسین ہیں اس لئے اُن کے قلوب والسنہ پر حق کے سوا کوئی بات جاری نہیں ہو سکتی اس لئے یہ مشورہ بھی حق ہی ہوتا ہے جو حق کے سامنے آتا ہے پس ان کا مشورہ من اللہ اور الی اللہ ہے اس لئے محض صورت مشورہ ہے ورنہ حقیقتاً الہام الٰہی ہے جو اُن کے قلوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ اسی لئے اس ملاء اعلیٰ کا دوسری جگہ اس حیثیت سے ذکر فرمایا گیا ہے کہ وہ نہایت محفوظ مجلس ہے جس کے ارکان پر

کسی کا زور اور دباؤ نہیں چل سکتا اور دشمن تو اُس کے پاس بھی نہیں پھٹک سکتے۔
چہ جائیکہ اُن کو عطبکا سکیں۔ ارشاد ربانی ہے۔

انا زینا السماء الدنیا بزینۃ الکواکب وحفظا من کل شیطان مارد لا یسمعون الی الملاء الاعلی ویقذفون من کل جانب دحورا ولھم عذاب واصب الا من خطف الخطفۃ فاتبعہ شہاب ثاقب۔

ہم نے رونق دی ہے اس طرف والے آسمان کو ایک عجیب آرائش یعنی ستاروں کے ساتھ اور حفاظت بھی کی ہے شریر شیطان سے۔ وہ شیاطین عالم بالا کیطرف کان بھی نہیں لگا سکتے۔ اور ہر طرف سے مار کر دھکے دیدیے جاتے ہیں۔ اور اُن کے لئے دائمی عذاب ہوگا۔ مگر جو شیطان کچھ خبر لے ہی بھاگا تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اسکے پیچھے لگ لیتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ملاء اعلیٰ ملکی انتظامات کی مجلس ہے جہاں امور تکوینیہ کی خبریں زبانوں پر آتی ہیں اور اُنھیں رازوں کے اُڑانے کے لئے غنیم کے جاسوس (یعنی ابلیس کی ذریتہ (شیاطین) وہاں پہنچنے کی سعی کرتے ہیں مگر ناکام رہتے ہیں۔ کیونکہ اول تو استماع ہی نہیں کر سکتے اور اگر اس کی کچھ کوشش بھی کرتے ہیں تو ہر طرف سے مار کر بھگا دئے جاتے ہیں اور انھیں چہار طرف سے دھکے مل جاتے ہیں اور اس پر بھی اگر کچھ سُن بھاگے تو ایک دہکتا ہوا شعلہ اُن کے پیچھے لگ لیتا ہے جو اُنھیں جلا کر بھسم کر دیتا ہے اس لئے شیاطین کے ہاتھ میں بجز افتراء و بہتان اور اغواء و تسویل اور کچھ نہیں رہتا اس لئے وہ حکومت الٰہی کے خلاف صرف انھیں اکاذیب کا پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں نہ کہ کسی امر حق کا۔

شاہی پرائیویٹ سکرٹری اور واسطہ حکومت | ملکی انتظامات کے سلسلہ میں جب کہ باب

حکومت میں اطراف ملک کے معاملات پیش ہوتے ہیں تو سلاطین اپنے لئے ایک پرائیویٹ سکریٹری منتخب کرتے ہیں جو بادشاہ اور وزراء کے درمیان واسطۂ کتاب وخطاب ہوتا ہے جس سے اوّل بادشاہ ہم کلام ہوتا ہے اور پھر اُس کے واسطہ سے دوسروں تک شاہی فرامین پہنچتے ہیں اگرچہ وزراء مرتبہ میں اُس سے کہیں زیادہ بلند ہوتے ہیں مگر وہ ہر وقت کا حاضر باش اور منشاء شاہی کا امین اور معتمد خاص ہوتا ہے۔ بادشاہ حقیقی نے بھی ملاءِ اعلیٰ کے ارکان میں سے اس سلسلہ کا ایک شاہی معتمد یا حاجب اور آج کی اصطلاح میں گویا پرائیویٹ سکریٹری حضرت جبرئیل علیہ السلام کو مقرر فرما کر انھیں امین کا خطاب عطا فرمایا ہے۔ یہی ناموس اعظم مالک الملک اور وزراءِ سلطنت (انبیاء علیہم السلام) کے درمیان واسطۂ نقل وخبر ہے اور اس لئے وہ ہر وقت تخت شاہی کے پاس مقیم اور حاضر باش رہتا ہے۔ ارشاد حق ہے۔

انہ لقول رسول کریم ذی قوۃ عند ذی العرش مکین مطاع ثم امین۔	یہ قرآن کلام ہے ایک معزز فرشتے کا لایا ہوا جو قوت والا ہے مالک عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے۔ وہاں اس کا کہنا مانا جاتا ہے امانت دار ہے۔

احادیث میں اس کی مزید تفصیلات بھی ارشاد فرمائی گئی ہیں جن سے واضح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نہ صرف نوع بشر بلکہ خود ملائکہ علیہم السلام کے درمیان میں بھی واسطۂ حکومت واحکام ہیں۔ مثلاً حدیث ذیل میں فرمایا گیا۔

عن النواس بن سمعان قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	نواس بن سمعان فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ ارادہ فرماتا ہے کسی امر کی

اذا اراد اللہ تبارک وتعالیٰ اَن
یُوحِیَ بامرہ تکلم بالوحی فاذا
تکلم اخذت السمٰوات منہ
رجفۃ او قال رعدۃ شدیدۃ
من خوف اللہ عزّ وجل فاذا
سَمِعَ بذٰلک اھل السموات
صعقوا وخرّوا للہ سُجّداً فیکون
اول من یرفع رأسہ جبرئیل
علیہ السلام فیکلمہ اللہ من وحیہ
بما اراد فیمضی بہ جبرئیل
علی الملائکۃ کلما مر بسماء
سماء یسئلہ ملائکتھا ماذا قال
ربّنا یا جبرئیل فیقول علیہ
السلام قال الحق وھو العلی
الکبیر فیقولون کلھم مثل ما
قال جبرئیل فینتھی جبرئیل
بالوحی الی حیث امرہ اللہ
تعالیٰ من السماء والارض۔
(وکذا رواہ ابن جریر وابن حبد سالع صـ۲۹)

وحی کرنے کا تو اُس وحی کا تکلم فرماتا ہے اور جب
تکلم فرماتا ہے تو اُس کی ہیبت وعظمت سے آسمانوں
میں لرزہ پڑجاتا ہے۔ پس جب اُسے آسمان والے
سُنتے ہیں تو خوفزدہ ہوکر گھبرا اُٹھتے ہیں اور اللہ کے
لئے سجدے میں جا پڑتے ہیں۔ پس اُن میں جو سب سے
پہلے سر اُٹھاتا ہے وہ جبریل علیہ السّلام ہوتے ہیں تو اللہ
تعالیٰ ان سے اپنی وحی کی مراد ظاہر فرماتا ہے۔ اُسے
لے کر جبرئیل ملائکہ کی طرف چلتے ہیں جس جس آسمان
پر گذرتے جاتے ہیں تو اُس آسمان
کے ملائکہ پوچھتے ہیں کہ اے جبرئیل!
ہمارے پروردگار نے کیا فرمایا؟
جبریل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ
اُس نے حق فرمایا۔ اور وہ ذات
بلند و بالا اور بزرگ تر ہے تو
سارے ملائکہ جبرئیل ہی کا کہا ہوا
کہنے لگتے ہیں یہانتک کہ جبریل اس
وحی کو لیکر وہاں تک پہنچ جاتے ہیں
جہاں اللہ نے آسمان یا زمین میں اس
وحی کو پہنچانے کا ارادہ فرمایا تھا۔

تخت بردار اور خدمہ دربار سے معلومات عامہ

یہ وہ وحی ہے جو قانون شاہی اور اوامر کے سلسلہ میں ہے باقی قوانین کے علاوہ شاہی گفتگو جو نجی طور پر ہوتی ہے بعض دفعہ خدمہ اور آس پاس کے خدام بھی سن لیتے ہیں اور عموماً قلعہ کے لوگوں کو تلاش رہتی ہے کہ فلاں معاملہ میں کیا ہوا اور فلاں کا معاملہ کیسا رہا؟ اور کس طرح ہوگا؟ تو ان خدمہ کے ذریعہ بھی بعض اوقات باتیں نکلتی ہیں اور پھیل جاتی ہیں۔ اور بادشاہ کو بھی ان کے نکل جانے کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ چنانچہ زمینی مخلوق کی موت وحیاۃ یا رزق و افلاس یا صحت و مرض وغیرہ کے متعلق جو نجی پالیسی ہوتی ہے اور شاہی تخت سے اس کے متعلق کچھ خبریں چلتی ہیں تو عامۂ ملائکہ حملۂ عرش سے پوچھتے ہیں کہ کہو فلاں کے معاملہ میں کیا بات طے رہی؟ وہ بتلاتے ہیں کہ یہ طے ہوا ہے چنانچہ حدیث ابن عباس میں ہے۔

قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جالسا فی نفر من اصحابہ قال عبد الرزاق من الانصار فرمی بنجم فاستنار فقال علیہ السلام ما کنتم تقولون اذا کان مثل ھذا فی الجاھلیۃ؟ قالوا کنا نقول یولد عظیم او یموت عظیم قلت للزھری اکان یرمی بھا فی الجاھلیۃ؟ قال نعم ولکن

ابن عباس نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چند صحابہ کی جماعت میں تشریف فرما تھے۔ عبد الرزاق نے کہا انصار میں سے کہ (زمانۂ نبوی میں) ایک ستارہ ٹوٹا اور اک دم روشنی پھیل گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمانہ جاہلیۃ میں جب ایسا ہوتا تھا تو تم کیا کہا کرتے تھے۔ لوگوں نے عرض کیا کہ ہم کہتے تھے کہ یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوگا یا مریگا راوی کہتا ہے کہ میں نے درمیان روایت ہی میں زہری سے پوچھا کہ کیا زمانہ جاہلیۃ میں بھی ستارے ٹوٹتے تھے؟

غلظت حین بعث النبی صلی اللّٰہ
علیہ وسلم قال فقال رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فانھا لا
یرمٰی بھا لموت احد ولا لحیاتہ
ولکن ربنا تبارک وتعالیٰ اذا قضٰی
امراً سبح حملۃ العرش ثُمَّ
سبح اھل السماء الَّذین یلونھم
حتی یبلغ التسبیح الی السماء الدنیا
ثم یستخبر اھل السماء الذین
یلون حملۃ العرش فیقولون
الَّذین یلون حملۃ العرش لحملۃ
العرش ماذا قال ربکم فیخبرونھم
ویخبر اھل کل سماء سماءً
حتی ینقضی الخبر الی ھذہ
السماء

خبروں کے چور اور جاسوس اور اُن کی درگت

فتخطف
الجن السمع فیرمون فما جاء
بہ علی وجھہ فھو حق ولکنھم یقرفون
فیہ ویزیدون رواہ احمد (ابن کثیر جلد سابع ص۳)

اُنھوں نے کہا ہاں! لیکن جب سے حضور مبعوث ہوئے
ہیں جب سے بڑھ گئے۔ پھر زہری نے کہا کہ فرمایا رسول
اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نے کہ یہ شہاب ثاقب (ٹوٹنے
والے ستارے) نہ تو کسیکی موت وحیاۃ کی وجہ سے ٹوٹتے ہیں
نہ کسیکی حیاۃ کیوجہ سے لیکن (اسکی حقیقت یہ ہے) ہمارا
پروردگار تبارک وتعالیٰ جب کسی بات کا حکم فرماتا ہے
تو حاملانِ عرش سب کے سب تسبیح میں لگ جاتے ہیں
پھر اُس آسمان کے ملائکہ تسبیح میں لگتے ہیں جو حاملان
عرش سے متصل ہیں۔ یہانتک کہ شدہ شدہ یہ تسبیح آسمان
دنیا تک پہنچ جاتی ہو۔ پھر یہ عرش والوں سے متصل کے فرشتے
اُن سے پوچھ گچھ کرتے ہیں کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا؟ تو وہ
انھیں تبلا دیتے ہیں اور پھر ہر آسمان والے اپنے سے متصل
آسمان والوں کو تبلاتے ہیں تا آنکہ یہ خبر گشت کرتی ہوئی
اس نچلے آسمان تک آجاتی ہے اور شیاطین اُسکے در ودیوار
کے آس پاس لگ کر کوئی ایک آدھ بات اُچک لیجاتے
ہیں تو پیچھے سے یہ دہکتا ہوا ستارہ اُنکو پھینک مارا جاتا ہے تو بچ
بچا کر جو شیطان زمین تک آجاتا ہے وہ ٹھیک ٹھیک نقل نہیں
کرتا۔ جتنا لاتا ہے وہ تو حق ہوتا ہے مگر وہ اس میں فرق
ڈالدیتے ہیں اور اپنی طرف سے اضافہ کر دیتے ہیں۔

اخبار تکوین و تشریع کا فرق

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اخبار خداوندی میں شیاطین کے اکاذیب کا اختلاط جب ممکن ہے تو آسمانی قانون پر اعتماد ہی کیا رہا۔

جواب یہ ہے کہ قانون شریعت اور امور تکوینیہ کے فرق کو ملحوظ رکھا جائے قانون شریعت کی چیزیں تو بذریعہ جبریل شائع کی جاتی ہیں اور تکوینی اُمور حملۂ عرش اور خُدام مقربین کے ذریعہ ہی شائع ہو جاتے ہیں جیسا کہ ابھی زیر عنوان "تخت بردار اور خدمۂ دربار سے معلومات عامہ" اس کی واضح تفصیل گذر چکی ہے اسی لئے پہلی روایت میں جو بظاہر قانون حکومت کے متعلق معلوم ہوتی ہے۔ اسلئے اللہ ان یوحی بامرہ تکلم بالوحی کے الفاظ ہیں جو عموماً اقوال و احکام کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور اس دوسری روایت میں جو بظاہر تکوینی امور کے سلسلہ میں ہے اذا قضی امرًا کے الفاظ ہیں جو عموماً افعال اور کاروبار کے سلسلہ میں بولے جاتے ہیں۔ پس دونوں حدیثوں میں اس تعارض کا شبہ نہیں ہو سکتا کہ ایک میں اشاعۃ ذریعہ جبریل کو ظاہر کیا گیا ہے اور ایک میں حملۂ عرش کو

نیز اس دوسری حدیث میں جس سے تکوینی اُمور اور افعال الٰہیہ پر روشنی پڑتی ہے شیاطین کے استراق سمع یعنی بات اُچک لینے کی گنجائش ظاہر کی گئی ہے مگر پہلی حدیث میں جو تشریعی اُمور اور احکام شرعیہ سے متعلق ہے کسی درمیانی خیانت کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ یہ پہلی حدیث وحی شرعی کو ثابت کر رہی ہے۔ اور اس وحی میں شیطان کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا وہ اللہ سے چلتی ہے جبریل امین پر آتی ہے اور پھر اُن کے واسطہ سے براہ راست محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ جاتی ہے۔ پس درمیان میں امانتوں اور احتیاطوں کا ایک مستقل نشان

سلسلہ قائم ہے جسمیں سے بات کا نکلجانا یا مخلوط ہوجانا محال ہے اور اس دوسری وحی سے جو تکوینی ہے خدام اور قلعہ کے نوکر چاکر بھی مستفید ہوجاتے ہیں اور بات پھیلجاتی ہے حتیٰ کہ شیاطین اور اُن کے معتقد یعنی کاہن، جادوگر، شعبدہ باز اور دجّال و کذاب وغیرہ تک بھی جا پہنچتی ہے۔ یہ افشاء تکوینی حیثیت سے مُضر نہیں پڑتا کیونکہ اس سے زیادہ سے زیادہ کچھ بد استعداد لوگ ساحروں کے کہے میں آکر کافر ہو سکتے ہیں یا کفر پر باقی رہ سکتے ہیں سو تکوینیاً اس کارخانۂ عالم میں کفر کا باقی رکھاجانا بھی حکومت آلٰہی کی پالیسی ہے تاکہ ایمانداروں کی ایمانی قوتیں کفر کو مقابلہ سے کھلتی رہیں اور کفر کی بے حجتی نمایاں ہوتی رہے بلاشبہ اسکی مثال سیاسی حلقوں کی وہ خبریں ہیں جو سکریٹری ایٹ کے دفاتر سے چلتی ہیں اور پھیلجاتی ہیں، جن سے لوگ اچھے بڑے نتائج نکالکر رائے قایم کرلیتے ہیں۔ اور گورمنٹ بھی اُسپر کچھ زیادہ پابندیاں عائد نہیں کرتی۔ ہاں وقت ضرورت صرف یہ ظاہر کردیتی ہے کہ اُنپر اعتبار نہ کیا جائے اور قیاس آرائیوں کے ذریعہ اُنسے نکالے ہوئے نتائج کو بنیاد نہ ٹھیرا لیا جائے۔ لیکن کلیتہً اسکا سد باب کردینا بھی ضروری نہیں سمجھتی۔ کیونکہ ان خبروں کا تعلق زیادہ تر روزمرہ کے جزئی واقعات سے ہوتا ہے سرکاری احکام اور قوانین سے نہیں ہوتا۔ لیکن جہانتک قانون اور حکومتی پالیسی یا سرکاری مقاصد کا تعلق ہے اُنمیں حکومت انتہائی احتیاط کرتی ہے۔ چنانچہ سرکاری اور اُصولی معاملات میں فوراً افواہوں کی تردید کردیجاتی ہے اور سرکاری بیان شائع کردیا جاتا ہے۔

بہرحال جسطرح فطرۃ بشری کے نزدیک سرکاری معاملات یا قانونی اُمور اور جزئی حوادث میں فرق ہے کہ ایک میں سرکاری بیان کا انتظار کیا جاتا ہے

اور ایک میں سُنی سُنائی باتوں سے بھی قیاس آرائی کی گنجائش نکال لیجاتی ہے ایسے
ہی سرکار الٰہی میں تکوینی حوادث اور تشریعی احکام میں فرق رکھا گیا ہے تکوین کے جزئی
حوادث جیسے زید کی پیدائش یا موت کسیکا فقر و فاقہ یا تمول کسیکی غربت و امارت وغیرہ
کے حادثے دوست دشمن مطیع اور باغی سب پر حسب حیثیت منکشف ہو سکتے ہیں انہیں
مختلف فنون کے قواعد سے بھی لوگ قیاس آرائی کر سکتے ہیں عقلی گھوڑے بھی
دوڑا سکتے ہیں شیاطین کے ذریعہ بھی کچھ اُلٹی سیدھی باتیں نکال لیجاتی ہیں حتی کہ غیر
مسلموں کی بھی بعض پیشینگوئیاں چلجاتی ہیں گو حجۃ نہیں ہوتیں۔ خواب و خیال کے
راستہ سے بھی کچھ اُمور کا ادراک ہو جاتا ہے لیکن شرعی اُمور میں جیسے قانونی احکام
و معاملات کا تعلق ہے اس قسم کی قیاس آرائی ہرگز معتبر نہیں ہو سکتی بلکہ انہیں صرف
سرکاری بیان کا انتظار کیا جاتا ہے جو وحی الٰہی اور الہام ربانی کے ذریعہ انبیاء
علیہم السلام کے واسطے سے رعایا میں پھیلایا جاتا ہے جسمیں شیطان کا یا قیاس آرائی کا
یا ظن و تخمین کا یا خواب و خیال کا یا کسی فنی مہارت کا کوئی ادنیٰ دخل نہیں ہوتا
بلکہ وہ بادشاہ کے علم قطعی سے چلا ہوا ایک سرکاری پیغام ہوتا ہے جو امینوں اور
سچوں کی معرفت رعایا کو بھیجا جاتا ہے۔

بہرحال قانون۔ واسطۂ قانون یعنی شاہی پرائیویٹ سکریٹری (جبریل امین)
وسائل تنقیح قانون یعنی شاہی پارلیمنٹ (ملاء اعلیٰ)، نوعیتِ تنقیح قانون یعنی قانونی
بحث و تمحیص (اختصام ملاء اعلیٰ) وغیرہ جو روح سلطنت ہے اس ربانی سلطنت
میں اعلیٰ ترین پیمانہ پر وضع فرمائے گئے ہیں جن کی چند مثالیں پیش کی گئیں۔

رعایا کی ضروریاتِ زندگی کا انتظام

اور مادی زندگی کی ضروریات

اراضی مسکونہ | نظام مملکت کے اس اصولی خاکہ اور وزارتوں کی تشکیل کے بعد سب سے پہلے رعایا کی آبادکاری اور اس سے بھی پہلے رعایا کے لئے قطعۂ آبادی کا سوال پیدا ہوتا ہے جس کے لئے حکمرانی کے یہ سارے نقشے بنتے ہیں پس آسمانی بادشاہت نے اس اجمالی نقشہ حکومت کے بعد چاہا کہ رعایا کے لئے قطعات فرش بنا کر ان کی وہ سطح ہموار کی جائے جس پر یہ آبادی قائم ہو۔ نیز اس میں وہ قوتیں اور وسائل مہیا کئے جائیں جن سے بسنے والوں کی تعداد اپنے طبعی اور فطری منافع حاصل کر سکے جن پر ان کی زندگی موقوف تھی۔ تو زمین بچھا کر اس پر آسمان کا خیمہ تان دیا گیا۔ اور زمین میں مختلف رنگ کی قوتیں ودیعت فرمائی گئیں۔ ارشاد قرآنی ہے۔

ءأنتم اشد خلقا ام السماء بنٰها رفع سمكها فسوٰها واغطش ليلها واخرج ضحٰها والارض بعد ذلك دحٰها اخرج منها ماءها ومرعٰها والجبال

بھلا تمہارا پیدا کرنا زیادہ سخت ہے یا آسمان کا۔ اللہ نے اس کو بنایا اس کی سقف کو بلند کیا اور اس کو درست بنایا اور اس کی رات کو تاریک بنایا اور اسکے دن کو ظاہر کیا اور اس کے بعد زمین کو بچھایا اس سے اس کا پانی اور چارہ نکالا اور پہاڑوں کو قایم کر دیا

ادسٰھا متاعاً لکم ولانعامکم — تمہارے اور تمہارے مواشی کو فائدہ پہنچانے کے لئے۔

دوسری جگہ اس خیمہ کے تاننے کی تفاصیل اور نوعیت تخلیق ارشاد فرمائی گئی۔

قل ائنکم لتکفرون بالذی خلق الارض فی یومین وتجعلون لہ انداداً ذلک رب العٰلمین وجعل فیھا رواسی من فوقھا وبارک فیھا وقدر فیھا اقواتھا فی اربعۃ ایام سواء للسائلین

آپ فرمائیے کیا تم لوگ ایسے خدا کا انکار کرتے ہو جس نے زمین کو دو روز میں پیدا کیا اور تم اس کے شریک ٹھیراتے ہو۔ یہی سارے جہان کا رب ہے۔ اور اس نے زمین میں اس کے اوپر پہاڑ بنا دیئے اور اس میں فائدے کی چیزیں رکھدیں اس میں اسکی غذائیں تجویز کر دیں چار دن میں پورے ہیں پوچھنے والوں کے لئے۔

رعایا کی آبادکاری | اس فرش زمین کے فرش ہونے کی تصریحات آیات ذیل میں فرمائی گئیں۔

الذی جعل لکم الارض فراشاً — وہ ذات جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش۔

الذی جعل لکم الارض قراراً — وہ ذات جس نے زمین تمہارے لئے قرارگاہ بنائی

الم نجعل الارض مھاداً — کیا ہم نے زمین کو فرش نہیں بنایا۔؟

واللہ جعل لکم الارض بساطاً — اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنایا۔

فرش زمین اور سقف آسمان کے بعد قدرتی طور پر وقت آگیا کہ اُس پر بسنے والے لائے جائیں۔ جو رعایا بن کر رہیں اور بادشاہ کے اقتدار و عظمت اور اُس کی حقیقی شان و شوکت کو پہچان کر اُس کے احکام کی تعمیل میں سرگرم ہوں اور اُن ذخیروں سے تحت حکم فائدہ اُٹھائیں جو اس زمین و آسمان میں اُن کے لئے مہیا کئے گئے۔ سو جاندار اور غیر ذی رُوح مخلوقات کی تکوین اور پیدائش کا سلسلہ شروع کر دیا گیا۔ جن میں آخری مخلوق آدم تھے۔ جو اس ساری کائنات کے چشم و چراغ اور اس ساری

کھیتی کے شیریں پھل کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ان ساری مخلوقات کی پیدائشی ترتیب پر حدیث ذیل میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ جو آیات بالا کی شرح و بیان کی حیثیت رکھتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے اور پھل ساری زراعتی محنتوں کے بعد سب سے آخر میں آتا ہے جس کی ترتیب یہ ہے۔

عن ابی ھریرۃؓ قال اخذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدی فقال خلق اللہ التربۃ یوم السبت وخلق الجبال یوم الاحد وخلق الشجر یوم الاثنین وخلق المکروہ یوم الثلثاء وخلق النور یوم الاربعاء وبث الدواب یوم الخمیس وخلق آدم بعد العصر یوم الجمعۃ آخر خلق خلق فی آخر ساعۃ من ساعات الجمعۃ فیما بین العصر الی اللیل۔ البدایہ والنہایہ ص ۱۷ ج ۱

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ پکڑا اور فرمایا کہ اللہ نے زمین کو شنبہ کے دن پیدا کیا اور پہاڑوں کو اتوار کے دن پیدا کیا اور درختوں کو پیر کے دن پیدا کیا اور آفات کو منگل کے دن پیدا کیا اور نور کو بدھ کے دن پیدا کیا اور جانوروں کو جمعرات کے دن پیدا کر کے پھیلایا اور آدم کو جمعہ کے دن آخری ساعتوں میں عصر مغرب کے درمیان آخری مخلوق کی حیثیت سے پیدا کیا۔

اور اس کے بعد مستقلاً آدم کو مکتب فطرت میں بٹھلا کر تعلیم دی گئی اور پھر اس فضل و کمال کے پیکر آدم کے چھپے ہوئے علمی جوہر بھی نمایاں کر دیئے گئے جس سے اللہ جل ذکرہ کی حکیمانہ مشیت و حکمت ملائکہ پر ظاہر ہو گئی اور وہ جیسے پہلے ہی سے اُس کی ہر مشیت و حکمت سے راضی تھے اب اور بھی زیادہ مطمئن ہو کر وفاداری کے لئے آمادہ ہو گئے۔ چنانچہ ملائکہ سے بیعت کی گئی کہ اس نائب کی عظمت تسلیم کرو

سب نے بیکدم سر جھکا دیئے۔

فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون الا ابلیس ابی واستکبر وکان من الکافرین۔

پس سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس نے نہ کیا اُس نے انحراف کیا اور تکبر کیا اور وہ تھا ہی کافروں (باغیوں) میں سے۔

پس اس شاہی پارلیمنٹ میں وفاداران شاہی اور باغیوں کے افراد نکھر گئے۔ شیاطین باغی قرار پائے کہ منشائے شاہی کے خلاف ہی نہیں بلکہ بادشاہ کے بِذِ مقابل آگئے اور ملائکہ مطیع و وفادار قرار پائے کہ بادشاہ کے منشاء کے سامنے اپنے سارے منصوبے ترک کر دیئے اور اُسی کے آگے گردن ڈالدی۔ بالآخر چند تکوینی مراحل کے بعد آدم جن کے بارہ میں بحث تھی بحیثیت نائب السلطنت اور گورنر کے دنیا میں بھیجدیئے گئے تاکہ قوانین حکومت کو دنیا میں جاری کریں۔ اس طرح حکومت الٰہی کے ساتھ خلافت اُلوہیت کی بنیاد بھی خود حکومت ہی نے ڈالدی اور زمین میں حکومت الٰہی کا سلسلۂ نیابت قائم ہوگیا۔

قوانین حکومت حضرت آدم علیہ السلام سب سے پہلے خلیفہ تھے جس پر قانون الٰہی کے صحیفے نازل ہو گئے اور وزیر تعلیم جبریل کی آمدورفت دنیا میں شروع ہوگئی اور دنیا کے ہر ہر خطے اور ہر ہر قوم میں نائبان الٰہی کی آمد بھی شروع ہو گئی کوئی عرب میں کوئی عجم میں کوئی ہند میں کوئی سندھ میں کوئی موصل اور عراق میں، اور کوئی شام و فلسطین میں کوئی بنی سام میں اور کوئی بنی حام میں غرض مختلف خطوں اور مختلف قوموں میں نائبان الٰہی کی نیابتیں بٹ گئیں اور حسب مزاج اقوام قوانین الٰہیہ کی کتابیں اُترنی شروع ہوئیں جن کی روشنی میں انسان کی تربیت،

کا کام جاری ہوا زمانہ آدم میں پچاس صحیفوں کی کتاب اُتری زمانہ ادریس میں تیس پاروں کی کتاب نازل ہوئی اور سلسلۂ کتب و قوانین مستحکم ہوگیا صحف ابراہیم آئے صحف موسیٰ آئے توراۃ کی الواح اتریں۔ زبور کی کتاب آئی۔ انجیل آئی اور اس طرح امتوں کے روحانی مزاج و احوال کے مطابق ان آسمانی نسخوں کے علوم و احکام سے اُن کی تکمیل و تربیت ہوتی رہی۔ زمانہ آدم میں عالم بشریت کی طفولیت کا دور تھا جس میں طبائع بچوں کی مانند سادہ تھیں چھل فریب اور چالاکی کا ظہور نہ ہوا تھا تو فقہی احکام اور قانونی گرفتیں بہت کم اتریں احکام بالکل سادہ ہلکے پھلکے اور علوم بالکل ابتدائی تھے جیسے لغت اور اسماء وغیرہ زیادہ تر ان صحف آدم میں رہائشی اور تمدنی چیزیں اتریں۔ قوم عاد و ثمود اور یہود کا زمانہ گویا عالم بشریت کے شباب کا زمانہ تھا تو احکام زیادہ سخت قسم کے اترے اور ان امتوں پر عمل کا بار زیادہ ڈالا گیا شباب سے گذر کر دور مسیح کے بعد سے عالم بشریۃ کی کہولت کا زمانہ شروع ہو گیا۔

خدا کا آخری اور لاتبدیل قانون

لیکن عالم بشریۃ کی استعداد عامہ کامل ہو چکی تھی اور وہ ایک ایسے قانون کی مقتضی ہوئی جو کلیتہً کامل بھی ہو اور کلیتہً تام بھی ہو۔ اُسکے کلی کمال کی وجہ سے تو اُس میں اضافہ کی گنجائش نہ ہو کہ اُسے کچھ بڑھا کر پورا کرنا پڑے اور اُس کی کلی تمام کی وجہ سے اُس میں کسی کمی کی گنجائش نہ ہو کہ اُسے حشو و زوائد سے پاک کرنا پڑے۔ پس دور محمدی میں جو استعدادوں کے تمام و کمال کا دور تھا قانون شاہی بھی تام و کامل اُتارا گیا۔ اور اعلان کر دیا گیا کہ۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم — آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو میں نے کامل

نعمتی ورضیت لکم الاسلام دیناؓ۔

کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا۔ اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کیلئے پسند کر لیا۔

ظاہر ہے کہ ایسے تام وکامل قانون کے لئے کتاب سماوی بھی کامل ہی درکار تھی جس میں ایک شوشہ کی بھی کمی بیشی کی گنجائش نہ ہو تو فرمایا۔

نزلنا علیك الکتاب تبیاناً لکل شیئ وھدی ورحمۃ وبشری للمسلمین۔

اور ہم نے آپ قرآن آتارا ہے کہ تمام باتوں کا بیان کرنے والا ہو اور مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوشخبری سنانیوالا ہے۔

اور جب کہ قانون اور کتاب انتہائی تام وکامل تھی جس کے معنے اعلیٰ ترین اعتدال سے پُر ہونے کے ہیں تو اُس کے احکام عبادات، اخلاق، معاملات، حدود، کفارات، عقوبات، سیاسیات سب ہی میں کمال اعتدال کا نمایاں ہونا ضروری تھا۔ یعنی ناگزیر تھا کہ اس قانون کا ہر ہر حکم اپنے دائرہ کے جمیع شقوق وجوانب اور ہر نرم وگرم پر اس طرح حاوی ہو کہ حکم میں کسی پہلو کی رعایت چھوٹ نہ جائے بلکہ ایک ایک حکم انتہائی جامعیت لئے ہوئے ہو۔ اور اس طرح پورا قانون جامع مکمل اور ناقابل ترمیم وتنسیخ ہو۔ پھر ظاہر ہے کہ ایسے جامع ترین قانون کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ کسی ایک قوم ایک وطن ایک نسل اور کسی خاص خطہ کے لئے نہ ہو بلکہ بین الاقوامی اور بین الاوطانی ہو اور دنیا کی ہر قوم کے لئے پیغام ہو وہ دنیا کی قوموں کو قومیں رکھنے کے لئے نہ آیا ہو بلکہ قوم واحد بنانے کے لئے آیا ہو۔ اُس کی حکومت عام اور شمولیت تام ہو وہی قانون بنام قرآن بھیجا گیا جو خاتم القوانین ہے اُس کا پیغمبر خاتم النبیین ہے اُس کی قوم خاتم الاقوام ہے

اور اُس کی شریعت خاتم الشرائع ہے۔ اور وہ سارے جہانوں کے لئے پیغام ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہ لیکون للعالمین نذیراً۔	بڑی عالیشان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کیلئے ڈرانے والا ہو۔

اسی لئے اس قانون کے پیغامبر نے بحیثیت نبیّ الانبیاء اور رسول الامم ہونے کے دنیا کی تمام اقوام کو یکساں خطاب کیا اور اپنے کو سب کی تربیت کا یکساں کفیل تبلایا۔

قل یا ایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا۔	آپ کہدیجئے کہ اے لوگو! کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔

خود ارشاد نبوی ہے۔

کان النبی یبعث الی قومہ خاصۃً وبعثت الی الناس کافۃً (مشکوٰۃ)	زمانہ سابق میں ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا اور میں دنیا کے سارے انسانوں کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔

بہرحال آسمانی بادشاہت میں آسمان گویا ایک صوبہ تھا جس میں ملائکہ کی خلافت قائم ہے اور زمین ایک دوسرا صوبہ تھا جو گو جسمانی حیثیت اور رقبہ کے لحاظ سے تو آسمانوں کے سامنے کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ لیکن اپنے مخصوص باشندوں یعنی انسان جیسی جامع حقائق مخلوق کی وجہ سے بلحاظ معنویت آسمانوں سے زیادہ جامع اور فائق تھا اس لئے اُس میں نائب السلطنت بھی ایسے ہی مقرر کئے گئے جو تمام کمالات کے جامع اور تمام مخلوقات پر فائق اور حقیقی معنی میں نائبان آلہی تھے۔

اراضی کاشت اور پیداوار

بساؤ کے بعد ضرورت تھی کہ رعایا کی ضروریات زندگی کا انتظام ہو۔ غذا مہیا ہو، دوا فراہم ہو صفائی عمدہ ہو روشنی بروقت ہو۔ لباس حسب ضرورت ہو۔ مثلاً سب سے پہلے زمین کے ایسے قطعات کی ضرورت تھی جس سے ضروریات زندگی اُگائی جاسکیں اور یہ قطعے زراعت کے لئے کار آمد ہوں جس سے پھل پھول اُگائے جاسکیں نہ شور ہوں نہ پہاڑوں کے پتھر ہوں جس میں اُگانے کی کوئی صلاحیت ہی نہ ہو۔ سو آسمانی بادشاہت نے ایسے قطعات اراضی مہیا فرمائے جن کا ذکر قرآن حکیم نے فرمایا۔

ثم شققنا الارض شقاً فانبتنا فیھا حباً وعنباً وقضباً وزیتوناً ونخلاً وحدائق غلباً وفاکھۃً وّاباً متاعاً لکم ولانعامکم۔

پھر عجیب طور پر زمین کو پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں غلہ اور انگور اور ترکاری اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور چارہ پیدا کیا تمہارے اور تمہارے مولشیوں کے لئے۔

دوسری جگہ پیدا ر کی مزید تفصیلات ارشاد فرمائیں۔

وھوالذی انزل من السماء ماءً فاخرجنا بہ نبات کل شئ فاخرجنا منہ خضراً نخرج منہ حباً متراکباً ومن النخل من طلعھا قنوان دانیۃ وجنات من اعناب والزیتون والرمان مشتبھاً وغیر متشابہ انظروا

اور وہ ایسا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر ہم نے اسکے ذریعے ہر قسم کو نبات کو نکالا پھر ہم نے اس سے سبز شاخ نکالی کہ اس سے ہم اوپر تلے دانے چڑھے ہوئے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے درختوں سے یعنی انکے گپھے میں سے خوشے ہیں جو نیچے کو لٹکے جاتے ہیں اور انگوروں کے باغ اور زیتون اور انار جو کہ ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہوئے نہیں ہوتے

الیٰ ثمرہٖ اذا اثمر و ینعہٖ ان فی ذلک لاٰیات لقوم یؤمنون	ہر ایک کے پھل کو تو دیکھو جب پھلتا ہے اور اسکو پکنے کو دیکھو۔

آب پاشی | پیداوار کے لئے آب پاشی درکار تھی۔ اور وہ دو طرح سے تھی آسمانی اور زمینی یعنی بارش اور نہر و چشمے وغیرہ تو اس حکومت نے دونوں مہیا فرمائے۔ پھر آسمانی پانی یعنی بارش کے بارہ میں فرمایا۔

و انزلنا من السماء ماءً طھورًا لنحیی بہٖ بلدۃ میتا۔	ان میں دلائل ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں۔

نہروں کے بارہ میں ارشاد ہوا۔

و فجرنا الارض عیونا فالتقی الماء علےٰ امرٍ قد قدر	اور زمین سے چشمے جاری کر دیئے پھر پانی ہر اس کام کے لئے مل گیا جو تجویز ہو چکا تھا۔

بسانے کے شہری حقوق | پھر سرکاری زمین میں رعایا کو بسنے کی اجازت دی گئی مکانات بنانے کا حق دیا گیا اور شہری زندگی کے حقوق مرحمت ہوئے۔ اور سفر و حضر دونوں مقاموں کے لئے گھروں کی نوعیت بتلائی گئی۔

و اللہ جعل لکم من بیوتکم سکنا و جعل لکم من جلود الانعام بیوتا تستخفونھا یوم ظعنکم و یوم اقامتکم و من اصوافھا و اوبارھا و اشعارھا اثاثا و متاعا الیٰ حین۔	اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں میں تمہارے رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے لئے جانوروں کی کھال کے گھر بنائے جنکو تم اپنے کوچ کے دن اور مقام کے دن ہلکا پاتے ہو اور انکے اون اور ان کے روؤں سے اور انکے بالوں سے گھر کا سامان اور فائدے کی چیزیں ایک مدت کے لئے بنائیں۔

روشنی کا انتظام

پھر جیسے میونسپلٹی شہر کی روشنی کے لئے الکٹرک اور بجلی کے کھنبوں کا انتظام کرتی ہے اور ان میں زیادہ پاور کے بلب لگاتی ہے تاکہ شہر روشن رہے اسی طرح اس خیمۂ ارضی کی چھت یعنی آسمان میں دو بڑے بڑے ہنڈے (چاند اور سورج) ٹانگ دیئے گئے اور اُن میں حرکت رکھدی گئی تاکہ کام کے وقت دن میں تیز روشنی رہے اور آرام کے وقت شب میں روشنی گل ہوجائے یا مدھم پڑجائے

ھو الذی جعل الشمس ضیاءً والقمر نوراً وقدرہ منازل لتعلموا عدد السنین والحساب	وہ اللہ ایسا ہے جس نے آفتاب کو چمکتا ہوا بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور اس کے لئے منزلیں مقرر کیں تاکہ تم برسوں کی گنتی اور حساب معلوم کرلیا کرو۔

محکمۂ صفائی و حفظان صحت

مثلاً محکمۂ حفظان صحت اور شعبۂ صفائی وزارت زراعت سے متعلق ہے چنانچہ اگر رعایا کی بداعتدالیوں کے سبب ملک میں خس وخاشاک بڑھ جاتا ہے تو ہواؤں سے زمین صاف کردی جاتی ہے جب ملک میں گندگی پھیل جاتی ہے اور کباڑ بڑھ جاتا ہے تو بارشیں اور طوفان اُسے بہا دیتے ہیں۔ عفونت بڑھ کر امراض پھیل جاتے ہیں تو آفتاب کی حرارت سے اُسے دفع کیا جاتا ہے۔ نواس بن سمعان کی طویل حدیث میں یاجوج ماجوج کا ذکر فرماتے ہوئے جب ان کی موت کا ذکر آیا اور اُن کی نعشوں سے دنیا کے سڑ جانے کا ذکر آیا تو فرمایا۔

ثم یرسل اللہ مطراً لایکن منہ بیت مدر ولا وبر فیغسل الارض حتی یتر کھا	پھر اللہ ایک بارش بھیجے گا جس سے کوئی کچا اور پکا گھر نہ بچے گا یہ بارش زمین کو دھوڈالے گی اور اُسے سینپ یا صاف پتھر

کالنن لغتة (مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ صفحہ ۴۷۲) | کے مانند گردے گی۔

چونکہ بارشوں کا محکمہ میکائیل سے متعلق ہے جیسا کہ ابھی حدیث گذری اور بارشوں سے صفائی بھی متعلق ہے تو کہہ سکتے ہیں کہ صفائی کا محکمہ بھی حضرت میکائیل سے متعلق ہے۔

رُوحانی زندگی کی ضروریات

تربیت روحانی کا نظام

ان مادی ضروریات کی فراہمی کے بعد ضرورت تھی کہ انسانی تخلیق کا وہ اصل مقصد پورا ہو جس کے لئے یہ سارا کارخانہ قائم کیا گیا اور فلکی و عنصری کائنات بنا کر تکوینی حکومت قایم کی گئی اور ظاہر ہے کہ وہ یہ تھی کہ انسان صحیح معنی میں خلیفۃ اللہ بنے اُس کے اخلاق و اوصاف اپنے اندر پیدا کرے اور اپنی حقیقی انسانیت کو بروئے کار لا کر تکمیل ظاہر و باطن کے ساتھ اپنے منیب اور اصل کے پاس پہونچے۔ اور اسی کے لئے ضرورت تھی کہ عالم میں امن قائم ہو۔ تاکہ امن و سکون کے ساتھ انسان اپنے تخلیقی مقاصد کی تکمیل کر سکے۔ اور قیام امن کے لئے اُنہی اُصول چارگانہ کی ضرورت تھی جو حکومت کے اجزاء ترکیبی ہیں یعنی نظم۔ حکم۔ حکمۃ اور تدبیر۔ پس تکوین کے دائرہ میں یہ چار اوصاف براہِ راست خدا کی طرف سے قائم ہوتے تھے اور اب تشریع کے دائرہ میں ضرورت تھی کہ انسان کو خلیفۂ الٰہی بنا کر اُس کے ہاتھ سے نظم و حکم اور حکمۃ و تدبیر کے مقاصد پورے کرائے جائیں اور آسمانی بادشاہت کے وہ تمام اُصول رحم و کرم کی سرکاری پالیسی کے تحت پورے کرائے جائیں۔ جو مقصود تکوین تھے۔ اس لئے

قطعات آبادی متعین ہو جانے کے بعد اب ضرورت تھی کہ حکومت کے مختلف حصے کر کے اُن میں نائب السلطنت مقرر ہوں تاکہ اوامر الٰہی کی تنفیذ سہولت سے عمل میں آئے اور رحم و کرم کی پالیسی جس سے طبقات عالم کی تمام تربیتیں متعلق ہیں۔ تمام مملکت میں جاری ہو۔

علاقۂ انسانی اور خلافت ارضی

پس اس حکومت رحمۃ کی خلافت و نیابت کا بوجھ خطۂ زمین میں آدم کے کندھوں پر ڈالے جانے کی تجویز ہوئی مگر حسب اُصول حکمت یہ مسئلہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا اس لئے کہ بادشاہ حقیقی کو رائے قائم کرنے میں کسی کے مشورہ کی ضرورت تھی بلکہ محض نظام حکمرانی کا اصول جاری کر دے اور تبلانے کے لئے یہ سب کچھ عمل میں آیا۔ چنانچہ ملائکہ کی بھری مجلس یعنی ملاءِ اعلیٰ میں یہ مسئلہ رکھا گیا۔

واذ قال ربك للملائكة انى جاعل فى الارض خليفة ۔	اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے کہ ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک خلیفہ ۔

ملائکہ کو اس میں جو کچھ گفتگو کرنی تھی اور ملاءِ اعلیٰ کو جتنا کچھ اختصام یعنی بحث و مباحثہ کرنا تھا وہ کیا گیا اور گفت و شنید ہوئی کہ آیا آدم ہی بحیثیت گورنر کے دنیا میں بھیجے جائیں یا کوئی دوسری نوع منتخب ہو ملائکہ کی اس مخلصانہ قیل و قال سے بہرحال اُن کے مکنونات قلبی کھلوائے گئے۔

آسمانی بادشاہت کے نظام کا انتہائی مرحلہ

اور سزا و جزا

نظام سلطنت اور متعلقہ اعمال و افعال کا یہ اتنا طویل و عریض کارخانہ جسے عالم دُنیا کہتے ہیں اور جس کے انتظامات کی تفصیلات ابھی سامنے آچکی ہیں کوئی عبث اور بے نتیجہ کارخانہ نہ ہونا چاہیئے۔ جس کی کوئی بھی غایت نہ ہو۔ بالخصوص جب کہ ہر چھوٹی سے چھوٹی سلطنت کے نظام کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہوتی ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خدائی سلطنت کے اس عظیم ترین نظام کی کوئی بھی غرض و غایت نہ ہو۔؟

ایحسب الانسان ان یترک سدی ؟	کیا انسان یہ خیال کرتا ہے کہ یونہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا۔

اور فرمایا گیا۔

افحسبتم انما خلقنٰکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون ؟	ہاں تو کیا تم نے یہ خیال کیا تھا کہ ہم نے تمکو یونہی مہمل پیدا کر دیا اور یہ کہ تم ہمارے پاس نہیں لائے جاؤ گے ؟

اللہ اس عبث کاری سے بری ہے۔ اُس کی بادشاہت اور عرش عظیم کی رعایا کا یہ عظیم نظام لغویت سے منزہ ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے بعد جواباً فرمایا

فتعالی اللہ الملک الحق لا الٰہ الا ھو رب العرش الکریم	سو اللہ تعالیٰ بہت ہی عالیشان ہے جو کہ بادشاہ حقیقی ہے اسکے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں عرش عظیم کا مالک ہے

وہ غرض وغایت واضح ہوچکی ہے کہ کائنات کی ہر چیز اور بالخصوص انسان کی تہذیب وتربیت اور اُس کے قوائے علم وعمل کو حد کمال پر پہونچا کر اُس کے آخری ثمرات ونتائج سے اُسے ہم کنار کرنا ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں سلسلے دو ہی ہیں ایک خیر اور ایک شر اور اُس مبداء فیاض کے یہاں کسی سلسلہ کی تکمیل میں بخل نہیں ہے۔

کلا نمد ھٰؤلاء وھٰؤلاء من عطاء ربک وما کان عطاء ربک محظورا۔	آپ کے رب کی عطاؤں سے تو ہم ان کی بھی امداد کرتے ہیں اور ان کی بھی اور آپ کے رب کی عطا بند نہیں ہے۔

اور ظاہر ہے کہ جب خیر بھی مکمل ہوجائے اور شر بھی آخری حد پر آجائے تو خیر کا انجام انتہائی خیر ہوگا کہ اُسے اعلیٰ مقام ملے اور شر کا انجام انتہائی شر ہوگا کہ اُسے بُرا مقام ملے یعنی خیر اور اہل خیر نعیم مقیم میں پہونچ کر قرار پکڑیں اور شر اور اہل شر جحیم دائم میں پہنچکر ٹھیر جائیں جس کا نام سزا وجزا ہے۔ پس سزا وجزا صورتاً تو انتقام ہے مگر حقیقتاً ظہور ثمرات ونتائج ہے اس لئے آسمانی بادشاہت کے اس نظام کا آخری مرحلہ یہ ہے کہ ملوکیت آلہی کا یہ حقانی نظام اپنی آخری غایات وثمرات پر منتج ہوجائے اور اس انتاج کا حاصل سزائے مجرمین اور جزائے مطیعین ہے جو کمال عدل کے ساتھ ہو۔ اسی لئے سرکاری مہمان خانہ (جنت) اور سرکاری جیل خانہ (جہنم) تیار کیا گیا۔ یہی دونوں مقام خیر وشر کے قرارگاہ ہیں۔ تاکہ اعلیٰ جوہر رکھنے والے اپنی علمی وعملی قوت کے کمال پر پہونچ جانے سے جنت میں اُسے بروئے کار لاتے رہیں اور مگن رہیں۔ اور

پست اور شرور و عیوب کے دھبے رکھنے والے اپنی لاعلمی اور لاعملی کے حد کمال پر پہونچ جانے سے جہنم میں علمی عملی تعطل کُند ذہنی اور اس کے سبب غموم و مصائب اور حسّی آلام و تکالیف کا شکار رہیں۔ پس اہل جنت وہ ہوں گے جو خلافت الٰہی کو اپنی علمی و عملی قوۃ سے مضبوط کر کے آخرۃ میں پہونچے ہوں گے تو اللہ نے اُن نائبوں کو مقام قرب میں رکھ کر انہیں میدان علوم و صنائع عطا فرمائیگا۔ تاکہ یہ منصب خلافت زیادہ سے زیادہ ترقی پاتا رہے جس کا حاصل کمالات علمی اور کمالات عملی ہیں۔ اور اہل نار وہ ہوں گے جو فانی لذات اور عارضی تعیش میں مبتلا رہ کر اپنی خلافتی قوۃ یعنی قوۃ علمی اور قوۃ عملی کو فنا کر کے آخرۃ میں پہونچیں گے تو اللہ تعالیٰ ان خلافت دشمنوں کو اپنے سے بعید رکھ کر جہل و ظلم کے تنگ و تاریک میدان میں چھوڑ دے گا تاکہ وہ اپنے اسی جبلّی ظلم و جہل کی تاریکیوں میں حیران و سرگرداں رہیں جس سے نکلنے کے لئے انہیں دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ بہر حال جنت و دوزخ محض حسّی عیش و مصیبت ہی کی جگہ نہیں بلکہ منصب نیابت و خلافت کی ترقی در ترقی اور اُس کے بُعد در بعد کے ظہور کی بھی یہی جگہ ہے۔ اس لئے آسمانی بادشاہت کا حقیقی ثمرہ انسان کے حق میں تکمیل خلافت نکل آتا ہے جس کا اعلیٰ ترین نمونہ جنت میں اور جس کا مسخ شدہ خاکہ جہنم میں زیادہ کُھل کر نمایاں ہوگا۔ اس لئے آسمانی بادشاہت کے نظام کے سلسلہ میں بیان مکمل نہیں ہو سکتا جب تک کہ جنت و دوزخ یعنی سرکاری عیش خانہ اور سرکاری جیل خانہ کی مختصر کیفیات پر اس بیان کی انتہا نہ کی جائے۔ سو اس بارہ میں کتاب و سنت نے جو تفاصیل دی ہیں اُن کا نچوڑ اور خلاصہ حسب ذیل ہے۔

سزاؤں میں تنوع اور انکی انواع | مجرموں کی سزا اور پاداش عمل کی نوعیت کے بارے میں قرآن وحدیث کے بیان کا حاصل یہ ہے کہ جہنم کے جیل میں جن مکانوں اور بارگوں میں یہ مجرم قیدی رکھے جائیں گے وہ گرم ترین اور آتشیں ہوں گے وہاں کی آگ کا رنگ سیاہ ہوگا جس میں نورانیت نہ ہوگی جہنم کی ہولناک گرج سے اُن کے دل پھٹے جاتے ہوں گے اس کی مخلوق کی ڈراؤنی صورتوں سے اُن کے دل سہمتے ہوں گے۔ پھر اس آتشیں جہنم میں نوع بنوع عذاب کی وادیاں اور کال کوٹھڑیاں ہوں گی۔ مجرمین کا لباس اور فراش ولحاف سب آتش گیر مادوں کا ہوگا جو خود آتش ملجم ہوگا اُن کے گلوں میں طوق وسلاسل اور ستر ستر ہاتھ کی زنجیریں پڑی ہوئی ہوں گی۔ اور اُن کی صورتیں مسخ اور بدرنگ ہوئی ہوں گی۔ بدنما گندہ اور غلیظ جانوروں کی مانند اُن کی ہیئۃ اور منہ وہ ہوں گے جس سے دوسروں کو اور خود اُنھیں بھی نفرت آئے گی۔ اُن پر آتشیں گرز بجتے ہوئے ہوں گے اُن کے سروں پر کھولتا ہوا پانی بہایا جاتا ہوگا جس سے اُن کے منہ کا گوشت پوست گل گل کے گرتا ہوگا۔ اُن کی غذائیں سہنڈ۔ زقوم کانٹے دار پھل جو حلق میں پھنس کر رہ جائیں اور لہو پیپ اور گلے میں پھنس جانے والی اشیاء ہوں گی جس سے ہمیشہ جاں بلب رہیں گے۔ بدبو اور تعفن کی ہوائیں اُن پر چلتی ہوں گی جس سے اُن کے دماغ پراگندہ ہوں گے گدھوں کی سی مکروہ آوازوں سے وہ چلاتے ہوئے ہوں گے جس کی شنوائی نہ ہوگی۔ پہاڑوں سے انھیں گرا گرا کر الگ عذاب دیا جائے گا خونی دریاؤں میں غرق کر کر کے الگ اُنھیں ستایا جائے گا۔ آگ کے تنوروں میں گھونٹ گھونٹ کر الگ اُنھیں تباہ حال بنایا جائے گا۔

سانپ بچھو انھیں الگ لپٹے ہوئے ہوں گے جو انھیں کی بد اخلاقیوں کی صورت مثال ہوگی۔ آگ کی حسّی حرارت کے ساتھ اُن کے زہر کی مخفی حرارت سے اُنکے بدن پہاڑوں کی طرح پھول پھول کر الگ ورم رسیدہ ہوں گے۔ اُن کی کھالیں عذاب بھگتنے کیلئے بار بار تازہ ہو کر بار بار عذاب سے پھولتی اور پھٹتی رہیں گی۔ اُن کے قلوب میں خوشی و لطف کی جگہ غم و حسرت بھرا ہوا ہوگا۔ امید کے بجائے یاس انگیز دھمکیاں اُنھیں دی جائیں گی جن سے اُن کے دل ٹوٹتے رہیں گے۔ خوشخبریوں کے بجائے سخت ڈانٹ ڈپٹ سے الگ اُنھیں سہمایا جارہا ہوگا۔ آپس کی پھوٹ اور لعنت و ملامت طعن و تشنیع اور الزام دہی سے اُن کے دل جُدا زخمی ہوں گے۔ ملائکہ کی بے رُخی اور نگاہ قہر سے وہ جُدا مرعوب کردیئے جائیں گے اور ہیبت زدہ ہوتے رہیں گے۔ وہم و خیال کی سوزش اور وساوس سے اندر ہی اندر الگ گھٹ گھٹ کر ڈرتے ہوئے اور کپکپاتے ہوئے ہوں گے اُن کے نہ بدن کو چین ہوگا نہ قلب و روح کو۔ تنگ و تاریک کوٹھڑیوں اور کنوؤں میں اُنھیں بند کیا جائے گا جہنم وسعت کے باوجود اُن پر تنگ ہو ہو کر اُن سے چپٹتا رہے گا اُن کی جوتیاں بھی ہوں گی تو آتشیں جن سے دماغ کھولتا ہوا ہوا ہوگا وہ چہرہ بچہرہ سے روسیاہ اور ذلیل حالت میں ہوں گے۔ اُن کے عذاب میں روز افزوں زیادتی ہوگی اور تخفیف کا نشان نہ ہوگا۔ بہرحال اُن کا ظاہر و باطن اور صورت و حقیقت سب ہی اپنے اپنے حسب حال شدید عذاب میں گرفتار ہوں گے جس کی کہیں حد نہ ہوگی۔ فاما الذین شقوا ففی النار، والعیاذ باللہ العلی العظیم۔

جزاء مطیعین اور اُس کی اقسام

ادھر مطیعوں کے لئے انعامات کے دروازے کھلے ہوئے ہوں گے آخروی زندگی کے پہلے ہی مرحلہ اور اول دھلہ ہی میں مغفرت ورحمۃ اور رضا ورضوان کے پیغامات اور مستقبل کے لئے طرح طرح کی خوش خبریوں سے اُن کے قلوب خوشی ومسرت سے لبریز اور چہرے آثار فرحت سے چمکتے ہوئے ہونگے بے مثال نعمتیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی قلب پر اُن کا خطرہ گذرا عیاناً اُن کے سامنے ہوں گی۔ اُن کے یہ بہشتی باغات اور محلات سونے اور چاندی کی اینٹوں سے تعمیر شدہ ہوں گے اُن کے استعمالی سامان اور محلات کے فرنیچر جواہرات کی اعلیٰ سے اعلیٰ نوع اور شفاف سے شفاف جنس لعل ویاقوت اور زمرد وزبرجد وغیرہ سے تیار شدہ ہوں گے۔ اُن کے مخصوص محل سرائے کا ایک ایک محل ایک ایک سالم موتی سے بنا ہوا ہوگا جن میں کہیں جوڑ نہ ہوگا۔ باد پا سواریاں جیسے اُڑنے والے گھوڑے بُراق اور تخت رواں اور رفرف وغیرہ اُن کی سیر وسیاحت کے لئے مہیا ہوں گی۔ اُن کے محلات کے نیچے پاکیزہ اور شفاف پانی کی نہریں جاری ہوں گی اُن کے شہد وشراب اور دودھ وغیرہ جانوروں کے خون ونجاستہ سے نہیں بلکہ قدرتی نہروں کے ذریعہ شفاف اور پاک نہروں سے جاری ہوں گے۔ اُن کی غذائیں غیر متغیر میوے ہزار ذوق پھل پاک ترین پرندوں کا لطیف گوشت اور ہر نوع کے فواکہ سے ہوں گی۔ اُن غذاؤں میں فضلات نہ ہوں گے نہ بول وبراز ہوگا نہ تھوک سنک طہارۃ وپاکیزگی دائمی ہوگی جس پر ناپاکی کا کبھی بھی حملہ نہ ہوگا اُن کے لباس رنگ برنگ اور زیورات نوع بہ نوع ہوں گے اُن کے ایک ایک محل کی جو ایک ایک

عظیم شہر کے برابر ہوگا شہر پناہ ایک ایک موتی اور رنگ برنگ کے موتی در موتی سے بنی ہوئی ہوگی جس سے اُس کی رنگ برنگ جھلملاہٹ اور جگمگاہٹ آنکھوں میں نور اور دلوں میں سرور پیدا کرتی ہوگی۔ اُن کے کپڑوں کی باریکی اور لطافت کا عالم یہ ہوگا کہ ستر حلّوں میں سے بدن جھلکے گا۔ لباسوں کا کارچوب جواہرات سے ہوگا۔ اُن کے لباس بجائے روئی اور ہنولہ سے بنائے جانے کے بنے بنائے لباس کو وہ پیکر درختوں کے پھلوں میں سے برآمد ہوں گے جو تہ بتہ رکھے ہوئے ہوں گے۔ یہ پھل اشاروں پر جھکیں گے اور خود ہی صندوق کے پٹ کی طرح کھل جائیں گے۔ اُن کے بدن نورانی اور اس درجہ شفاف ہوں گے کہ ادھر سے اُدھر کی چیز نظر آسکے گی۔ اُن کے چہروں کی تابانی سے فضاء میں روشنی ہوگی وہ میلہا میل کی مسافت سے بھی ستاروں کی طرح چمکیں گے۔ اُن کی بلڈنگیں تہ بر تہ اور منزل بہ منزل ہوں گی جن کی منزلوں کی کوئی تعداد نہ ہوگی۔ ہر روز نئے سے نیا انعام اُن کے سامنے آئے گا۔ ہر لحہ نئی سے نئی بشارت اور خوش خبری سے اُن کے کان مُجر اور دل لذت وحلاوت سے لبریز ہوں گے۔ ہر دروازہ سے نورانی ملائکہ اُنہیں سلامیاں دیتے ہوں گے خود رب العزت کی طرف سے بلا واسطہ اُنھیں سلام وپیام دیئے جائیں گے۔ اونچے اونچے تخت اُن پر ستر ستر مسندیں۔ اُن کے اردگرد موتیوں کے چہروں والے غلام صف بستہ ہوں گے۔ اُن کے پاس چاند سے زیادہ روشن چہرے والی بیویاں ہوں گی جو ہر ظاہری اور باطنی ناپاکی سے پاک اور منزہ اور ہر اخلاقی بُرائی اور عملی کمزوری سے بری ہوں گی۔ اُن کی مباشرت میں تعب وتکان۔ کمزوری ولاغری اور سُستی کا

نشان نہ ہوگا۔ اُن کا سرور غیر منقطع اور بے خلل ہوگا۔ اُن کے محلات کو دروازے
آسمانوں کی طرح بلند اور پرشکوہ اُن کے باغات کی مٹی مشک وزعفران کنکریاں
موتی اور یاقوت اور دیواروں کی اینٹیں سونا اور چاندی ہوں گی۔ اُن کے
باغات کا چاند تا صبح صادق کے بعد کی دودھ جیسی سفید اور بے خیرہ روشنی ہوگی
اُن کے باغات کے درخت ہزاروں ذائقوں کے پھلوں سے لدے ہوئے ہونگے
اُن درختوں کی جڑیں اور تنے سونے چاندی کے ہوں گے۔ اور اُن کے پتوں کی
حرکت سے قسم قسم کے سریلے نغمے اور راگ پیدا ہوں گے جو دلوں کو پُرکیف اور
روحوں کو مست کرتے رہیں گے۔ اُن کے لئے سیر گاہیں اور تفریح گاہیں ہوں گی
جن میں سب اہل جنت مل جل کر فرحت آمیز گفتگو اور تفریحی مشاغل میں مصروف
ہوں گے۔ ہوائیں عطر بیز ہمہ وقت خوشگوار۔ ہر مکان راحت بخش ہر حادثہ
روح افزا ہر نعمت غیر مختتم ہر لذت غیر منقطع اور ہر قوۃ دائمی اور ترقی پذیر ہوگی
اُن کے دلوں میں فکر و تشویش اور غم والم کا تصور بھی نہ ہوگا دل راحت سے پُر
دماغ عیش سے سرمست اور خیال علم و معرفۃ سے بھرپور ہوگا۔ اُن کا کرّوفر اور
حشم و خدم بے شمار اُن کا جاہ و جلال اور تزک و احتشام سلاطین سے کہیں اونچا
ہوگا۔ اُن کا ملک خیال کی وسعتوں سے بھی زیادہ وسیع ہوگا۔ اُن کے ادنیٰ
سے ادنیٰ فرد کا ملک دس دنیا کی برابر ہوگا۔ وہاں نوم وغفلت اور تعب و تکان
کا نشان نہ ہوگا۔ اُن کا ہر روز روز عید ہوگا اور اُس پر وہ روز و شب کے تغیرات
سے بری ہوں گے اُن کی دعوتیں رب العزت کی طرف سے ہوں گی۔ اُنھیں تکریمی
اور اعزازی پارٹیاں دی جائیں گی۔ وہ دربار الٰہی کے درباری اور اُس میں

ہفتہ وار باریاب ہوں گے وہاں شرابِ طہور سے اُن کی ضیافت ہوگی۔ نغماتِ داؤدی سے اُن کی سامعہ نوازی ہوگی اور الذالنعم (سب سے بڑی نعمت) یعنی دیدارِ الٰہی سے اُنھیں محویت و بے خودی کا کیف بخشا جائے گا اُن کا ہر سوال اور ہر تمنا پوری ہوگی اُن میں محرومی کا وہم تک نہ ہوگا۔ غرض نعمت کی کوئی نوع انتفاع کا کوئی پہلو اور خیر و برکت کا کوئی احتمال جو کسی کی بڑی سے بڑی عقل میں آسکتا ہے ایسا نہ ہوگا جو وہاں واقعات کی صورت میں اپنی انتہائی کامل و مکمل صورت سے اُنھیں نہ بخشا جائے گا اور جس کی کہیں حد و نہائت نہ ہوگی۔ فاما الذین سعدوا ففی الجنۃ خالدین فیھا۔

بہرحال آیات و احادیث کا یہ خلاصہ اور جوہر ہے جو سرکاری جیل خانہ (جہنم) اور سرکاری عیش خانہ (جنۃ) کے بارہ میں وارد ہوئی ہیں۔ پس جیسا بادشاہ ہے اور جیسی اُس کی بادشاہت ہے ویسے ہی اُس کے لوازم بادشاہتہ بھی ہیں ویسا ہی اُس کا نظام بھی ہے۔ اور نظام کے انجام پر ویسا ہی اُس کا انعام بھی ہے اور ویسا ہی اُس کا انتقام۔ غرض آسمانی بادشاہت اپنے کرّ و فر جاہ و جلال عظمت و شان اور ملکی انتظامات کی رو سے اُتنی ہی بھرپور کمالات ہے جتنا کہ اُس کا بادشاہ باکمال اور سرچشمہ کمالات ہے۔ پس اگر اُس بادشاہ حقیقی کا کمال لامحدود ہے اور ضرور ہے۔ تو اُس کی سلطنت کا کمال بھی لامحدود اور لاتحدید خیرات و میرات کا حامل ہو سکتا ہے۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنَ النَّارِ وَاَدْخَلَنَا الْجَنَّۃَ، آمین۔

آسمانی بادشاہت کے دستور اساسی کا خلاصہ

سبع سنابل | آسمانی بادشاہت کے سلسلہ میں یہ جو کچھ تفاصیل ذکر کی گئیں ہیں خواہ وہ بادشاہت کے ظواہر اور کرد فر سے متعلق تھیں یا بواطن اور اُصول نظام ملک سے ان سب میں جو چیزیں بطور روح کے کارفرما اور ساری حکومت کی اساس و بنیاد ہیں اصولاً سات نکلتی ہیں جو ساری حکومت کے آئین قوانین کا خلاصہ ہیں۔ ان میں سے پانچ دائرۂ حکومت سے متعلق ہیں۔ دو دائرۂ رعیت سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان ساتوں کو سبع سنابل یعنی سات خوشے کہنا چاہئے کیونکہ ہر حکمہ ان کی فرع اور ہر شعبہ ان کے سامنے بمنزلہ ایک دانہ کے ہے جو اپنے خوشہ سے نکل رہا ہو۔

دستور حکومت کے پانچ اساسی رکن

(۱) مصدر نظام | یعنی افق اداسنی | اور وہ ذات بابرکات خداوندی ہے کہ زمینوں اور آسمانوں میں اُسی سے نظام کائنات صادر ہو رہا ہے اور اسی کی یکتائی اور حاکمیت مطلقہ کی روح دوڑی ہوئی ہے اُس کے ہی لئے مثل اعلیٰ ہے۔

ولہ المثل الاعلیٰ فی السموات

والارض وھو العزیز الحکیم

(۲) مرکز نظام | یعنی میزان اعلیٰ اور وہ قانون قدرت ہے جس سے نظام کا شجرہ پھوٹتا ہے اور جس کی طرف ہر نظام رجوع کئے ہوئے ہے گویا اُسی میں سے

نظامات نکلتے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹ جاتے ہیں جو کل کائنات پر حاوی اور جس کے عدل سے ہر ہر ذرہ تھا ہوارہ کر کسی حالت میں بھی اُس سے انحراف نہیں کرسکتا اگر کرے تو اُسی وقت اس کی قیامت قائم ہو جائے یعنی ہر ذرہ کی بود و نمود نابودگی و گم شدگی اسی قانون عدل کے معیار سے ہے۔

اللہ الذی انزل الکتاب

بالحق والمیزان وما یدریک

لعل الساعۃ قریب۔

(۳) محور نظام | یعنی ملأ اعلیٰ اور وہ آسمانی بادشاہت کی شاہی کونسل ہے۔ جو ارواح مقدسہ پر مشتمل ہے اور اُن میں مباحث عالم زیر بحث آتی ہیں جنھیں اختصام ملاء اعلیٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

ما کان لی من علم بالملأ الاعلیٰ

اذ یختصمون۔

(حدیث) یا محمد فلم یختصم

الملأ الاعلیٰ۔؟

(۴) مقصد نظام | یعنی مقصد اعلیٰ اور وہ آسمانی بادشاہت کا وہ نصب العین ہے جو تربیت و ہدایت کائنات پر مشتمل ہے۔ اور حضرت رب اعلیٰ کی شان ربوبیت اور قدیر اعلیٰ کی شان ہدایت کو ظاہر کرتا ہے۔

سبح اسم ربک الاعلی الذی

خلق فسوی والذی قدر

فہدیٰ۔

(۵) منشار نظام | یعنی مصلحت فعلی اور وہ آسمانی بادشاہت کی وہ سرکاری پالیسی اور انداز حکومت اور منشار شاہی ہے جس کی رُو سے ساری کائنات بحیثیت رعایا اپنے شاہنشاہ حقیقی سے مربوط اور اُس کی گرویدہ و وفادار ہے اور وہ رحمۃ علمہ ہے

۱۔ الرحمٰن علی العرش استویٰ

۲۔ فقل ربکم ذو رحمۃ واسعۃ

۳۔ ورحمتی وسعت کل شیٔ

(وحدیث) ان رحمتی سبقت غضبی

پہلی آیت سے رحمت کا احاطہ اور تخت شاہی سے لے کر ساری کائنات تک کے اوپر استیلاء واضح ہے دوسری آیت سے رحمت کا فی نفسہ عموم واضح ہے اور تیسری آیت سے رحمت کے تعلق کا عموم واضح ہے۔ اور چوتھی نص سے رحمت کا غلبہ اور دباؤ ہر چیز پر واضح ہے۔

واجبات رعیت کی دو جامع ترین نوعیں

اس اعلیٰ ترین حکومت اور اُس کے اعلیٰ ترین دستور حکومت سے رعایا پر جو حقوق اور واجبات عائد ہوتے ہیں اُن کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔

جذبۂ وفاداری | (۱) باطنی تسلیم و انقیاد۔ یعنی حلف وفاداری کہ ذرّہ ذرّہ اُس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کردے۔

افغیر دین اللہ یبغون ولہ

اسلم من فی السموٰت والارض

علی اطاعت شعاری | (۲) ظاہری طاعت وعبودیت یعنی اُس بادشاہ کے سامنے انتہائی تذلل وعبودیت اور اپنے اپنے متعلقہ قانون پر بحیثیت عبادت عمل۔

کل لہٗ قانتون

اس لئے ضابطہ حکومت کی رُو سے آسمانی بادشاہت کے سات رکن ثابت ہوئے جو گویا سبع سنابل یعنی سات خوشے ہیں کہ انہی سات سے سلطنت کی کشت زار کے سارے ہی پھل پھول اُگ رہے ہیں۔ پانچ حکومت سے متعلق ہیں۔ اقتدار اعلیٰ میزان اعلےٰ۔ ملاء اعلےٰ۔ مقصد اعلےٰ۔ مصلحۃ اعلےٰ۔ اور دو رعایا سے متعلق ہیں باطنی انقیاد وتسلیم۔ اور ظاہری طاعت وعبودیت۔ جن کو شرعی اصطلاح میں ایمان واسلام کہتے ہیں۔ اور اُسی کو حدیث معاذ میں حقوق کے نام سے ذکر کیا گیا ہے۔ پس اس پوری تالیف میں اصولی یا ضمنی عنوانات کے تحت میں جس قدر بھی مظاہر سلطنت وشوکت یا محاکم نظام سلطنت یا مقتضیات سلطنت مذکور ہوئے وہ سب انہی کے آثار ولوازم ہیں اور اُن سب میں انہی سات اُصول کی رُوح کام کر رہی ہے۔

کمثل حبۃٍ انبتت سبع سنابل
فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ

آسمانی بادشاہت سے زمینی خلافت

خلافت ربوبیت | آسمانی بادشاہت کی ان تمام شعبہ وار تفصیلات اور پھر سات دفعات میں اُن کے جامع اجمالات سے جو ابھی عرض کئے گئے اللہ کی حکومت کا مکمل نقشہ اور خاکہ آپ کے سامنے آگیا اور اس بادشاہت کا پورا رنگ ڈھنگ آپ سمجھ گئے۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ یہ سب تکوینی اُمور ہیں یعنی افعال خداوندی ہیں جن کی حکایت قصہ گوئی کی حد سے آگے نہیں بڑھتی اور محض قصہ گوئی اور محض بیان حکایت گو وہ کتنی ہی سچی اور عین حقیقت ہو فی نفسہ اسلام میں مقصود نہیں جب تک کہ اُس سے کوئی عبرت اور کوئی انسانی عمل متعلق نہ ہو جس سے وہ کسب سعادت کر سکے ایسے علوم کو اسلامی شریعت پسند نہیں کرتی جو محض نظری ہوں اور جن سے دماغی تفریح تو ہو جائے لیکن اکتساب سعادۃ کی کوئی راہ نہ کھلے اس لئے آسمانی بادشاہت کی ان تشکیلات کا مقصد بھی جو آیات و روایات میں وارد ہوئی ہیں محض کہانی یا افسانہ گوئی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ان کے ذریعہ بھی وہی انسانی سعادۃ کی تکمیل مقصود ہے۔ اور وہ یہ کہ انسان بحیثیت خلیفۂ الٰہی ہونے کے اپنا جو نظام بھی دنیا میں قائم کرے وہ آسمانی بادشاہت کے نمونہ کا ہونا چاہیئے جس کی صورت و حقیقت اس آسمانی نظام پر منطبق ہو یعنی زمینی بادشاہت کے نام سے زمین پر بعینہٖ آسمانی حکومت

کا نقشہ جمایا یا جمانا مقصود شرعی ہوگا۔

آسمانی بادشاہت کے نقشہ پر زمینی خلافت

یعنی

امارت شرعیہ کا دستور اساسی

آسمانی بادشاہت اور زمینی خلافت کی ہم آہنگی

اس مقصد مذکورہ کے پیش نظر یہی آسمانی بادشاہت جب تکوین کے دائرہ سے آگے بڑھ کر تشریعی رنگ اختیار کرتی ہے اور کائنات کی اشرف ترین مخلوق انسان پر بطور نائب آلہی ظاہر ہوتی ہے تو اُسی کا نام خلافت ہوتا ہے یہ خلافت کلیۃً آسمانی بادشاہت کی تفسیر اور اُس کا نمونہ ہے جس کا ظاہر و باطن اُس کے ظاہر و باطن پر کلیۃً منطبق اور چسپاں ہوتا ہے فرق اگر ہے تو صرف یہ کہ تکوینی سلطنت میں رنگ اُلوہیت کا ہوتا ہے اور تشریعی سلطنت میں رنگ عبودیت کا وہاں اگر ظہور خلق طبعیاتی رنگ کے پردوں میں ہوتا ہے تو یہاں ظہور امر شرعیاتی رنگ کے پردوں میں ہوتا ہے وہاں اگر علی الاطلاق بادشاہی تھی تو یہاں بقید عبدیت ہوتی ہے۔ حکم۔ قانون۔ پالیسی اور مقاصد سب چیزیں وہیں کی ہوتی ہیں صرف محل اور رنگ بدل جاتا ہے وہاں براہ راست قدرت کا ہاتھ کام کرتا ہے یہاں ظاہر میں بندوں کے ہاتھ کام کرتے ہیں اور باطن میں خدا کا ہاتھ ہوتا ہے اس لئے عنوان کا فرق تو ضرور پڑ جاتا ہے مگر حقیقت نہیں

بدلتی بہرحال خلافت کے ہر ہر شعبے میں نمونے آسمانی بادشاہت ہی کے ہوتے ہیں صرف ہیئت عنوں کا فرق ہو جاتا ہے گویا مصدر تو حکومت الٰہی ہوتی ہے اور اُس سے صادر خلافت انسانی ہوتی ہے یا بالفاظ دیگر مظہر تو خلافت انسانی ہوتی ہے اور اُس میں ظاہر حکومت الٰہی ہوتی ہے یا بعنوان دیگر اصل تو اللہ کی حکومت ہوتی ہے اور اُس کا ظل وعکس خلافت انسانی ہوتی ہے اسی لئے اُسے حکومت کہتے ہیں اور اسے خلافت۔ غرض خلافت کا یہ چولہ حکومت خداوندی کے تن زیبا پر نہایت چُست اور کسا کسایا آجاتا ہے کہ یہ چولہ اُسی کے لئے بنایا گیا تھا۔

بہرحال ہم جس ادارہ اور سلطنت کا نقشہ آئندہ ذکر کرنا چاہتے ہیں اُس سے خلافت ربّانی مراد ہے نہ کہ خدائی حکومت کے نام سے انسانی مطلق العنانی یعنی خلافت میں دین خداوندی کے اصول پر مخلوق خداوندی کی تربیت کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ خدائی بادشاہت کے نام سے انسانی تجبّر اور استبداد منوایا جاتا ہے یا خلیفہ اپنے کو خدائی حکومت کا مظہر اتم تبلا کر اپنی مطلق العنانیوں کو بہ زور شمشیر تسلیم کراتا ہے۔

خلافت اسلام اور خلافت اقوام کا مابہ الفرق

بالفاظ دیگر یہ یہودیوں کی آسمانی بادشاہت نہیں جس میں بادشاہ وقت کو عمیل خدا دکارندۂ آلٰہی ظاہر کر کے اُس کے انتخاب وتقرر، اُس کے صادر کردہ حکم اور اُس کی ساری شاہی کو خدا کی شاہی تبلایا گیا ہے گویا جو کچھ بھی وہ کر دے وہ چونکہ خدا کا کیا ہوا ہوتا ہے اس لئے مخلوق کو اُس سے سرتابی اور انحراف وبغاوت کی مجال نہیں خواہ وہ کچھ بھی

کرلے یا کہہ دے۔ اس یہودی ادارہ میں احکام تو انسانی ہوتے ہیں اور انہیں واجب الاطاعۃ خدا کے نام سے بنا دیا جاتا ہے۔

اسی طرح یہ خلافت مسیحیوں کی آسمانی بادشاہت بھی نہیں جس میں آبائے عیسوی نے بادشاہ کی طاقت کو عین خدائی طاقت ظاہر کر کے اس کے مقابلہ کو خدا کا مقابلہ ظاہر کیا ہے کہ اس کا حاصل بھی اس کے سوا کچھ نہیں کہ انسانی مطلق العنانیوں کو خدائی اقتدار کے پردہ میں چھپا کر حق بجانب ثابت کیا جائے۔

اسی طرح یہ خلافت خلافتِ یونان اور روما کی آسمانی بادشاہت بھی نہیں کہ گو حکومت قوم اور بادشاہ کے مجموعہ (یعنی ہر دو کی مرضی) سے بنتی تھی لیکن دیوتاؤں کی دعائیں بہرحال اس کی کفیل ظاہر کی جاتی تھیں اور بادشاہ جو کچھ بھی کر گذرتا تھا قوم پر اُس کی اطاعۃ اس لئے ناگزیر ہو جاتی تھی کہ وہ سب کچھ دیوتاؤں کی مخفی طاقت کے زیر اثر ہونا باور کرایا جاتا تھا۔ جس کی رُو سے اُس سے انحراف کرنا دیوتاؤں سے بغاوت کرنا تھا پس ابتداءً گو حکومت میں کل قوم کی مرضی شامل ہوتی تھی مگر انتہاءً یہاں بھی وہی شخصی استبداد اور انسانی مطلق العنانی رہ جاتی تھی جو دیوتاؤں کی قدوسیت کی آڑ میں پرورش پاتی تھی۔

اسی طرح یہ خلافت مہابھارت کی تجویز کردہ خدائی بادشاہت بھی نہیں جس میں بادشاہت کو ربانی پیداوار کہہ کر اُس کی عظمت کو عین خدا کی عظمت بتلایا گیا ہے جس کا حاصل وہی راجائی طاقت کو خدائی طاقت کے

نام سے برقرار اور واجب النفوذ بنا دینا ہوتا تھا اور سیاسی مقاصد دینی عظمت کے حیلہ سے پورے کئے جاتے تھے جیسا کہ آج بھی مختلف سیاسی پارٹیاں دین و مذہب کے نام پر اپنے سیاسی مقاصد پورے کرتی ہیں اور خدائی فتووں کے حیلہ سے عوام کے جذبات کو بے تکلف استعمال کرتی رہتی ہیں۔

غرض ان تمام نظریات میں خدا کے نام سے انسان کو خدائی کے اختیارات سونپے گئے ہیں اور شخصی مطلق العنانی کو مذہب کے پردہ میں چھپا کر پرورش کیا گیا ہے لیکن اسلام کی خلافت میں اس کے بالکل برعکس خلیفہ کے تمام ذاتی اختیارات سلب کر کے خدا کے قانون کی طرف منتقل کر دیئے گئے ہیں نہ بادشاہ کو قانون سازی کا حق ہے نہ حکم و حکومت کا بلکہ وہ صرف قانونِ الٰہی کی تنفیذ کا ذمہ دار بنایا گیا ہے اُس کی عظمت اگر رکھی گئی ہے تو ذاتی تقویٰ و طہارت اور پابندیٔ قانونِ حق کے معیار سے رکھی گئی ہے نہ کہ خلیفہ یا امیر کے نام اُس پر لگ جانے سے اُس کی رائے نفس حکم میں معتبر نہیں بلکہ تدابیر نفاذ میں اور اُس میں بھی تنہا خلیفہ کی شخصی رائے کافی نہیں سمجھی گئی جب تک کہ اہل حل و عقد کی جماعت کا مشورہ اُس میں شامل نہ ہوتا کہ امیر میں خدائی نیابت کے نام سے شخصی اقتدار و حکمرانی کا تصور بھی پیدا نہ ہونے پائے۔ اسلئے آسمانی بادشاہت کے مذکورہ سات اصول اور ان اصول سے پیدا شدہ دوسری کلیات پھر اُن کے ماتحت تمام مظاہر سلطنت اور سارے محاکم حکومت کی نظیریں ہو بہو خلافت میں رکھی گئی ہیں۔ اس دائرہ میں یہ بھی برداشت نہیں کیا

گیا کہ خلافت و امارت کا نقشہ بھی کوئی انسان تجویز کرے پس امارت اسلامیہ خود آسمانی بادشاہت کا ایک حسی ڈھانچہ ہے جس کی روح اُسی آسمانی بادشاہت کے اصول و فروع ہیں نہ کہ انسانی بناوٹ کے تراشیدہ قوانین و آئین شریعت اسلام میں ایک لمحہ کے لئے بھی انسانی اقتدار کے لئے آسمانی بادشاہت کا نام استعمال نہیں کیا گیا۔ چنانچہ اولاً اصول سبعہ ہی کو لیجئے جن کو ہم نے سبع سنابل سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ وہ بقیہ اصول سلطنت کے لئے بمنزلہ خوشہ اور منبت کے ہیں جن میں دوسرے اصول امارت دالوں کی طرح ترتیب وار جڑے ہوئے ہیں۔

خلافت زمینی میں آسمانی بادشاہت کے اصول کا نقشہ

خلافت میں اقتدار اعلیٰ | (۱) مثلاً آسمانی بادشاہت میں اقتدار اعلیٰ ذات حق ہے اور خلافت میں بھی وہی ہے مگر بطور نمونۂ عمل اُس کا نائب یا گورنر رسول برحق اور نائب رسول کو رکھا گیا ہے جس کو امیر یا خلیفہ کہتے ہیں۔ پس حاکمیت تو صرف خدا کی مانی گئی ہے مگر بواسطۂ رسول۔ اس لئے رسول اور نائب رسول کی اطاعت بھی واجب ٹھیرائی گئی بفحوائے آیت کریمہ

یا ایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم | اے ایمان والو تم اللہ کا کہنا مانو اور رسول کا کہا مانو اور تم میں جو لوگ اہل حکومت ہیں اُن کا بھی۔

خلافت میں ملاء اعلیٰ | (۲) آسمانی بادشاہت میں شاہی کونسل ملاء اعلیٰ ہے اور خلافت میں اُس کا نمونہ مجلس شوریٰ ہے بفحوائے کریمہ۔

وامرھم شوریٰ بینھم — اوران کا ہر کام آپس میں شورہ سے ہوتا ہے۔

خلافت میں مقصد اعلیٰ — (۳) آسمانی بادشاہت میں مقصد اعلیٰ یعنی غرض حکومت ربوبیت وہدایت عامہ ہے اور خلافت میں اُس کا ظل اور نمونہ اقامۃ دین ہے جس کا حاصل وہی تربیت وتہذیب نفوس ہے۔ بفحوائے کریمہ۔

الذین ان مکنّٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ — یہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر ہم ان کو دنیا میں حکومت دیدیں تو یہ لوگ نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور نیک کاموں کے کرنیکو کہیں اور بُری کاموں سے منع کریں اور سب کاموںکا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

خلافت میں مصلحت اعلیٰ — (۴) آسمانی بادشاہت میں مصلحۃ اعلیٰ (سرکاری پالیسی) رحمۃ عامہ ہے اور خلافت میں اُس کا نمونہ اُخوۃ ومساواۃ اور شفقۃ علی الخلق ہے جس سے تمام اقوام وملل اور تمام اوطان واقالیم ملکر خلافت کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو سکتی ہیں۔ بفحوائے کریمہ۔

ومآ ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین۔ — اور ہم نے آپ کو اور کسی بات کے لئے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنے کے لئے۔

(وقول اللہ عزوجل) انما المؤمنون اخوۃ۔ — مسلمان تو سب بھائی ہیں۔

خلافت میں میزان اعلیٰ — (۵) آسمانی بادشاہت میں میزان اعلیٰ قانون قدرت ہے جو بضمن طبعیات واسباب کام کرتا ہے خلافت میں اُس کا نمونہ قانون شریعت ہے جو بضمن عقل واختیار کارپرداز ہوتا ہے۔ جس کے معیار سے اقوام عالم سربلند اور سرنگوں کی جاتی ہیں بفحوائے حدیث۔

بیدہ المیزان یرفع بہ اقواما ویضع بہ آخرین۔ (مسلم)

اُسی کے ہاتھ میں میزان ہے جس سے وہ کسی قوم کو سربلند کردیتا ہے اور کسی کو سرنگوں۔

خلافت میں واجبات بیعت کے اصول دوگانہ کا نقشہ

خلافت میں حلف وفاداری

(۶) آسمانی بادشاہت میں حلف وفاداری بصورت طبعی انقیاد و تسلیم ہے اور خلافت میں اُس کا نمونہ ارادی بیعت امیر ہے بفحوائے کریمہ

ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم۔

جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ اُنکے ہاتھوں پر ہے۔

خلافت میں عملی اطاعت شعاری

(۷) آسمانی بادشاہت میں شاہی اطاعت بمعنی عبادت ہے اور خلافت میں بمعنی سمع وطاعۃ ہے بفحوائے حدیث

اسمعوا واطیعوا ولو امّر علیکم عبد حبشی مجدع الاطراف

سنو اور اطاعۃ کرو اگرچہ تم پر امیر بنا دیا جائے کوئی حبشی غلام جسکے دست وبازو بھی صحیح سالم نہوں بُریدہ ہوں یعنی بظاہر حقیر و ذلیل سمجھا گیا ہو

پس آسمانی بادشاہت کے ان نظائر سے جو خلافت میں رکھے گئے ہیں۔ خلافت کے بھی سات ہی اصول وارکان ثابت ہوجاتے ہیں۔ امیر عامہ۔ قانون سماوی۔ مجلس شوریٰ۔ اقامۃ دین۔ اخوۃ ومساواۃ۔ بیعت خالص۔ سمع وطاعۃ۔ جس سے واضح ہے کہ خلافت یا اسلامی حکومت کے نام سے صرف وہی حکومت قابل تسلیم ہو سکتی جس میں آسمانی بادشاہت کے یہ ساتوں اُصولی نمونے پائے جائیں اور اُس کی عمارت کو یہ ہی سات

ستون ہوں نہ وہ کہ اُس کے کام سے شخصی یا قبائلی یا پارٹی اقتدار قائم کیا جائے کہ وہ خلافت نہیں بلکہ خلافت کی ضد ہو گی۔ پس اگر ان اصول کے خلاف یعنی ان کی اضداد پر کسی سلطنت کی تعمیر کھڑی ہو تو وہ کسی طرح بھی اسلامی سلطنت یا خلافت کہلائے جانے کی مستحق نہیں ہو سکتی اُسے اسلامی حکومت کہا جانا برعکس نام نہند زنگی کا فور کا مصداق ہو گا۔

خلافت سے شاہیت کا رد اور متعلقہ نتائج

ان سات آسمانی اصول کا اُسوہ لے کر جب خلافت کا ڈھانچہ تیار کیا جائیگا اور اس میں سات اُصول بحیثیت مجموعی استعمال کئے جائیں گے تو ان کی روشنی سے خود بخود اسلامی سلطنت کے ایسے انداز پیدا ہو جائیں گے جو اُسے آسمانی بادشاہت اور آسمانی بادشاہت کا پسرو بنا دیں گے اور اُس امارت میں سے بعد کی اختراعی حکومتوں اور اصطلاحی سیاستوں کے بہت سے ایسے اصول کی جڑ کٹ جائے گی جنہوں نے نتیجہ کے طور پر انسانوں کو خدائی اختیارات دے کر انسانی برادری کو بد اخلاقیوں بد اعمالیوں اور باہمی پھوٹ کا شکار بنایا اور دنیا کے امن و سکون کو بے معنی کر دیا ہے۔

امیر بہ پابندیٔ قانون کے آثار صالحہ

مثلاً اقتدار اعلیٰ یعنی امیر یا خلیفہ کے ساتھ جب میزان اعلیٰ یعنی قانون سماوی کو جوڑ دیا جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ اس امارت میں کوئی ایسا اختراعی قانون استعمال نہیں کیا جا سکے گا۔ جو انسانی دماغ کی پیداوار ہو کہ انسان کا علم بھی محدود ہے اور اس کی عقل بھی

محیط نہیں جو سارے انسانوں کے منافع پر حاوی ہو پھر ساتھ ہی وہ خود غرضی کی تہمت سے متہم بھی ہے کہ قانون سازی میں اپنے اور اپنی قوم کے منافع کو مقدم رکھے گا اس لئے اگر قانون ہی نہ ہو بلکہ محض انسانی منشا حکمران ہو تو یہ استبداد محض ہے اور اگر قانون ہو مگر خود انسان کا اختراعی ہو تو وہ متہم ہے جو خود غرضیوں کی تہمت سے بری نہیں ہو سکتا پس وہی قانون معتبر اور سارے انسانوں کے حق میں مفید اور معتبر ہو سکتا ہے جو خدا کی طرف سے نازل شدہ ہو اور وہ بھی وہ جو آخری قانون ہو جو جامعیت کبریٰ کی روح اپنے اندر لئے ہوئے ہو امیر بھی خود اسی کا پابند ہو گا اور رعایا بھی اسی درجہ میں قانون کے تحت میں ہو گی غرض قانون کی نظر میں راعی و رعایا یکساں رہیں گے۔ اس سے امیر کی مطلق العنانی بھی ختم ہو جاتی ہے اور اس کے ساتھ پورے ملک اور ساری رعایا کی بھی۔ کہ حکومت کسی ایک شخص یا کئی اشخاص کی ذاتی منشار پر چلے پس اگر ساری خلافتی دنیا بحق قانون امیر کے سامنے جواب دہ ہے تو امیر خدا کے قانون کے سامنے جوابدہ ہے جس سے واضح ہے کہ اسلام میں امیر امیر مطلق نہیں بلکہ امیر پابند ہے جو آسمانی قانون کی گرفتوں میں جکڑا ہوا ہے جسے کسی حالت میں بھی ذاتی آزادی اور ذاتی منشار کی مطلق العنانی حاصل نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حکومت فی الحقیقت نام ہے مخفی منشار کا جس کا مظہر قانون ..... ہوتا ہے یعنی قانون میں فی الحقیقت قانون ساز کا منشار اور منصوبہ حکم فرما ہوتا ہے اس لئے دوسرے لفظوں میں حکومت فی الحقیقت قانون سازی اور حکم کا نام ہوا۔ اجرار قانون یا عملدرآمد حکومت نہیں بلکہ یہ عمال حکومت کا کام ہے جو درحقیقت حکومت نہیں بلکہ

اطاعت حکومت ہے۔ اس لئے جو قانون ساز ہوگا وہی حقیقتاً حکمران بھی ہوگا خواہ فرد ہو یا قوم اور ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ قانون سازی نہ انسان کا حق ہے نہ وہ اس پر حقیقتاً قدرت ہی رکھتا ہے۔ بلکہ یہ صرف خدا کا حق ہے اس لئے حکم اور حکومت بھی صرف خداوندی حق ہوگا جس میں کسی مخلوق کی ادنیٰ سی بھی شرکت نہیں ہو سکتی ان الحکم الا للہ چنانچہ قرآن حکیم نے اقتدار اعلیٰ اور قانون اعلیٰ کا ذکر کرتے ہوئے خدا کو اس کی ذاتی یکتائی اور لاشریکی کے ساتھ ساتھ ملک و سلطنت کے بارہ میں بھی یکتا اور لاشریک ٹھیرایا ہے۔ جیساکہ وہ خود اپنی ذات سے لاشریک ہے۔ ارشاد ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا الذی لہ ملک السموات والارض ولم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک۔

بڑی عالی شان ذات ہے جس نے یہ فیصلہ کی کتاب اپنے بندہ خاص پر نازل فرمائی تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کے لیے ڈرانے والا ہو۔ ایسی ذات جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی حکومت حاصل ہے اور اس نے کسی کو اولاد قرار نہیں دیا اور نہ کوئی اس کا شریک ہے حکومت میں۔

قانون سازی غیر اللہ کا حق نہیں

پس امیر پابند حکم ہے خود حاکم نہیں حکم الٰہی کا مقید ہے مطلق العنان نہیں وہ صرف قانون الٰہی کا منادی اور نفاذ کنندہ ہے قانون ساز نہیں۔ اس سے قدرتی طور پر قانون ساز اسمبلیوں۔ قانون سازی کی سلیکٹ کمیٹیوں اور انسانی اقتدار کی علمبردار جماعتوں کی بھی جڑ کٹ جاتی ہے کہ سارے انسان مل کر بھی علم محیط نہیں رکھتے کہ عالمگیر منافع کا قانون

محض اپنے دل ودماغ سے تیار کرسکیں بلکہ اُس میں جگہ جگہ اُتنے ہی خلا ہوں گے جتنے خلا خود انسانوں کے علم وعقل میں ہیں۔ پس وہ سلطنت کبھی بھی اسلامی سلطنت نہیں کہی جاسکتی جس میں قانون سازی انسان کا حق تسلیم کی گئی ہو اور اس طرح حکمرانی کا منصب انسانوں کو دیا جارہا ہو کہ یہ خدا کی صفت ملکیت میں بھی شرکت ہے اور اُس کی صفتہ علم میں بھی اشتراک ہے جو روح عبدیت کے منافی ہے جس کے لئے انسان دنیا میں بھیجا گیا ہے اور اسی کے ساتھ یہی انسانی حکومت انسان پر ہر فتنہ وفساد کی جڑ بنیاد ہے کیونکہ کوئی انسان بھی دوسرے انسان کی حکومت وفوقیت کو انسانی حیثیت سے تسلیم نہیں کرسکتا کہ انسان انسان سب برابر ہیں۔ اور جبراً تسلیم کرائی جائے گی تو یہیں سے انکار وبغاوت کا فتنہ سر اُبھارے گا جس سے فسادات عداوتیں سر پھٹول لعن طعن وغیرہ کی حرکات رونما ہوں گی۔ اور ایسی ریاست و حکومت منبع فساد ثابت ہوگی۔ ارشاد نبوی ہے۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم ویحبونکم وتصلون علیھم ویصلون علیکم وشرار ائمتکم الذین تبغضونھم ویبغضونکم وتلعنونھم ویلعنونکم۔ (مشکوٰۃ ص۳۱۹)

تمہارے بہترین اُمراء وہ ہیں کہ تم تو اُن سے محبت کرو اور وہ تم سے محبت رکھیں۔ تم اُن پر رحمت بھیجو اور وہ تم پر رحمت بھیجیں۔ اور تمہارے بدترین امام وامیر وہ ہیں کہ تمہیں تو اُنسے بغض ہو اور اُنھیں کا تمہیں بغض ہو تم اُن پر لعنت بھیجو اور وہ تم پر لعنت بھیجیں۔

پس ایک خدا ہی کی ذات بابرکات ہے جس کی حکمرانی بلا استثناء ساری کائنات تسلیم کرسکتی ہے اور عالم کا سیاسی فساد ختم ہوسکتا ہے سو اسی کو اسلام

نے دنیا کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

امیر بہ پابندیٔ شوریٰ کے آثار لطیفہ

شوریٰ کی ضرورت

پھر اقتدار اعلیٰ اور میزان اعلیٰ کے ساتھ جب مَلَاءِ اعلیٰ کا نمونہ یعنی مجلس شوریٰ کو منتھی کر دیا جائے تو اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام میں قانون سازی کے لئے تو کسی مجلس کا قیام عمل میں نہیں لایا جا سکتا۔ لیکن قانون فہمی کے لئے مجلس ناگزیر ہے کیونکہ جب اس امارت میں حکمرانی قانون خداوندی کی ہے اور قانون خداوندی انسانی قانون نہیں ہے جسے دس بیس دماغوں نے مل کر بنا لیا ہو بلکہ خدائی آئین ہے جو سارے عالم کے دماغوں سے بالاتر اور سارے دماغوں کے ہر ہر گوشہ پر محیط ہے اس لئے اُس کے جامع احکام میں سے مناسب وقت ہدایات اخذ کرنے میں ایک دماغ کام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ جو قانون سارے دماغوں کے مجموعہ پر حاوی ہونے کے لئے اُتارا گیا ہو اُس کے مجموعہ پر ایک جزئی اور شخصی دماغ حاوی کیسے ہو سکتا تھا اس لئے امیر اور قانون سماوی کے ساتھ مجلس شوریٰ لازم کی گئی۔

شوریٰ کا وظیفہ منصبی

پس شوریٰ کا اہم اور بنیادی کام یہ ہے کہ امیر کو نہ قانون سماوی سے باہر جانے دے اور نہ قانون کے اندر غلط روی اختیار کرنے دے اس لئے اسلام میں امیر کو مجلس شوریٰ کا پابند بنایا گیا یعنی احکام کی تنقیح و تحقیق اور تدابیر نفاذ تدابیر تحفظ ملک و ملت تدابیر و ماغ و جنگ اندرونی اور بیرونی واقعات وحالات کے مناسب مسائل و احکام کا انتخاب و تعین وقت کے مناسب کلی

احکام سے جزئیات عمل کا استنباط، جزئیات مسائل پر بتقاضائے وقت قیاس اور حکم کا تعدیہ وغیرہ جیسے اہم اُمور میں امیر کے لئے استشارہ و مشورہ لازم قرار دیکر امارت کا بنیادی جزو بنا دیا گیا ہے۔ پس اسلام میں امارت مطلقہ نہیں بلکہ امارت شورائیہ ہے۔

ڈکٹیٹرشپ اور استبداد کی نفی

نیز اقتدار اعلیٰ کے ساتھ ملاء اعلیٰ یعنی امیر کے ساتھ مجلس شوریٰ کا جوڑ لگا دینے سے ایک طرف تو شخصی سلطنت اور استبداد کی جڑ کٹ جاتی ہے اور ڈکٹیٹرشپ کسی نہج سے بھی اسلامی چیز قرار نہیں پاتی ساتھ ہی موروثیت اور خاندانی گدی نشینی کی بھی جڑ نکل جاتی ہے اور امیر صالح کا انتخاب اساسی چیز قرار پا جاتا ہے۔

خلافت سے خاندانی موروثیت کی نفی

نیز اہل حل و عقد یعنی مجلس شوریٰ کا سب سے اہم اور نازک فریضہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ وہ بیدار مغزی اور اعلیٰ ترین فکر و نظر سے ایسی موزوں شخصیت کا انتخاب کریں جو دنیائے خلافت کی سرداری کے لئے اہل اور اصلح ہو۔

پس جس سلطنت کی عمارت ڈکٹیٹرشپ پر کھڑی ہو یا جس کا بنیادی اصول صلاح و رشد سے قطع نظر کر کے محض خاندانیت اور حکومت کی موروثیت ہو تو یقیناً یہ کوئی شرعی اور اسلامی اُصول نہ ہوگا اور نہ ایسی موروثی حکومت جس میں ذاتی قابلیت سے قطع نظر کر لی گئی ہو اسلامی رنگ کی حکومت قرار نہیں پا سکتی

امیر اور حق فیصلہ

ہاں پھر باوجود امیر کے پابند مشورہ کر دیئے جانے اور بغیر مشورہ قدم نہ اٹھانے کے مرجع الامراء اور مطلع خلائق خلیفہ و امیر ہی کو قرار دیا گیا ہے

یعنی اُمورِ مشورہ طلب میں بعد مشورہ فیصلہ کرنا امیر کا کام ہوگا نہ کہ شوریٰ کا۔ کیونکہ جیسے تجویزِ حکم نام ہے حکومت کا ایسے ہی حکم کی شقوق وجوانب میں انتخاب وترجیح نام ہے خلافت وامارت کا اگر یہ ترجیح وانتخاب بھی شوریٰ ہی کا کام ہو تو ہر رائے دہندہ اپنی ہی رائے کو مرجح قرار دے گا اور اس ترجیح کے اختلاف کے لئے پھر کسی مرجح کی ضرورت پیدا ہو جائے گی اور تسلسل کی سی صورت بن جائے گی۔ پس جو مبتلائے اختلاف آراء ہے وہ خود مرجح آراء نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر یہ ادارہ (شوریٰ) خود ہی قوۃ فیصلہ کا بھی مالک ہوتا تو وہ اختلاف آراء میں مبتلا ہی کیوں ہوتا؟ اختلاف رائے خود ہی عدم فیصلہ کی دلیل ہے پس جو فیصلہ نہیں کر سکتا اُسے مالک فیصلہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے؟۔

غرض مبتلائے اختلاف مُعالج اختلاف نہیں ہو سکتا اس لئے حدود دلائل میں رہ کر فیصلہ ترجیح امیر کے ہاتھ میں ہونا ناگزیر تھا نہ کہ شوریٰ کے ہاتھ میں۔ نیز جو حکم میں مشورہ لےگا وہی مشورہ قبول بھی کرے گا اور بیک دم دو متضاد مشوروں کا قبول کرنا ناممکن ہے اس لئے عقلاً بھی قبول کنندہ ہی کو ترجیح وانتخاب رائے کا بھی حق ہونا چاہیئے۔ پس یہ امیر ہی کا کام ہوگا کہ وہ مشوروں کی شقوق وجوانب میں سے موزوں ترین جانب اور اصلح ترین شق کا انتخاب کرے۔

کثرت رائے اور قوت رائے

اس سے کثرۃ رائے کو فیصلہ کا بنیادی اصول قرار دیئے جانے کی جڑ کٹ جاتی ہے یعنی امیر منتخب شوریٰ کی آراء میں رائے شماری کر کے اکثریت واقلیت کا پابند نہ ہوگا بلکہ قوۃ دلیل کا پابند ہوگا۔ پس قوۃ دلیل اساسی چیز ہوگی نہ کہ کثرت رائے کہ زیادہ افراد کا کسی ایک

جانب آجانا اسلام میں حق و باطل کے فیصلہ کے لئے کوئی بنیادی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس لئے فی نفسہ اکثریت کو اسلامی قانون (قرآن حکیم) نے کوئی بھی وقعت نہ دیتے ہوئے حد درجہ غیر اہم ٹھیرایا ہے۔ اور دین و ملک اور دیانت و سیاست کے تمام ہی دائروں میں نفس اکثریت کی بے وقعتی اور بے اعتباری کھلے لفظوں میں ظاہر کی ہے۔ قرآن حکیم نے ایک سے زائد جگہوں میں فرمایا۔

کثرت رائے کی بے وزنی

وما اکثر الناس ولو حرصت بمومنین	اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کا کیسا ہی جی چاہتا ہو۔
ولکن اکثر الناس لا یؤمنون	لیکن اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے۔
واکثرهم لا یعقلون	اور ان میں سے اکثر آدمی نہیں سمجھتے۔
ولکن اکثر الناس لا یعلمون	اور لیکن اکثر آدمی علم نہیں رکھتے۔
ولکن اکثرهم یجهلون	لیکن ان میں زیادہ جہالت کی باتیں کرتے ہیں۔
ولکن اکثرهم للحق کارهون	اور ان میں اکثر لوگ حق بات سے نفرت کرتے ہیں۔
وان اکثرهم فاسقون	اور ان میں سے اکثر نافرمان ہیں۔
وما یتبع اکثرهم الا ظناً	اور انہیں سے اکثر لوگ صرف بے اصل خیالات پر چل رہے ہیں۔
ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً	اور یقیناً بے اصل خیالات امر حق میں ذرا بھی مفید نہیں
وان کثیرا من الناس عن آیاتنا لغافلون۔	اور حقیقت یہ ہے کہ بہت سے آدمی ہماری عبرتوں سے غافل ہیں۔
وما وجدنا لاکثرهم من عهد	اور اکثر لوگوں میں ہم نے وفائے عہد نہ دیکھا۔
واکثرهم کاذبون۔	اور ان میں سے اکثر جھوٹے ہیں۔

ولقد ضل قبلهم اکثر الاولین

اور ان سے پہلے بھی اگلے لوگوں میں اکثر گمراہ ہو چکے ہیں۔

لقد حق القول علیٰ اکثرهم فهم لا یؤمنون۔

ان میں سے اکثر لوگوں پر بات ثابت ہو چکی ہے سو یہ لوگ ایمان نہ لاویں گے۔

وکثیر حق علیه العذاب

اور بہت سے ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو گیا ہے۔

کم من فئة قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن الله

کثرت سے بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آگئیں ہیں۔

ویوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیاً وضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین۔

اور حنین کے دن بھی جبکہ تمکو اپنے مجمع کی کثرت پر غرہ ہو گیا تھا پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کار آمد نہوئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگی کرنے لگی پھر تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب ولو اعجبک کثرة الخبیث۔

آپ فرما دیجئے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں گو تجھ کو ناپاک کی کثرت تعجب میں ڈالتی ہو۔

وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل الله ان یتبعون الا الظن وان هم الا یخرصون

اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ انکا کہنا ماننے لگیں تو وہ آپکو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں۔

پس قرآن نے دنیا کی اکثریت سے ایمان کی نفی کی ہے۔ عقل کی نفی کی۔ علم کی نفی کی۔ محبت حق کی نفی کی۔ تحقیق حق کی نفی کی۔ تیقظ و بیداری اور فہم سلیم کی نفی کی۔ وفاء عہد کی نفی کی۔ ہدایت کی۔ ثواب آخرت اور جنتی ہونے کی نفی کی۔ جہاد میں اکثریت کے گھمنڈ پر فتح و نصرت کی نفی کی۔ استعمالی اشیاء

میں اکثریت سے حلال وطیب ہونے کی نفی کی۔ گویا واضح کردیا کہ دنیا میں ہر دائرہ کی اکثریت معیارِ حق تو کیا ہوتی مرکزِ باطل ہے کیونکہ بلحاظِ واقعہ دنیا کی اکثریت ۔حماقت۔ جہالت۔ کراہتِ حق۔ اٹکل کی پیری۔ غفلت۔ بدعہدی۔ ضلالت۔ عذابِ اخروی۔ جہنم رسیدگی شکست خوردگی وغیرہ کا شکار ہے۔ اس لئے محض عددی اکثریت اسلامی اصول پر کیا قابلِ وقعت قرار پاسکتی تھی کہ اُسے حقوق کے لئے فیصلہ کن اصول تسلیم کیا جاتا اور امیر کو اس کا پابند کردیا جاتا۔

کثرۃ رائے کہاں اور کس شرط سے معتبر ہے

البتہ کثرت رائے کی شرعی حیثیت قطع نزاع سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں رکھتی جب کہ مسئلہ ذوجہتیں ہو اور اس کی دونوں جانبین مباح اور کسی نہ کسی جہت سے جواز کا پہلو رکھتی ہوں تو کثرت رائے سے ایک جانب کو ترجیح دی جاسکتی ہے بشرطیکہ یہ اکثریت اہل دیانت کی ہو ورنہ خائنوں یا بے احتیاط افراد کی اکثریت کے مقابلہ میں بلاشبہ اُن افراد کی اقلیت قابل ترجیح ہوگی جس کی دیانت و امانت مسلم اور جن کا فہم و ذوق سلیم معروف ہو۔ ساتھ ہی یہ ترجیح و تعیین منصوصات میں مخل نہ ہو اور محدثات کے لئے معین نہ ہو۔ نیز اس کی پاس کردہ جانب پر اتنا زور بھی نہ دیا جائے کہ جانب مخالف قابل ملامت قرار پا جائے یعنی اسں جائز الفعل والترک امر میں اگر جانب فعل کثرۃ رائے سے ترجیح پا جائے تو ترک فعل کی جانب مکروہ وممنوع نہ ٹھہر جائے اور اگر جانب ترک مرجح قرار پائے تو فعل کی جانب قابل نکیر فکر و ملامت نہ سمجھی جائے۔ کہ اسکے

بغیر وہ امر مباح نہیں رہ سکتا بلکہ اباحۃ کی حدود سے نکل کر یا حد واجب میں آجائیے گا یا حد حرام میں اور ظاہر ہے کہ کسی مباح کو رائے سے خواہ وہ اکثریۃ کی ہو یا اقلیت کی واجب و حرام بنانا شارع کے سوا کسی کا بھی حق نہیں اور کہا جائے گا تو بھی وہ ابتداع و بدعۃ ہو گا جس کی مذمت سے شریعت بھری پڑی ہے نیز یہ مرجح الکثریت بھی عوام کی معتبر نہیں بلکہ اُن اہل علم وفضل کی جنہیں ذوق تشریع اور حکمت شریعت سے حصہ ملا ہے۔ ورنہ عوام الناس کی اگر کلیۃ بھی کسی مسئلہ میں پیدا ہو جائے تو اُس کی کوئی وقعت نہیں ہو سکتی۔ بہرحال اکثریت قاطع نزاع بن سکتی ہے جب کہ مباحات میں ہو اہل علم وفضل کی ہو اور پھر وہ حدود میں بھی رہے اتنی قیود کے ساتھ مباحات کی جوانب کا تعین اجتماعی حیثیت سے ہو سکتا ہے۔ پس منصوصات فرائض واجبات سنن مستحبات مکروہات۔ محرمات اور لاینبغیات وغیرہ بھی کثرۃ رائے کے اُصول کے نیچے نہیں آتے پھر مباحات بفیصلہ عوام بھی اکثریت میں نہیں آتے نیز ترجیح مباحات خارج از حدود اباحۃ بھی اکثریۃ کے تحت میں نہیں آتے اس لئے کثرۃ رائے کا دائرہ ان حدود و قیود اور متعدد شرائط کی بناء پر کافی تنگ ہو جاتا ہے جسمیں عوام الناس یا رسمی کمیٹیوں کو طمع کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔

پھر ساری شروط بھی جمع ہو جائیں مگر معاملہ ہو حقوق کا تو اُس میں محض عددی اکثریۃ کوئی حجیت کی شان نہیں رکھتی جب تک کہ قواعد شرعیہ اُس کی مساعدۃ نہ کریں لیں۔ اصل فیصلہ قواعد شرعیہ پر ہو گا نہ کہ اکثریت کے عدد کے جمع ہو جانے پر

اندریں صورت امیر کو مطلقاً اس عددی اکثریت کا تابع اور محکوم قرار دید یا جانا بلاشبہ قواعد شرعیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اکثریت محض قاطع نزاع کا درجہ آتی ہے نہ کہ حجت کا اور ظاہر ہے کہ حقیقی طور پر قطع نزاع کا رتبہ اُس سے بڑھکر امیر کو حاصل ہے ورنہ امیر کی حاجت ہی نہ تھی اس لئے امیر محکوم اکثریت نہیں ہو سکتا ورنہ قلب موضوع ہو جائے گا اور امیر کی یہ محکومیت آمریت شوریٰ اور مجبوریت امیر پر منتج ہو گی جس کا حاصل لامرکزیت و فوضویت ہو گا۔ اور یہ بھی قلب موضوع ہے۔

بہرحال امارت بلاشوریٰ استبداد اور ڈکٹیٹری ہے اور شوریٰ بلا امیر فوضویت اور لامرکزیت ہے۔ اسلام نے اپنی کمال جامعیت و اعتدال فوازی سے شخصیت وجمہوریت کو جمع کرتے ہوئے امیر مطاع رکھ کر تو لامرکزیت کو ختم کر دیا تاکہ خلافت آلہی تشتت اہوار اور مداخلت عوام سے محفوظ رہے اور باا ثر شوریٰ رکھ کر امیر کے استبداد اور مطلق العنانی کو توڑ دیا ہے تاکہ انفرادیت اور شخصی جذبات و تجبر کا پوری اُمتہ شکار نہ بن جائے۔ پس اسلامی حکومت میں شخصیت بھی ہے اور جمہوریت بھی۔ نہ شخصیت جمہوریت سے مستغنی ہے اور نہ جمہوریت شخصیت سے بے نیاز ہے اسلام نے شخصیت وجمہوریت کے اس حکیمانہ جوڑ بند سے دونوں کے انفرادی مفاسد سے تو امارت کو بچا لیا ہے۔ اور دونوں کے اجتماعی منافع سے اُسے مالا مال کر دیا ہے۔ نہ رسمی جمہوریت کی افراط باقی رکھی نہ موروثی شخصیت کی تفریط قائم رکھی بلکہ امارت شورائیہ میں حقیقی اعتدال و جامعیت پیدا کر کے اُسے کامل ہیئۃ اداری عطا کر دی ہے۔

جو اسلام ہی کی عالم گیر شان ہو سکتی تھی۔ پس اسلام میں امیر محتاج مشورہ بھی ہے اور صاحب عزم بھی ہے یعنی اُس کی احتیاج کا پہلو بھی قائم ہے تاکہ وہ مغرور نہ ہو جائے اور اُس کے استقلال کا پہلو بھی قائم ہے تاکہ وہ ضعیف نہ ہو جائے کہ تنفیذ احکام میں رُکاوٹ ہونے لگے۔ ان دونوں مقاموں کو قرآن نے جمع فرما کر اعلان کیا ہے۔

وشاورھم فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی اللہ۔ | اور ان سے خاص خاص باتوں میں مشورہ لیتے رہا کیجئے پھر جب آپ رائے پختہ کرلیں تو خدا تعالیٰ پر اعتماد کیجئے۔

امیر با مقصد خلافت کے آثار طیبہ

پھر اقتدار اعلیٰ قانون اعلیٰ۔ اور ملاء اعلیٰ یعنی امیر عامہ قانون سماوی اور مجلس شوریٰ کے ساتھ مقصد اعلیٰ یعنی تربیت خلق اللہ کا نصب العین شامل کر دینے سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی حکومت کا نصب العین نہ استعمار ہے نہ دنیا کی قوموں کا استعباد (غلام سازی) ہے نہ تکثیر دولت ہے نہ جوع الارض ہے نہ تجارت وانتداب ہے نہ روٹی ہے نہ کرسی ہے نہ قوی وضعیف کے جتھے بنا کر اُنھیں آپس میں لڑانا اور حکومت کرنا ہے بلکہ صرف وصرف ایک ہی نصب العین ہے جس کا حاصل تہذیب نفس تربیت خلق اللہ تزکیۂ قلوب اور تکمیل خلق وعمل ہے یعنی عالم میں شائستگی پھیلانا اور بھٹکی ہوئی دنیا کو راہ راست پر لا کر خدائے واحد کی بندگی سکھلانا ہے تاکہ دنیا میں نیکی اُبھر کر رہے اور بدی پست ہو کر رہے اور ہر انسان کامل ومکمل انسان بن کر خلافت ربانی کا اہل بن جائے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے پس جو غرض انسانوں کی تخلیق سے ہے یعنی طاعت وعبودیت کے راستہ سے انسانیت

کی تکمیل کرنا وہی غرض وغایت ہے خلافت کی گویا خلافت مقصد تخلیق کو عملاً پورا کرنے کے لئے لائی گئی ہے۔ اسی لئے خلافت کے سب سے نمایاں اور سر آوردہ فرد یعنی امیر المومنین کو امام صلوٰۃ۔ امام حج۔ امام جہاد۔ امام زکوٰۃ اور بالفاظ مختصر امام عبادت بنایا گیا ہے تاکہ امیرانہ امارت کی طاقت سے انسانوں کی تہذیب نفس اور عبودیت کی حفاظت کرے اور انہیں راہ عبودیت پر ڈالے۔

مقصد خلافت تکمیل مادیت نہیں

اس سے خالص مادی ترقیات یعنی روحانیت سے کٹ کر مادیات میں گم ہو جانے کو سلطنت کا نصب العین بنا لینے کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ اور واضح ہو جاتا ہے کہ اسلام میں مادیات محض وسائل کا درجہ رکھتے ہیں جنہیں مقاصد کے لئے بقدر ضرورت اور حسب ضرورت اختیار کیا جاتا ہے اس لئے اسلامی حکومت کو مادیات اور نفسانیات کی لائن اختیار کرنے سے کلیۃً تو نہیں روکا جائے گا البتہ اسی کو مقصد حکومت بنا لینے اور صرف اس میں منہمک ہونے سے ضرور روکا جائے گا

خلافت میں روٹی اور معاشی مسئلہ کا حل

مادیات میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ روٹی کا مسئلہ اور نفسانیات میں سب سے اونچا مسئلہ جاہ ومنزلت کا مسئلہ سمجھا جاتا ہے لیکن اسلامی خلافت نے ان دونوں امور کو کوئی مسئلہ یا موضوع ہی قرار نہیں دیا۔ بلکہ بہت ہی غیر اہم بنا کر مگر پختہ اور متین اصولوں سے اس کا حل کر دیا ہے۔ جاہ کے مسئلہ کو ذوق انکسار و تواضع اور عبدیت سے حل کیا ہے۔ اور روٹی یا معاش کے مسئلہ کو ذوق کسب اور استغناء و توکل سے حل کیا ہے گویا یہ جتلایا ہے کہ یہ امور مسئلہ اور موضوع بننے کے قابل نہیں ہیں کہ انہیں مقصد

زندگی ٹھیرالیا جائے اور جب کہ موضوع خلافت مقصد زندگی کی تکمیل ہے تو روٹی اور جاہ کا مسئلہ موضوع خلافت اور اُس کی غرض وغایت بھی کبھی نہیں بن سکتا تاہم خلافت نے اسے پھر بھی بسہولت اس لئے حل کردیا ہے تاکہ خلافت کی رعایا معاش اور تخیلات ووساوس میں اُلجھے بغیر بے فکری کے ساتھ فرائض عبودیت انجام دے سکے۔

آج کی دنیا معاشی مسائل کی الجھنوں میں بے طرح پھنسی ہوئی ہے اور روٹی کا مسئلہ عموماً حکومتوں کا اساسی اور بنیادی مقصد بن چکا ہے انسان نے اپنی رزاقی خود اپنے ذمہ لیلی ہے اور حقیقی رزاق سے استغنا و بے فکری انتہا کو پہونچادی ہے۔ آج کا ہر فرد بشر اور ہر حکومت غلطان اور پیچاں ہے کہ انسانوں کو خوراک اور غذا کس طرح بہم پہونچائی جائے کہ لوگ بھوکے ننگے نہ رہیں۔ لیکن دماغوں کی تگ ودو سے اس مسئلہ کا صحیح حل ابھی تک تلاش نہیں کیا جاسکا اور روز بروز یہ مسئلہ پیچیدہ اور ناقابل حل ہوتا جارہا ہے۔

وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ حل موقوف ہے دولت کی صحیح تقسیم پر کہ نہ اُس میں افراط ہو نہ تفریط یعنی نہ یہ صورت ہو کہ وہ ہر طرف سے کھنچکر کسی ایک ہی طبقہ میں سمٹ آئے جسے سرمایہ داری کہتے ہیں اور نہ یہ ہو کہ ایک طرف سے اُس کے سارے سوت بند ہو کر وہ ایک طبقہ سے غیر معمولی طور پر ختم ہوجائے جسے مزدوری کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ فی زمانہ دولت کی اس غیر معتدل تقسیم نے ایک کنارہ پر سرمایہ دار اور دوسرے کنارہ پر مزدور کو کھڑا کردیا ہے اور درمیان کا اعتدالی نقطہ خالی رہ گیا کہ اُس پر کوئی بھی کھڑا ہوا نہیں اس لئے

قدرتی طور پر ان دونوں طبقوں میں جنگ جاری ہے کہ افراط و تفریط میں ٹکراؤ قدرتی ہے وہ تو صرف نقطۂ اعتدال ہی میں ہو کہ جس میں دونوں کنارے جمع ہو جاتے ہیں اور ٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے۔

دنیوی سلطنتیں معاش کا مسئلہ حل نہیں کر سکتیں

اس جنگ کو ختم کرنے کی ایک صورت تو یہ ہے کہ سرمایہ داری کو جبراً ختم کر دیا جائے۔ اور سب کو مزدوروں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جائے۔ تاکہ معاشی مساوات پیدا ہو جائے۔ لیکن اس میں طبعی طور پر سرمایہ دار طبقہ میں غم و غصہ پیدا ہو جانا ناگزیر ہے کیونکہ جس طبقہ میں آگے بڑھنے کی صلاحیت ہو خواہ کسی بھی میدان کی ہو جب بھی اُسے جبراً اُس سے روک دیا جائے گا یا اُس کی صلاحیتوں کا ثمرہ جبراً اُس سے چھین کر دوسرے کو دیدیا جائے گا۔ تو اُس میں غم و غصہ کا پیدا ہو جانا امر طبعی ہے، جس کا نتیجہ ذہنی جنگ کا بقاء و استحکام اور طبقاتی جنگ کا انجام ملک کی بد امنی اور بد امنی سے پھر معاش کی تباہی ہے اس لئے یہ معاشیات کا علاج نہ ہوا بلکہ مرض کی پرورش ہوئی۔ دوسری صورت یہ ہے کہ مزدوروں کو سرمایہ داروں کی لائن میں لے آیا جائے اور کوئی مزدور ہی دنیا میں باقی نہ رہے سب سرمایہ دار ہی ہو جائیں اور اس طرح معاشی مساوات پیدا کی جائے اس میں مزدور کے لئے غم و غصہ کی تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی لیکن یہ سرمایہ کا زوال ہے کیونکہ جن کارخانوں سے سرمایہ نکلتا ہے اُن کی بقاء و زندگی مزدور سے ہے۔ جب مزدور نہیں تو کاروبار بھی نہیں اور یہ نہیں تو مال اور سرمایہ بھی نہیں اور سرمایہ نہیں تو حکومت بھی نہیں تو یہ علاج نہ ہوا بلکہ تکمیل مرض ہوئی اور موت کو دعوت۔

مگر اس وقت دنیا میں یہی دو علاج جاری ہیں ایک روس کی طرف سے اور ایک امریکہ کی طرف سے۔ لیکن جوں جوں ان علاجوں پر زور دیا جا رہا ہے ووں ووں مریض کی حالت بگڑتی جاتی ہے اور مریض جاں بلب ہوتا جا رہا ہے

ہر چہ کردند از علاج و از دوا
مرض افزوں گشت و حاجت نا روا

تیسری صورت یہ ہے کہ جنگ کے ان دونوں مقاموں کو چھوڑ دیا جائے یعنی نہ سرمایہ داری کی افراط رہے نہ مزدوری کی تفریط بلکہ ان دونوں کو درمیان کے اُس معتدل نقطہ پر لا کر جمع کر دیا جائے جو اب تک خالی پڑا ہوا تھا۔ تاکہ سرمایہ داری اور مزدوری خلط ملط ہو کر ایک درمیانی اور بین بین شکل پیدا ہو جائے۔ جس کا حاصل یہ ہو کہ طبقاتی تقسیم ہی سرمایہ کے معیار سے باقی نہ رہے کہ ایک سرمایہ دار ہو اور ایک فاقہ مست بلکہ سب کے سب طبعی فرق مراتب کے ساتھ ایک حد تک سرمایہ دار بھی ہوں اور سب ہی کے سب ایک حد تک محنتی اور مزدور بھی ہوں۔ تاکہ معاش میں فی الجملہ یکسانی اور مساوات کا رنگ پیدا ہو جائے۔ کیوں کہ اصول یہی ہے کہ جب طبقات میں کوئی غیر طبعی معیار وجہ جنگ بن جائے تو اُسے باقی رکھکر اصلاح کی بے ثمر سعی کرنے کے بجائے لڑنے والوں کے سامنے سے وہ معیار ہٹا دیا جانا اور کوئی دوسرا طبعی معیار سامنے رکھدیا جانا ہی خاتمۂ جنگ کا ذریعہ بن سکتا ہے اور وہ بھی خالص جبری انداز سے نہیں کہ یہ تو دوسری جنگ کا آغاز ہو جائے گا بلکہ سیاست و اخلاق کی مجموعی طاقت سے۔ تاکہ نہ کسی طبقہ کی خوشدلی مٹنے پائے اور نہ

دوسرے طبقہ میں بے فکری پیدا ہونے پائے۔

دوسرے لفظوں میں اس کا حاصل یہ ہے کہ تقسیم دولت یا معاشی مساوات کے جذبہ میں نہ تو انفرادی ملکیت کا اصول مٹایا جائے اور نہ اُسے حد افراط تک وسیع میدان دیا جائے۔ تاکہ جن ذہنیتوں میں آگے بڑھنے کی صلاحتیں ہیں وہ فنا بھی نہ ہونے پائیں اور جن میں صلاحیت نہیں ہے وہ دوسروں کی صلاحیت سے انتفاع کے خوگر ہو کر عہدی بھی نہ بننے پائیں اور اس طرح حق تلفیوں اور بے جا رعایتوں کی مضرت سے قوم محفوظ رہے۔

خلافت نے کس طرح روٹی کے مسئلہ کا حل کیا | اسلامی خلافت نے کسب و دولت اور تقسیم دولت کا یہی معتدل نقطہ پیش کیا ہے جس میں طبقاتی جنگ اور منافرت قائم ہونے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہتی۔

مالیات کی بنیاد جمع پر نہیں تفریق پر ہے | اُس کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ اُس نے مالیات کو جمع کے اصول پر قائم نہیں کیا بلکہ تفریق کے اصول پر قائم کیا ہے۔ ارشاد نبوی ہے۔

الدنیا دار من لا دار لہ ولھا یجمع من لا عقل لہٗ

دنیا گھر انہ اُس کا ہے جس کے لئے گھر ہی نہیں اور اُسے جمع وہ کریگا جسے عقل نہیں۔

زکوٰۃ و صدقات | اس اصول کی رُو سے اُس نے مال تجارت پر سال بھر میں چالیسواں حصہ واجب الاداء ٹھیرایا جو غرباء کا حق ہے۔ نقد ہو تو اُس کا چالیسواں حصہ۔ مویشی ہوں تو چالیس بکریوں پر مثلاً ایک بکری واجب التقسیم ہے اونٹوں میں کم از کم پانچ پر ایک بکری غریبوں کا حق ہے اس طرح دوسرے جانوروں میں بھی

حسب حساب حصّے قائم فرمادیئے زمینوں کی پیداوار پر عُشر قائم فرمادیا تاکہ کھیتی کا یہ دسواں حصّہ غریبوں کا حصہ قرار پائے۔

تفریق خزانہ اور دفینہ | اگر خزانہ ہاتھ لگ جائے تو خُمس یعنی پانچواں حصّہ واجب الادا قرار دیا۔ پھر سال بھر میں زکوٰۃ کے علاوہ ہر عیدِ فطر کے موقعہ پر صدقۂ فطرہ واجب الادا قرار دیا۔

فطرہ و قربانی | ہر عید قرباں کے موقعہ پر صاحب استطاعۃ پر قربانی واجب ٹھیرائی اور اُس میں بھی دوسروں کا حق رکھا۔

غرض اس طرح زمین۔ مال۔ اور جانوروں میں سے دولت کا ایک حصّہ قانوناً غریبوں کے لئے حاصل کر لیا جاتا ہے۔

کفارات | پھر کفارات کے صدقے قائم کئے جیسے روزۂ رمضان قصداً توڑ دیا تو کفارۂ صیام۔ بیوی کو کوئی کلمہ خلاف شان زوجیت بولدیا تو کفارۂ ظہار قسم کھاکر توڑدی تو کفارۂ یمین نمازیں رہ گئیں اور مرگیا تو کفارۂ صلوات اور ان سب کفارات کا فائدہ صرف غربا رہی کے حق میں رکھا گیا ہے کہ انھیں ہی یہ مال کفارہ دیا جائے گا۔ اس طرح یہ مال بھی قانوناً لیا جاتا ہے گو اس کا سبب وجوب خود اپنا اختیاری ہے۔ بہرحال مال کا کچھ حصّہ ان حوادث کے سبب منقسم ہوجاتا ہے جو حادثاً لوگوں میں پیش آتے رہتے ہیں۔

نذر اور منت | نذر اور منت اگر مانی تو اُس کا فائدہ پھر غربا رہی کو ہوتا ہے۔ حج کے موقع پر قربانیوں کی مختلف انواع ہیں جو بحالات مختلفہ واجب ہوتی ہیں وہ صرف غربا رہی کے مفاد پر منتج ہوتی ہیں۔

مالیات میں مذہبیت کا رنگ | پھر صدقات واجبہ کے علاوہ صدقات نافلہ کی ترغیبیں اس کثرت سے شریعت میں دی گئیں کہ آدمی ثواب آخرۃ کی طمع میں مالی طمع کی طرف کوئی ادنیٰ دھیان بھی نہیں لا سکتا۔ بلکہ ہر ہر موقع پر راہ خدا میں خرچ کرنے کا دل سے خواہش مند اور منتظر رہتا ہے۔ جس سے قومی طور پر اس قوم میں سخاوۃ کی محبت اور بخل سے نفرت قائم ہوگئی۔ صدقات نافلہ کے علاوہ عام مالی خدمات کے سلسلہ میں عزیز و اقربا کے حقوق بھی بتلائے گئے۔ خدمت مہوگاں۔ خدمت یتامیٰ و مساکین اور صلۂ رحم وغیرہ واجبات انسانی میں سے ٹھیرائے۔

حق پڑوس | پھر مطلقاً پڑوسیوں کے حقوق اس قدر رکھے کہ بس میراث میں تو شریک نہیں فرمایا لیکن اہلبیت کے قریب قریب ہی انھیں پہونچا دیا گیا ہے۔ اور ان سے بے پرواہی برتنے پر آفات دنیا و عقبیٰ کی دھمکیاں دی گئی ہیں

قومی چندے | پھر اجتماعی اور قومی خدمات اور چندے وغیرہ۔ ان کے علاوہ ہیں جن کی ترغیبوں سے آیات و روایات بھری ہوئی ہیں۔

وقف | پھر اصل مال کو باقی رکھ کر اس کے منافع کو عام کر دینے کی صورت وقف کے نام سے کی کہ دوامی طور پر زمین۔ مکان وغیرہ کا عین تو باقی رہے مگر منافع عام ہو جائیں تاکہ پوری دنیا اس سے نفع اٹھائے۔

منافع عامہ | پھر اگر کوئی وقف نہ کرے تو بہت سے محال منافع عامہ کے لئے خود شریعت نے قانونی طور پر غیر مملوکہ قرار دیئے جیسے سمندر کے ذخیرے پہاڑ اور پہاڑی جنگلات اور لکڑی وغیرہ کے ذخیرے معدنیات اور نمک وغیرہ فنا شہر

اور ارد گرد کے میدان اور اُن کی گھانس پھونس وغیرہ۔ عام غربا٫ اور اہل حاجات کا حق رکھا جس سے شہر کے سب باشندے فائدہ اُٹھا سکتے ہیں غرض ایک دائرہ انفرادی ملک ہی باقی نہیں رکھی ایک میں رکھی تو اُسے اجتماعی ملک بنا دینے کی راہ وقف کی صورت سے پیدا کر دی اور جہاں شخصی ملک قائم ہی رکھی تو اُسے اخلاقی رنگ سے قلیل در قلیل کر دیا کہ وہ نہ ہونے کے حکم میں رہ گئی۔

سخاوۃ آفریں فضاء دغنا

پھر اتنے طویل حقوق کا میدان وسیع کر کے ایک اخلاقی فضا ایسی قائم فرمائی کہ اپنا محبوب مال اس طرح غربا٫ پر کٹنا طبائع پر سے ایسے شاق ہی نہ رہے بلکہ انتہائی خوشدلی سے بصد طوع و رغبت آدمی ان اخراجات کا منتظر بیٹھا رہے اور وہ یہ کہ جگہ جگہ قرآن وحدیث میں پوری دنیا کو قلیل کہا۔ پوری دنیا کو لہو ولعب تبلایا پوری دنیا کو متاع غرور اور دھوکہ کی ٹٹی تبلایا۔ پوری دنیا کو لذت فانی اور ناپائیدار تبلایا کہ نہ یہاں کی راحت کو قرار ہے نہ مصیبت کو ثبات۔ اس کے بالمقابل آخرۃ کی لذتوں کو دائمی اور ابدی تبلایا۔ کامل و مکمل تبلایا کہ جن میں کوئی نقص اور خلل نہیں۔ غرض دنیا کی طرف سے تو انتہائی بیزاری اور بے وقعتی دلوں میں جما دی اور آخرۃ کی بے انتہا محبت قلوب میں قائم کر دی اور ساتھ ہی دنیا کے خرچ کرنے پر آخرۃ کی تعمیر تبلائی تو اُس سے قدرتی طور پر ایک مسلم کے دل میں مال و دولت کی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی کہ وہ اُس کی تحصیل و تکمیل کو مقصد زندگی قرار دے لے یا غریبوں کے مالی حقوق ادا کرنے میں کسی درجہ کا بھی پس وپیش دل میں لائے بلکہ اور اُسے فنا کرنے اور مٹانے کے جذبات سے دل بھر پور ہوجاتا ہے اور رکھنے سے زیادہ خرچ کرنے

اور غریبوں میں بانٹنے ہی کو آدمی اپنی انتہائی مراد اور کامیابی سمجھنے لگتا ہے۔

میراث اور تقسیم ترکہ

پھر ان ترغیبوں کے ذریعہ غرباء پروری اور فی سبیل اللہ خرچ کرتے رہنے کے باوجود دولت بچ جاتی ہے اور مرتے دم تک آدمی کے پاس رکھ اس کے مرنے پر بطور ترکہ کے رہجائے تو اُسے میراث کے ذریعہ تقسیم کرا دیا گیا ہے اور وہ پھر منتشر ہو جاتی ہے۔

توازن الطبقات

غرض مالیات میں اسلام نے جمع کا اصول نہیں رکھا بلکہ تفریق و تقسیم کا اصول قائم کیا ہے کہ وہ ایک جگہ کسی ایک کے پاس جمع نہ ہونے پائے کہ سرمایہ نام پائے اور سرمایہ داروں کا کوئی جتھہ بن کر ایک مستقل طبقہ کہلائے جس کے بننے سے قدرتی طور پر غیر سرمایہ دار مزدور بھی ایک طبقہ کی صورت اختیار کرے اور اس طرح یہ دو متضاد طبقے آپس میں دست و گریباں ہوں پس غرباء کی پرورش اور اغنیاء کے انکسار کا ایک راستہ ڈالدیا گیا ہے کہ سرمایہ داری اور مزدوری کوئی مسئلہ اور موضوع بھی نہ بننے پائے اور طبعی طور پر امراء خواہی نخواہی جبری و اختیاری اور سیاسی اور اخلاقی ہر رنگ سے غریب پروری میں منہمک رہیں اور اُسے اپنی سعادۃ سمجھتے رہیں۔ اور اس طرح غریب و امیر کے طبقات کا صحیح توازن قائم رہے۔

سرمایہ داری اور ناداری کی تعدیل

اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام نے جبراً تو سرمایہ داری ختم نہیں کی نہ انفرادی اور شخصی ملک کو مٹایا اور نہ ہی کسب مال سے کسی کو روکا۔ لیکن سرمایہ دار کو سرمایہ داری سے نہ روکنے کے باوجود اخلاقی رنگ سے غریب کی تحقیر اور سرمایہ داری کا تخم بھی باقی نہیں چھوڑا یعنی سرمایہ دار کا سرمایہ

بطوع ورغبت اُس کے ہاتھ سے نکلوالیا۔ اِدھر غریب کو محنت اور مزدوری سے نہ
روکتے ہوئے محنت و مشقت کی طرف توجہ دلائی اور پوری ترغیب دی مگر اُسی
اخلاقی رنگ سے رشک و حسد اور امیر کی رقابت کا تخم بھی اُس کے دل سے
نکال کر پھینک دیا۔ پس امراء کو ایثار و سخاوۃ کا سبق پڑھایا اور غرباء کو صبر و
قناعۃ کا۔ اور ساتھ ہی دونوں میں یگانگت باہمی کی راہ بھی پیدا کر دی اور امیر و
غریب کے اس توازن اور معاش کی اخلاقی مساواۃ کے سلسلہ میں نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم کی یہ حکیمانہ حدیث پیش کرتی ہے جو معاشی مسائل کے حل کا زرین دستور
العمل ہے جس نے ایک طرف تو سرمایہ داری کی بیخ کنی کر دی ہے اور ایک
طرف غربت و افلاس کا بیج مٹا دیا ہے اور اس طرح ان دونوں میں خود اُنہی
کے اختیار اور خوشی کے ہاتھوں سے ان میں اعتدال و توازن کا نقطہ پیدا
فرما دیا ہے۔

عن ابی سعید الخدری قال
بینما نحن فی سفر مع النبی صلی اللہ
علیہ وسلم اذ جاءہ رجل علی راحلۃ
لہ قال فجعل یصرف بصرہٗ یمیناً
وشمالاً فقال رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم من کان معہٗ فضل
ظھر فلیعد بہ علی من لا ظھر
لہ ومن کان لہٗ فضل من زاد

ابی سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم کی ساتھ ایک سفر کے دوران میں تھے
کہ اچانک ایک شخص اپنے اونٹ پر سوار حضور کی خدمت
میں حاضر ہوا اور اُس نے دائیں بائیں نگاہیں ڈالنی
شروع کیں (یعنی محتاج تھا اور غربت و ناداری کے
سبب اِدھر اُدھر توقع کی نظر سے دیکھنے لگا) تو رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے پاس کچھ بھی ضرورت
سے زائد بچا ہوا ہو وہ اُسے دینے کیلئے لے آئے جس کے

فليعد به على من لا زاد له. قال فذكر من اصناف المال ما ذكر حتى رأينا انه لا حق لاحد منا فى فضل۔ (رواہ مسلم جلد دوم)

پاس کچھ بھی نہیں۔ اور جسکے پاس بچا ہوا توشہ ہو وہ اُسے دینے کیلئے دے آئے جسکے پاس سفر کا توشہ ہی نہ ہو۔ ابو سعید فرماتے ہیں کہ اسطرح حضور نے بہت سی قسمیں مال کی گن کر فرمائیں کہ جو بھی زائد از ضرورت ہے اُسے غریبوں پر خرچ کر ڈالو یہاں تک کہ ہم یہ سمجھنے لگے کہ شاید ضرورت سے زائد بچے ہوئے کسی مال میں ہمارا کوئی حق ہی نہیں ہے۔

اس سے اندازہ کر لیا جائے کہ شریعت اسلام سرمایہ اندوزی کو کس نگاہ سے دیکھتی ہے اور مزدور اور غریب کی کس درجہ حامی ہے مگر ساتھ ہی سرمایہ کو جمع نہ ہونے دینے کی صورت آئینی اور قانونی اختیار نہیں فرمائی کیونکہ بہرحال کسی صلاحیت مند طبقہ کی صلاحیت و قابلیت کا ثمرہ اُس سے جبراً چھیننے کا کسی کو حق نہیں اور اور چھینا جائے گا تو اُس طبقہ میں جماعتی غم و غصہ پیدا ہو کر طبقاتی توازن مٹ جائے گا۔ پس اس طرح نہ سرمایہ دار کو مٹایا نہ غریب کو مگر دونوں کو معتدل بنا کر اُنھیں باہم مربوط بنا دیا۔

امیر غریب کے ربط باہمی اور تعلق کی نوعیت

اس کا قدرتی مفاد یہ ہے کہ جب ایک غنی جس نے اپنی فطری صلاحیتوں سے سرمایہ کمایا اور اُسے بڑھایا اپنی خوشی اور دلی رغبت سے غریب کی خدمت کرے گا تو اولاً اُسے احسان و سلوک کی خوشی ہو گی جس میں وہ اپنی برتری محسوس کرے گا اور صلاحیت مند کو غیر صلاحیت مند پر برتر ہونا بھی چاہیئے اس لئے یہ احساس برتری اُس کا کوئی گناہ بھی نہیں ہو گا دوسرے وہ رضاء الٰہی کے تصور سے مسرور و مطمئن ہو گا کہ جس کا حقیقتاً یہ مال تھا یعنی خدا کا میں نے اُس کی راہ میں خرچ کر کے اُسکی

رضاء و خوشنودی حاصل کر لی۔ تیسرے اُسے ثواب آخرۃ کی بشاشتہ حاصل ہوگی کہ محبوب اموال کے خرچ ہی سے اُخروی سعادۃ نصیب ہوتی ہے چوتھے اُسے غربا پروری اور شفقت اُن کی ساتھ ہمدردی اور شفقت کی عادت پڑی جس سے اُس کے قلب میں غرور و نخوۃ اور غرباء سے اجنبیت باقی نہ رہی جو سارے مفاسد کی جڑ بنیاد ہے اور بخل کا رذیلہ مٹ گیا جو تزکیہ نفس ہے۔
غرض اس طرح اس سرمایہ دار کی دنیا و آخرۃ بھی بن گئی اور عملی اور اخلاقی حالت بھی درست ہوگئی۔ سرمایہ بھی اس طرح ٹھکانے لگ گیا کہ اب یہ سرمایہ داری باقی نہ رہا! ادھر فقیر کو جب غنی سے اُس کی دوست مختلف راستوں سے حاصل ہوتی رہی تو اولاً تو وہ فقر و احتیاج کی مصیبت سے نکل کر تشویشات زندگی سے بچ گیا ثانیاً اُس میں احسانمندی شکر گذاری اور منت پذیری کے جذبات پیدا ہوئے کہ الانسان عبدالاحسان جس کا قدرتی اثر محسن کی محبت ہے، اور اس طرح وہ غنی سے وابستہ ہوگیا۔ ثالثاً جب غنی کے پاس ان مصارف خیر سے دولت کی افراط نہ رہی اور فقیر کے پاس بقدر ضرورت دولت آجانے سے دولت کی تفریط نہ رہی تو غریب میں سے رشک و حسد اور رقابت کے جذبات نکل گئے۔ رابعاً وہ شکر خداوندی میں راسخ القدم ہوگیا کہ باوجود سرمایہ اندوزی کی صلاحیت نہ ہونے کے اُسے کیا نوازا اور کس طرح اُس کے پاس سرمایہ پہنچا دیا کہ وہ معاشی پریشانیوں سے صاف بچ نکلا غرض اس طرح اس مزدور کی بھی دنیا و عقبیٰ اور عملی و اخلاقی حالت دونوں درست ہوگئیں اور اب وہ غریب غریب نہ رہا جس کا عظیم مفاد یہ نکلا کہ غریب و امیر میں طبقاتی توازن قائم ہوگیا

پس انفرادی دلجمعی بھی حاصل ہوگئی۔ اور اجتماعی بشاشتیں بھی ہاتھ سے نہ گئیں جو ایک صحیح تمدن کی اساس و بنیاد ہیں۔

کمیونزم کے مہلک نتائج

لیکن اگر یہی سرمایہ مزدور کے نام پر اغنیاء سے جبراً وصول کیا جائے اور اس حد تک کہ سایہ اور سرمایہ دار دونوں ہی فنا کے گھاٹ اُتر جائیں اور مزدور پھر بھی مزدور ہی رہے غنی نہ بنے کیونکہ سرمایہ داری کو مٹانے والے مزدور کے حق میں سرمایہ داری کو کیسے گوارہ کرلیں گے تو سرمایہ سے محروم ہونے والے کے دل میں تو غم و غصہ کی آگ بھڑک اُٹھے گی۔ اور مزدور کے دل میں رقابت کی آگ سلگ اُٹھے گی جس سے دونوں کی دنیوی راحت ختم ہوئی پھر نہ مزدور طبقہ کے لئے اپنے کو امراء کا احسانمند سمجھنے کی صورت باقی رہی اور نہ اُمراء کے طبقہ کیلئے غریبوں کے لئے ایثار و براہ کار سمجھنے کا موقعہ رہا اور اس لئے دونوں ایک دوسرے کے رقیب بن گئے جس سے توازن طبقات ختم ہوا اور صحیح تمدن کی جڑیں ہل گئیں۔ ملک فتنوں اور رقابتوں کے سبب جھگڑوں اور فسادات کا جہنم زار بن گیا۔ اور حیاۃ اجتماعی موت اجتماعی میں تبدیل ہوگئی۔ اُدھر مذہب و ملت اور اخلاق کا ان میں پہلے ہی سے تصور نہ تھا رضاء الٰہی کے اعتقاد کے بجائے حظ نفس اور دین کے بجائے لادینی ان اُمور کی بنیاد قرار دی گئی تھی تو آخرۃ بھی نہ رہی۔ اس لئے یہ دونوں طبقے اور ساتھ میں ان دونوں طبقوں کی لڑائی سے فائدہ اُٹھانے والے خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق بن کر رہ گئے۔

اس لئے اسلام اور اُس کی خلافت نے دولت اور روٹی کے مسئلہ کو

اہم نہ بناتے ہوئے نہایت خوبی اور خوبصورتی سے اس طرح حل کر دیا کہ اغنیاً کی دولت کا کچھ حصہ تو قانوناً وصول کیا مگر وہ بھی دین کی راہ میں جس کا دینا باوجود سیاسی حکم کے طبائع پر شاق نہ رہا جیسے زکوٰۃ وصدقات اور نذور و کفارات وغیرہ اور بہت سا حصہ اخلاقاً وصول کیا اور وہ بھی خدا کے نام پر کہ اس کے دینے کا خوش دلی سے دلوں میں جذبہ اور انتظار پیدا ہو گیا اور یہ سرمایہ مختلف راستوں سے غریبوں اور مزدوروں کی جیب میں پہونچ گیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نہ سرمایہ دار سرمایہ دار باقی رہا نہ غریب غریب بلکہ دونوں کے دونوں ایک بین بین اور معتدل نقطہ پر آ کر جمع ہو گئے یا یوں کہو کہ سرمایہ دار بھی قائم رہا اور مزدور بھی مگر دونوں میں سے سرمایہ کی افراط و تفریط ختم ہو گئی جو ان میں رقابت اور جنگ کا باعث ہوتی تھی۔ اور سرمایہ کا اُتنا حصہ اور انداز قائم رہ گیا جو ایک دوسرے کے ساتھ اٹکاؤ اور ملاپ کا ذریعہ قرار پائے اور اس طرح ایک کے مال نے اور دوسرے کی جان نے ایکدوسرے کو خوش دلی سے نفع پہونچایا اور دونوں آپس میں ایک دوسرے کے دست و بازو بن گئے۔ سرمایہ دار مزدور کو اپنی اولاد سمجھنے لگا اور مزدور و غریب سرمایہ دار کو اپنا مربی اور شفیق جاننے لگا اور اس طرح سرمایہ اور مزدوری کوئی مسئلہ یا موضوع نہ بنا کہ طبقات یا حکومتیں اُسے بطور ایک نظریہ یا نعرہ کے لے کر اٹھیں اور دنیا میں فساد مچائیں۔

ظاہر ہے کہ خلافت الٰہی کی اس جامع انشراحات فضا میں ایک کمیونسٹ بھی آسائش کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ اور ایک سرمایہ دار بھی بالفاظ دیگر امریکہ بھی خلافت کے

زیر سایہ رہ سکتا ہے اور رُوس بھی۔ کیونکہ سرمایہ دار سرمایہ دار نہیں رہا اور پھر خوش ہے اور غریب غریب نہیں رہا اس لئے وہ بھی خوش ہے۔ نہ وہ اُس کے خلاف ایجی ٹیشن چاہتا ہے نہ یہ اُس کے خلاف۔

معاشی مسائل کا سیاسی حل صرف اسلام میں ہے

اس سے صاف واضح ہے کہ مالی مشکلات کا حل اور اقتصادی بے چینیوں کا سدّباب صرف اقامتہ دین اور احیاء خلافت الٰہی میں ہے دنیا میں مفسد وہی ہیں جو خدا کے راستہ کو چھوڑ کر خود اپنا راستہ اختیار کرتے ہیں اور اُن کا فاسد دماغ فاسد راستوں پر دنیا کو ڈال کر سارے عالم کو فسادات کا شکار بنا دیتا ہے اور بر و بحر میں فسادات اور ہنگامے برپا رہتے ہیں۔ جیسا کہ آج ہو رہا ہے۔ پس آج کی دنیا سرمایہ داری سے تو طبعی جذبات کے ماتحت اکتا گئی ہے جو اسلام کا ایک جزو ہے۔ لیکن سرمایہ کو ختم کرنے اور مزدور کی دلداری کی کیا صورت ہے؟ اس تک وہ اپنی لاعلمی کے سبب نہیں آسکی ہے اور جس حد تک آئی ہے وہ افراط کا ردِّ عمل ہے جسے تفریط کہتے ہیں۔ بدیں لحاظ وہ بارش سے بچ کر پرنالہ کے نیچے آکھڑی ہوئی جہاں پانی سے پھر بھی چین اور بچاؤ نہ ملا۔ پس سرمایہ داری سے ہٹنے والوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے پروگرام پر غور کریں۔ اُنھوں نے منفی پہلو بھی اسلام ہی کا اختیار کیا ہے اس لئے مثبت پہلو بھی اُنھیں اسلام ہی سے مل سکتا ہے۔ یہ صحیح کہ اُن میں سے متعدد اُمور کے اُصول دوسرے مذاہب میں ہی ملتے ہیں جن کا حاصل ترک دنیا اور ترک لذّات ہے لیکن اسلام نے اُن کا جو لطیف اور مکمل پروگرام اور وہ بھی اجتماعی رنگ میں پیش کیا ہے جس سے سیاسی دنیا مطمئن ہو سکے وہ

کسی مذہب میں نہیں ہے۔ اس لئے ان سیاسی مسائل کا حل مذہبی رنگ میں اگر مل سکتا ہے تو صرف اسلام میں مل سکتا ہے وکفیٰ بہ فخراً۔

خلافت میں پارٹی سسٹم نہیں

جب کہ خلافت یعنی آسمانی بادشاہت کے ظل وعکس کا نصب العین خدائی راستہ ٹھیرا اور اسی پر چل کر روحانیت کی تکمیل اور مادیت کی اصلاح اس کی غرض وغایت ٹھیری تو اسی سے یہ بھی نمایاں ہو جاتا ہے کہ خلافت اسلامی مختلف الخیال پارٹیوں کے ارگن کی حیثیت میں نہیں آسکتی۔ کہ اس کے ذریعے سے مختلف پارٹیاں ووٹ کی طاقت سے برسر اقتدار آکر اپنے نظریات کو پھلنے اور پھیلنے کا موقعہ دیں۔ کیونکہ خلافت کے نصب العین میں نظریات کی بحث ہی نہیں آتی وہاں تو صحیح عقیدہ اور صحیح فکر کے ساتھ انسانیت کو مکمل کر کے بارگاہ الٰہی تک باریاب کرنا ہے نہ کہ عامۃ الناس کے وساوس اور پراگندہ خیالات کو پرورش دے کر دنیا کو ذہنی انتشار میں مبتلا کرنا اور ان کی یک جہتی کو پامال کر دینا ہے جس کا دوسرا نام فساد ہے۔ پس خلافت صلاح ورشد کا آرگن ہے فساد اور شرارتوں کا مخزن نہیں ہے۔

اس نصب العین سے پارٹی سسٹم کی جڑ کٹ جاتی ہے جو اپنے اپنے پارٹی لیڈروں کی زیر سرکردگی اپنے اپنے مختلف نصب العینوں کی حکمرانی کیلئے عوام سے ووٹ حاصل کر کے برسر اقتدار آتے ہیں اور عوام الناس کو تشتت خیال کا شکار بنا کر ان کا دین ودنیا تلخ کر دیتے ہیں پس جو حکومت بھی پارٹی سسٹم کے اصول پر قایم ہوگی جس میں ایک لیڈر اپنا انتخاب خود کر کے عوام کے ووٹ

سے حکومت میں شامل ہوتا ہے وہ یقیناً اسلامی حکومت نہ ہوگی بلکہ ایک ایسی حکومت ہوگی جس میں صلاح پر فساد غالب اور امن وسکون پر بےچینی واضطراب غالب ہوگا اور جو کسی وقت بھی عوام کے لئے سکون واطمینان کا سامان مہیا نہیں کرسکے گی۔

پالیسی

خلافت کی سرکاری پالیسی

پھر جب کہ خلافت میں امارت۔ شوریٰ۔ اور نصب العین سب ہی کچھ آسمانی بادشاہت کے اُصول نظام پر قائم ہے تو یہ کیسے ممکن تھا کہ خلافت کی سرکاری پالیسی آسمانی بادشاہت کی پالیسی سے سرِمو تجاوز کرتی۔ پس جس طرح آسمانی بادشاہت ہر تر وخشک پر حاوی ہے اور یہ بلا رحمت عامہ کے عادۃً ممکن نہ تھا ایسے ہی خلافت راشدہ بھی جبکہ پوری ہی دنیا کیلئے بنائی گئی تھی تاکہ پورے عالم میں ایک ہی دین ہو ایک ہی مسلک ہو ساری قومیں مل کر قوم واحد بن جائیں سب کا ایک ہی پلیٹ فارم ہو جائے اور سب مساوی ہوں تو ظاہر ہے کہ یہ عالمگیری اور اشتراکیت عامہ بھی بلا رحمت عامہ کے ممکن نہ تھی اس لئے خلافت کبریٰ کی سرکاری پالیسی بھی رحمت عامہ ہی قرار پائی کہ اس کے بغیر دنیا کی ہر نرم وگرم قوم اور ہر مزاج ومذاق کی اُمتہ خلافت الٰہی کی طرف جذب نہیں ہوسکتی تھی۔

پس آدم کی وہ خلافت جو ازل میں بمواجھہ ملائکہ علیہم السلام وجمیع مخلوقات اُنھیں عطا ہوئی تھی اپنی طبعی رفتار سے چل کر اور بتدریج مختلف نبوتوں سے گذر کر اور پروان چڑھ کر بالآخر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور

میں خلافت کبریٰ اور خلافت عامہ کی صورت میں آگئی اور اسکا پیغام نہ صرف بنی اسماعیل یا بنی اسرائیل بلکہ دنیا کی ہر قوم کے لئے اور عالم کے ہر خطہ کے لئے تھا اس لئے وہی غلبۂ رحمت جو حکومت الٰہی نے اپنی پالیسی ٹھیرائی تھی اس نیابت کاملہ کی بھی پالیسی ٹھیری اور جیسے حق تعالیٰ نے اپنی صفات میں رحمٰن کو اکبر الصفات اور اغلب الصفات ٹھیرایا تھا ایسے ہی آپ کی غالب صفت بھی رحمت ہی ہوئی اور وہ بھی اتنی وسیع کہ جہانوں کے لئے آپکو رحمۃ فرمایا گیا۔

وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین | اور ہم نے آپکو اور کسی بات کیواسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں پر مہربانی کرنیکیلئے

ایک جگہ فرمایا۔

فبما رحمۃ من اللّٰہ لنت لھم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک فاعف عنھم واستغفر لھم وشاورھم فی الامر۔ | بعد اسکے خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تندخو سخت طبیعت ہوتے تو یہ آپکے پاس سے سب منتشر ہو جاتے۔ سو آپ ان کو معاف کر دیجیے اور آپ انکے لئے استغفار کر دیجیے اور خاص خاص باتوں میں مشورہ دیتے رہا کیجیے۔

ارشاد نبوی ہے۔

انا رحمۃ مھداۃ بعثت الحنیفیۃ السھلۃ السمحۃ البیضاء لیلھا ونھارھا سواءٌ | میں ایک رحمت ہوں جو عالم کو بطور ہدیہ کے دی گئی ہے۔ میں بھیجا گیا ہوں سیدھی سہل چشم پوش اور روشن شریعت دیکر کہ روشنی میں اس کا رات اور دن برابر ہے۔

غرض جیسے آسمانی بادشاہت اور عرش حکمرانی کے نیچے سینکڑوں رحمتیں

چھپی ہوئی تھیں وہ عرش الرحمٰن کے نیچے چھپی ہوئی تھیں ایسے ہی اس فرش حکومت یعنی خلافت کے زیر سایہ بھی ہزاروں رحمتیں رحمۃ للعٰلمین کے دامنوں میں مخفی تھیں اور اپنے اپنے وقت پر نمایاں ہوئیں۔ چنانچہ آپ کی صلح ہو یا جنگ معاشرت یا معاملات چیزوں کی تہ میں رحمت ہی رحمت نظر آتی ہے۔ حتیٰ کہ مکہ کی تیرہ سالہ زندگی بھی جو نہایت ہی پُر آشوب زندگی ہے آپ کی سیاستہ خالص رحمت پر مبنی ہے دشمنوں کی ایذاؤں پر صبر کرنا اور کوئی کلمہ خلاف شفقت نہ فرمانا طائف کی زہرہ گداز تکلیفیں آتی ہیں لیکن بجز دعاء رحمت کے کچھ نہیں فرماتے راہ تبلیغ میں بد کلامی سنتے ہیں لیکن اُف نہیں فرماتے۔ پس جو قانون اس زندگی میں آپ کی رہنمائی کرتا ہے وہ رحمۃ وعفو کا ہے۔

اسلامی جنگ کی بنیاد نفسانی غیظ و غضب نہیں

جس کا سب سے پہلا ثمرہ تو یہ ہے کہ نفسانی جذبات اور انتقامی جوش لے کر کبھی جنگ مت کرو۔ بلکہ صرف اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر لڑو۔ کیونکہ تم لڑنے میں خود مستقل نہیں ہو بلکہ مامور ہو اور مامور کا کام یہ ہے کہ اپنے آمر کے امر سے جنگ کرے ذاتی جذبہ سے جنگ آزما نہ ہو اور آمر و حاکم خلافت میں اللہ ہے اس لئے جنگ بغیر اُس کی مرضی اور امر کے اسلامی جنگ یعنی جہاد نہیں بن سکتی۔ پس جنگ سے نفسانی بنیادوں اور جذباتی غیظ و غضب کا ختم کر دیا جانا ایک اعلیٰ ترین رحمت کا مظاہرہ ہے۔ پس جنگ کی غرض و غایت بنص حدیث یہ ہے کہ۔

لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیاء — تاکہ اللہ کا کلمہ بلند ہو اور اُس کا نام اُونچا ہو۔

عین جہاد میں رحمت

حتیٰ کہ عین دشمنی کے مظاہرہ کے وقت بھی رحمت ہی کے آثار

آپ سے نمایاں ہوتے تھے بصورت احکام بھی اور بصورت افعال بھی۔ چنانچہ عمل کے ساتھ بطور دستور عام ارشاد فرمایا کہ۔ جنگ بھی ہوتی ہو تو بوڑھوں کو مت چھیڑو۔ بچوں کو نہ چھیڑو عورتوں پر ہاتھ نہ ڈالو محارب قوم کے گوشہ نشین فقیروں کو بھی مت چھیڑو قاصدوں کو کچھ مت کہو بلکہ صرف سامنے ہی پڑے ہوئے محارب دشمنوں سے جنگ کرو اور وہ بھی اگر عین جنگ میں اماں چاہیں تو اماں دیدو بلکہ تم میں سے اگر کسی ایک نے بھی امن دیدیا تو سب پر امان دینا لازم ہو جائے گا۔ بفحوائے۔

قد اجرنا من اجرت یا ام ھانی | ہم نے بھی اُسے پناہ دیدی جسے تم نے اے ام ہانی پناہ دیدی تھی [صد ۳۴۷ و قباب الاماں]

پھر یہ خیال مت کرو کہ دشمنوں نے شاید جان بچانے یا دھوکہ دینے کی خاطر امن چاہا ہے تو امن نہ دیا جائے؟ نہیں بلکہ ظاہر پر نظر رکھو دلوں کو مت ٹٹولو پھر قتل میں بھی رحمت سے پیش آؤ مثلہ مت بناؤ یعنی ناک کان کاٹ کر دشمن کی لاش کو بے ہئیتہ مت کرو کہ یہ انتہائی غیظ و تحقیر کا جاہلانہ مظاہرہ ہے گویا جنگ بھی اظہار غیظ یا شفاء غیظ کے لئے مت کرو بلکہ اخلاص سے اللہ کی رضاء کے لئے کرو۔ پس جہاں جنگ میں بھی ہزار ہا رحمتیں مخفی ہوں وہاں صلح و امن کی رحمتوں کا کیا پوچھنا۔؟ پھر اگر غلبہ و اقتدار کے وقت کو دیکھو تو اُس میں قدرت پا جانے کے بعد مغلوبیت کے دور سے بھی زیادہ شفقتیں اور رحمتیں برستی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ چنانچہ فتح مکہ کے وقت جب غلبہ کا دور آیا اور غلبہ بھی خود اپنے ملک پر ہوا تھا اور وہ بھی اُن دشمنوں پر جنھوں نے عافیت تنگ کر دی تھی اور گھر تک سے بے گھر بنا دیا تھا تو ایسے اوقات میں عموماً سلاطین دنیا کا

دستور قتل عام دشمن کی توہین و تذلیل ہے اور اُسے نیچا دکھلا کر انتقام لینا ہے جیسا کہ قرآن نے یہ سنتہ ملوکیت آیت ذیل میں ظاہر فرمائی۔

ان الملوك اذا دخلوا قریۃ افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ۔	والیان ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تہ و بالا کر دیتے ہیں اور اسکے رہنے والوں میں جو عزت دار ہیں انکو ذلیل کیا کرتے ہیں۔

فتوحات کے وقت رحمت

لیکن اس سیاستہ رحمت کے بادشاہ نے داخلۂ مکہ پر یہ کیا کہ امان کی بارش برسا دی امن کے لئے اتنے بے شمار اعلان فرما دیئے کہ جسے ہلاک ہی ہونا تھا وہ تو ہلاک سے نہ بچا لیکن بقیہ میں سے کوئی بھی امن سے محروم نہ رہا۔ اعلان پر اعلان تھا کہ

من دخل دار ابی سفیان فھو آمن۔	جو ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔

کہیں فرمایا:۔

من دخل المسجد فھو آمن	جو مسجد حرام میں داخل ہوا وہ مامون ہو گیا۔

کہیں فرمایا:۔

من اغلق بابہ فھو آمن	جنے اپنے مکان کا دروازہ بند کر لیا وہ مامون ہو گیا۔

غرض نہ دشمنوں کا قتل عام ہوا نہ عزت والوں کو ذلیل کیا گیا نہ ذلیلوں کو سیاسی مصالح سے اونچا کیا گیا حتی کہ شیبی جیسا دشمن جس نے ہجرت کے وقت بیت اللہ سے حضور کو سختی سے روک دیا تھا فتح مکہ پر اُسے بھی حضور نے بلایا تو اُسی بیت اللہ کی کنجیاں اُسی دشمن کو قیامت تک کے لئے سپرد

فرمادیں کہ اس سے بڑھ کر کوئی اعزاز نہ تھا۔ غرض رحمت مجسم کا ہر قول و فعل اور ہر طرز عمل رحمت عامہ سے مملو اور بھرپور تھا جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ ملوکیت نہ تھی بلکہ عرش والے رحمان کی خلافت و نیابت تھی اس لئے رحمت سے لبریز تھی۔

خلافت کی وسعت بقدر وسعت رحمت ہے

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے سلطنت کی حکمۃ عملی اگر رحمۃ عامہ کو قرار دیا تھا جس سے مختلف المزاج مخلوق سے اپنا رابطہ قایم فرمایا تو اُس کی خلافت کبریٰ کی بنیاد بھی اسی رحمت عامہ پر رکھی گئی یہ خلافت الٰہی ابتدائی قرون دنیا یا قرون وسطیٰ میں بھی امم سابقہ کے ہاتھ میں رہی اور گویا اپنے ابتدائی اور درمیانی مراحل طے کرتی رہی اُسوقت تک کسی بھی خلیفۂ الٰہی کے دور میں خواہ وہ پیغمبر ہوئے یا بادشاہ عادل اس رحمت نے اپنے تمام مراتب کمال پورے نہیں کئے اور نہ ہی وہ اپنے آخری نقطۂ کمال پر پہونچی اسی لئے کسی کو ہمہ گیر خلافت اور عالمگیر حکومت نہیں ملی بلکہ خطوں، قبیلوں اور قوموں تک محدود رکھی گئی کیونکہ دائرۂ خلافت کی وسعتیں رحمت کی وسعت کے تابع رکھی گئی ہیں۔

اسلامی خلافت اس لئے عالمگیر ہے کہ اُس کی رحمت عالمگیر ہے

لیکن جب دائرہ نبوت میں آخری خلیفۂ ربانی یعنی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا دور رحمت آیا اور آپ پر تمام مراتب کمالات ختم کئے گئے تو یہ مرتبۂ رحمت بھی اپنی حد کمال پر پہونچا کر مکمل کر دیا گیا اور اس درجہ کہ آپ کا خطاب ہی رحمۃ للعلمین قرار پایا یعنی جیسے خدائی رحمت عرش کے محیط کائنات ہونے کی

ساری کائنات پر پھیلی ہوئی ہے ایسے ہی یہ محمدی رحمت بھی بوجہ نبوت عامہ اور شریعت عامہ کے ساری مخلوقات پر پھیلا دی گئی اور بارگاہِ ملک الناس سے آپ کو رحمت مہداۃ اور رحمۃ للعٰلمین کا خطاب و خلعت عطا ہوا اسلئے آپ کا یہ ملک اور یہ دینی سلطنت بھی عالمگیر رکھی گئی چنانچہ آپ نے خود ہی ارشاد فرمایا۔

ان اللہ زوی لی الارض	اللہ نے زمین کے مشارق و مغارب مجھے دکھلائے اور میری
مشارقہا و مغاربہا و سیبلغ ملک	اُمت کا ملک (خلافت) عنقریب وہیں تک پہونچکر رہے گا
اُمتی ما زوی لی منہا۔	جہاں تک میری نگاہ پہنچائی گئی ہے (یعنی مشرق و مغرب میں پھیل جائیگا

پس کیفی طور پر تو زمانہ صحابہ ہی میں یہ سلطنت مکمل ہو گئی کہ رجال سلطنت (صحابہؓ) اپنے کردار کے لحاظ سے سارے جہان پر فائق اور سارے عالم کے لئے نمونہ خلافت ہوئے جنہوں نے آسمانی بادشاہت کا عملی نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا اور کمی طور پر اس سلطنت کی انتہائی تکمیل دورِ مہدی و عیسوی میں ہو گی جب کہ مہدی کا ظہور اور عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہو گا اور پورے عالم میں دین واحد ہو کر سارے انسان قوم واحد بن جائیں گے جیسا کہ لسان نبوۃ پہ پیشین گوئی فرما دی گئی کہ آخری دور میں کوئی کچا پکا گھر خالی نہ رہے گا۔ جس میں یہ دین (اسلام) نہ پہونچ جائے اور دین حق کی عالمگیری واضح نہ کر دی جائے اور اسی کے ساتھ دنیا کے ہر خطہ میں اسی دین کی حکمرانی نہ ہو جائے۔ غرض اس طرح خلافت اُلوہیت حضور کے زمانہ پر پہونچکر مکمل ہو گئی اور ختم کر دی گئی۔

خلافت نبوت

خلافت نبوۃ بھی رحمت میں خلافت اُلوہیت کا ظل و عکس ہو

حضور کے دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد تیسرا دور خلافت محمدی کا تھا اور ظاہر ہے کہ جب نبوۃ اپنے غلبۂ رحمت کی وجہ سے عالمگیر تھی اور تمام صفات رحمۃ و شفقت کا حضور پر اتمام کیا گیا تھا اس لئے اس نبوۃ رحمت کی خلافت بلا فصل بھی خلافت رحمت اور وہ بھی برحمت کاملہ ہی ہونی ضروری تھی ورنہ صحیح معنی میں اس نبوۃ کی خلافت نہیں ہوسکتی تھی اس لئے جیسے خلافت اُلوہیتہ کے لئے رحمۃ مجسم ذات حضرت خاتم الانبیاء کی منتخب ہوئی جس کا لقب تک رحمۃ للعالمین ہوا۔

ذات صدیقی ظل ہے ذات نبوی کی

ایسے ہی بلا فصل خلافت نبوۃ کے لئے بھی ایسی ہی شخصیت کا انتخاب ضروری تھا جو رحمت للعلمین کا نمونۂ کامل اور رحمت مجسم ہو اور ظاہر ہے کہ ایسی شخصیت صحابہ میں سوائے صدیق اکبر کے دوسری نہ تھی کیونکہ صفاۃ رحمت میں خصوصیت سے اُنہی کا پایہ سب سے اونچا اور نبوۃ سے اقرب اور شبہ تھا۔ اور اسی لئے لسان نبوۃ پر اُنھیں مجسم رحمۃ فرمایا گیا۔ ارشاد نبوی ہے۔

ارحم امتی بامتی ابی بکر — میری امت میں امۃ پر سب سے زیادہ رحمت کرنے والے ابو بکر ہیں۔

پس صفۃ رحمۃ میں حضور نے سارے صحابہ میں صرف صدیق اکبر ہی کو اپنا شبیہ ٹھیرایا اور جبکہ اسی صفۃ پر خلافت و حکومت کی ہمہ گیری دائر تھی تو ایسا ہی شخص ہمہ گیر خلیفہ آلٰہی کا ولی عہد اور جانشین ہو کر ہمہ گیر خلیفہ نبوی

ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہوا۔

یہی وجہ ہے کہ صدیق اکبرؓ کا خطاب ملاء اعلیٰ اور آسمانوں میں حلیم تھا جو صفۃ رحمت کا ایک کامل ظہور ہے۔

عن ابی ھریرہ قال ھبط جبریل الی النبی صلے اللّٰہ علیہ وسلم فوقف ملیا بناحیۃ فمر ابی بکر الصدیق فقال جبریل علیہ السلام یا محمد ھذا ابن ابی قحافہ فقال جبریل اوتعرفونہ فی السماء فقال والذی بعثک بالحق لھو فی السماء اشھر منہ فی الارض وان اسمہ فی السماء الحلیم (الریاض البقرہ جلد اول صفحہ)

ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کافی وقت تک ٹھیرے رہے اتنے میں ابوبکر صدیق گذرے تو جبریل علیہ السلام نے فرمایا کہ اے محمد یہ (ابوبکر) ابن ابی قحافہ ہی تو ہیں۔؟ آپ نے فرمایا کہ اے جبریل کیا تم آسمانوں میں اُنھیں پہچانتے ہو؟ کہا قسم ہے اُس ذات کی جس نے حق کے ساتھ آپ کو مبعوث فرمایا کہ ابوبکر آسمان میں زمین سے زیادہ مشہور ہیں اور آسمانوں میں اُن کا خطاب "حلیم" ہے۔

صدیق اکبر کی شباہت ذات نبوی سے

چونکہ حضور پر صفات رحمت کا غلبہ تھا گویا رحمۃ آپ کے لئے بمنزلہ ذاتیات لازمہ کے تھی اس لئے غالب الرحمۃ ہی حضور سے اشبہ بھی ہو سکتا تھا۔ اور وہ صدیق اکبر ہی کی ذات تھی اس لئے رحمت کے مناسب افعال واعمال میں بھی وہ حضور سے اشبہ بھی تھے۔ چنانچہ صدیق اکبر ہی کی پوری زندگی اول سے آخر تک اس شباہتہ کا ثبوت دیتی ہے

ٰ حلیم وہ ہے جو بالطبع حلم برتے ورنہ جو بتکلف حلم برتے اُسے متحلم کہتے ہیں۔ حلیم نہیں کہتے ۱۲

شفقت بالاطفال | مثلاً جیسے آپ کمال رحمت سے بچوں سے اعراض نہیں فرماتے تھے بچوں کی کسی مجلس یا کھیل کود پر گذرتے تو فرماتے السلام علیکم یا صبیان کبھی عین خطبہ میں حضراتِ حسنین رضی اللہ عنہما کو گود میں اُٹھا لیا اور پیار فرمانے لگے یہی کیفیت صدیق اکبر کی تھی کہ زمانۂ خلافت میں جب گھر سے نکلتے تھے تو راستہ میں بچے یا ابتاہ ابتاہ کہہ کہہ کر صدیق اکبر سے لپٹتے تھے کوئی پیروں سے چمٹ رہا ہے کوئی گھٹنوں سے اور صدیق اکبر بھی کسی کے سر پر ہاتھ رکھ رہے ہیں کسی کو پیار کر رہے ہیں۔ پھر جیسے حضور نے حضراتِ حسنین کو ممبر نبوی پر خطبہ دیتے ہوئے گود میں اُٹھا لیا صدیق اکبر سے بھی وہی عمل ظہور میں آیا چنانچہ ممبر نبوی پر نائب نبی کی حیثیت سے خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ حضرت حسن رضؓ ممبر پر چڑھے اور طفلانہ لہجہ میں فرمایا انزل عن مجلس ابی (میرے باپ کی جگہ سے نیچے اُتر) تو صدیق اکبر نے فرمایا مجلس ابیک لا مجلس ابی مجلس ابیک لا مجلس ابی (حقیقتاً یہ تیرے ہی باپ کی جگہ ہے میرے باپ کی نہیں یہ تیرے ہی باپ کی جگہ ہے میرے باپ کی نہیں) اور روتے جاتے تھے اور پھر حضرت حسنؓ کو گود میں بٹھلا لیا اور زار و قطار رونے لگے جب یہ خبر حضرت علی کو پہونچی تو فرمایا اعوذ باللہ من غضب اللہ و غضب خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم قال واللہ ما امرناہ فقال ابوبکر واللہ ما اتہمتک خرجہ ابن السمعان (الریاض النضرہ ص ۱۲۰ ج ۱) میں پناہ مانگتا ہوں اللہ کے غضب سے اور خلیفۂ رسول کے غضب سے خدا کی قسم میں نے حسن کو یہ بات نہیں سکھلائی اُس پر صدیق اکبر نے فرمایا کہ پھر میں نے تو واللہ آپ پر اس کی تہمت بھی نہیں دھری دیہ آپ براہ کیوں فرما

رہے ہیں)۔

بعض دفعہ سڑک پر حضرت حسن مل جاتے تو کندھے پر بٹھلا لیتے تھے اور فرماتے بذا اشبہ بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم لاشبہ بعلی وعلی یضحک دائے علی یہ پیارا فرزند تم سے مشابہ نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ ہے اور حضرت علی اس پر ہنستے جاتے تھے)۔

کثرۃ اجر و ثواب | پھر ثواب کی نوعیت میں بھی صدیق اکبر ہی حضور سے اشبہ ہیں۔

عن علی ابن ابی طالب قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لابی بکر یا ابا بکر ان اللہ اعطانی ثواب من آمن بہ منذ خلق آدم الی ان بعثنی وان اللہ قد اعطاک ثواب من آمن بی منذ بعثنی الی ان تقوم الساعۃ خرجہ الحلغی (الریاض النضرہ صہ ۱۲۹)

حضرت علی ابن طالب فرماتے ہیں کہ میں نے سُنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ ابوبکر سے فرماتے تھے کہ اے ابوبکر اللہ نے اُن سب کی برابر ثواب مجھے تنہا کو عطا کیا ہے جو آدم کی پیدائش کیوقت سے میری بعثت کیوقت تک اُسپر ایمان لائے اور تجھے تنہا کو ان سب کی برابر ثواب عطا فرمایا ہے جو میری بعثت کے وقت سے قیامت قایم ہونے تک مجھ پر ایمان لائیں۔

اوّلیت ایمان | اور جس طرح سے کہ عالم ازل میں بوقت عہد الست سب سے پہلے حضور نے اللہ کے سامنے اُس کی ربوبیت کا اقرار کیا اور ایمان لائے اسی طرح صدیق اکبر نے رب اکبر کے اکمل الخلفاء حضرت خاتم الانبیاء کی نبوت وخلافت کا سب سے پہلے اقرار کیا اور ایمان لائے گویا اولیت ایمان میں بھی اُنھیں تشابہت کاملہ حاصل ہے۔

نوعیت وفاۃ

پھر جس طرح دین معاشرت دیانت اور پوری زندگی کی نوعیت میں صدیق اکبر حضور سے مشابہ ثابت ہوتے رہے اسی طرح وفات میں بھی حضور سے اشبہ دکھائی دیتے ہیں یعنی صدیق اکبر کو اسی نوعیت کی شہادت دی گئی جس نوعیت کی حضور کو عطا ہوئی تھی یعنی زہر خورانی سے۔ چنانچہ جس طرح حضور کو یہود بے بہبود نے ہدیہ کے نام سے زہر کھلایا اور اس کا اثر ہر سال ظاہر ہوتا تھا حتی کہ وفاۃ اسی زہر کے اثر سے ہوئی اور وہ ہر گرمی میں رنگ لاتا تھا تا آنکہ وفات کا سبب بنا بعد وفاۃ انقطاع رگ سے یہ چیز نمایاں ہو گئی اسی طرح صدیق اکبر کو بھی یہود ہی نے زہر کھلایا اور وہی موت کا سبب بنا۔

وعن ابن شہاب قال کان ابو بکر والحارث بن کلدۃ یاکلون حریرۃ اُھدیت لابی بکر فقال الحارث لابی بکر ارفع یدیک یا خلیفۃ رسول اللہ ان فیھا لسمّ سنۃ وانا وانت نموت فی یوم واحد فرفع یدہ فلم یزالا علیلان حتی ماتا فی یوم واحد عند انقضاء السنۃ الخ قیل ان الیھود سمت لہ فی اُرزۃ

الریاض النضرہ صفحہ ۱۸۰

ابن شہاب کہتے ہیں کہ ابو بکر اور حارث ابن کلدہ حریرہ کہا رہے تھے جو صدیق اکبر کو ہدیہ دیا گیا تھا تو حارث نے حضرت ابو بکر سے کہا کہ اے خلیفہ رسول اللہ ہاتھ کھینچ لیجئے اس میں سال بھر کا میعادی زہر ہے اور شاید میں اور آپ ایک ہی دن مرینگے۔ صدیق اکبر نے ہاتھ کھینچ لیا اور پھر دونوں ہمیشہ علیل ہی رہے یہاں تک کہ سال پورا ہونے پر ایک ہی دن دونوں کی وفات ہو گئی۔ صاحب ریاض النضرہ فرماتے ہیں کہ روایت کیا گیا ہے کہ۔ یہ زہر چاولوں میں ملا کر یہود نے دلوایا تھا۔

ادھر حضرت عمر کی روایت سے جو مشکوٰۃ باب مناقب عمر میں ہے یہ ثابت ہے کہ غار ثور میں صدیق اکبر کو جو سانپ نے کاٹا تھا اُس کے زہر کا اثر بھی بدستور آخر عمر تک باقی رہا۔ چنانچہ جب سانپ نے کاٹا اور حضور کے رُخِ انور پر صدیق اکبر کے آنسو گرے تو پوچھنے پر صدیق نے عرض کیا۔

لدغت فداك ابي امي فتفل رسول الله صلى الله عليه وسلم فذهب ما يجده ثم انتقض عليه (اى الزهر ۱۲) وكان سبب موته مشکوٰۃ ص ۵۵۶	میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے سانپ نے کاٹ لیا ہے تو اسوقت حضور نے سانپ کاٹے کی جگہ پر اپنا لعاب مبارک لگا دیا جس سے ساری لہر جاتی رہی لیکن آخر میں یہ زہر کا اثر پھر لوٹا اور موت کا سبب زہر ہی ہوا

ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوا کہ زہر کے دو واقعات پیش آئے زہر خورانی کا یہود کی طرف سے اور زہر چکانی کا سانپ کے کاٹنے کی طرف سے اور دونوں زہر موت کے لئے مؤثر ہو گئے جس سے واضح ہے کہ سببِ وفات میں بھی صدیق اکبر کو ذات بابرکات نبوی سے کامل مشابہت تھی۔ پھر یہی نہیں بلکہ یوم وفات میں بھی آپ حضور کے ساتھ شرکت و شباہت رکھتے ہیں | زمان وفات

روت عائشة قالت لما ثقل ابو بكر قال اى يوم هذا قلنا يوم الاثنين قال فاى يوم قبض فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم قلنا يوم الاثنين. قال فانى ارجو فيما بيني وبين الليل (رياض النضرة ص ۲۴۹)	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ مرض وفات سے دب گئے تو فرمایا کہ یہ کونسا دن ہے؟ ہم نے عرض کیا پیر کا دن فرمایا کس دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی؟ ہم نے عرض کیا پیر کے دن فرمایا تو مجھے اب سے رات تک (کے وقفہ میں) توقع ہے (وصال کی)

اولیت بعث وحشر

حشر میں بھی شباہتہ ثابت ہے چنانچہ حسب روایتہ صاحب النفرہ جیسے حضور کے لئے یہ فضیلۃ ہے کہ انا اوّل من تنشق منہ الغبراء (قیامت کے دن میں پہلا ہوں گا کہ زمین پھاڑ کر قبر سے اُٹھوں گا) اس طرح حضور کے بعد یہ اولیتہ صدیق اکبر کے لئے بھی ثابت ہے کہ عام مخلوق میں وہ سب سے پہلے قبر سے اُٹھیں گے۔ (الریاض النفرہ صفحہ [illegible])

بہرحال زندگی کمالات زندگی۔ موت۔ مرض موت۔ زمانہ موت۔ ثواب اور حشر ونشر وغیرہ میں صدیق اکبر کو یہ کمال شباہت حضور کے ساتھ کیوں نصیب ہوا۔؟ اس لئے کہ اُن کی ذاتیات میں شباہت تامہ پیدا کی گئی تھی اور وہ صفات جمال ہیں جن کا سر نامہ رحمت ہے۔

خلیفہ رسول کا لقب صدیق اکبر کیساتھ مخصوص تھا

پس کامل الرحمۃ نبی کا خلیفہ بھی کامل الرحمۃ ہی ہو سکتا تھا اسلئے صدیق اکبر ہی پر قرعۂ فال آکر واقع ہوا یہی وجہ ہے کہ خلیفہ رسول اللہ کا لقب صرف صدیق اکبر کے لئے صحابہ میں مخصوص تھا بلکہ خود حضور سے بھی اس طرح مروی تھا جب ہی تو اُس کا رواج بعد میں ہوا اور عام صحابہ کے زبان زد یہ ہوگیا۔

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم عرج بی الی السماء فما رأیت شیئاً الا وجدت اسمی فیه مکتوباً محمد رسول الله وابوبکر الصدیق خلیفتی اخرجه ابن عرفة [illegible] (الریاض النضرہ صفحہ [illegible])

ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آسمانوں میں معراج کیوقت میں نے کوئی چیز ایسی نہیں دیکھی کہ اُسمیں میرا نام اور میرے نام کے ساتھ صدیق اکبر کا نام یوں لکھا ہوا نہ دیکھا ہو کہ محمد اللہ کے رسول اور ابوبکر خلیفہ رسول اللہ ہیں۔

صحابہ میں بھی آپ خلیفہ رسول اللہ ہی کے نام سے معروف تھے نزال بن سمرہ کی روایت میں ہے کہ حضرۃ علی سے کہا گیا۔

اخبرنا عن ابی بکر ابن ابی قحافۃ قال ذاك امرءٌ سماہ اللہ الصدیق علی لسان جبریل وعلی لسان محمد صلی اللہ علیہما وسلم۔ کان خلیفۃ رسول اللہ رضیہ لدیننا فرضیناہ لدنیانا۔

(الریاض النضرہ ص۵)

ہمیں خبر دیجیے ابوبکر ابن ابی قحافہ کے بارہ میں فرمایا یہ وہ شخص ہیں کہ اللہ نے جبریل کی زبانی تو اُن کا نام صدیق رکھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اُنھیں خلیفۃ رسول اللہ فرمایا اللہ کے رسول نے اُنھیں ہمارے دین کے بارہ میں پسند اور منتخب کیا تو ہم نے اپنی دنیا (سلطنت وحکومت) کے بارہ میں اُنھیں پسند اور منتخب کر لیا۔

حُبشی ابن جنادہ کی روایت میں ہے کہ صحابہ کرام اُنھیں یا خلیفۃ رسول اللہ کے کلمہ ہی سے مخاطب فرماتے تھے۔

عطا ابن السائب کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبر بزمانۂ خلافت کندھے پر کپڑوں کی ایک گانٹھ اُٹھائے ہوئے بیچنے کے لئے لے جا رہے تھے تو راستہ میں عمر اور ابوعبیدہ نے اُن سے پوچھا۔

این تریدیا خلیفۃ رسول اللہ قال السوق قال تصنع ماذا وقد ولیت امر المسلمین قال فمن این اُطعِم عیالی قالا لہ انطلق حتی نفرض لك شیئاً فانطلق

کہاں کا ارادہ فرمایا اے خلیفہ رسول اللہ؟ کہا بازار کا۔ اُنھوں نے عرض کیا یہ آپ کیا کر رہے ہیں حالانکہ آپ کو تو مسلمانوں کے امور کا والی اور امیر بنایا گیا ہے؟ فرمایا نہ کروں تو اہل وعیال کو کہاں سے کھلاؤں؟ تو اُنھوں نے عرض کیا کہ آئیے ہم آپ

معھما ففرض لہ کل یوم شطر شاۃ وما کسوۃ فی الراس والبطن

(خرجہ فی الصفوۃ والریاض النضرہ ص ۱۳۱)

وعن ابن عمر ان ابا بکر بعث یزید ابن ابی سفیان الی الشام ومشی معہ نحو من میلین فقیل لہ یا خلیفۃ رسول اللہ لو انصرفت فقال لا انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من اغبرت قدماہ فی سبیل اللہ حرمھما اللہ علی النار (خرجہ ابن حبان)

(الریاض النضرۃ ص ۱۳۹)

کیلئے بیت المال سے کچھ تنخواہ مقرر کریں تو صدیق اکبر ساتھ ہو لئے چنانچہ صحابہ نے صدیق اکبر کیلئے حصہ مقرر کیا یومیہ کچھ بکری کا گوشت اور تن پیٹ ڈھکنے کو کچھ کپڑا۔

اور ابن عمر سے یہ مروی ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یزید ابن ابی سفیان کو شام کی طرف بھیجا اور تقریباً دو میل تک اُن کی ساتھ پیدل چلے تو عرض کیا گیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ کاش آپ واپس ہو جاتے تو فرمایا میں اس لئے تمہاری ساتھ پیدل چل رہا ہوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے فرماتے تھے کہ جس کے قدم اللہ کے رستہ میں غبار آلود ہوئے تو اللہ انھیں نار جہنم پر حرام فرما دے گا۔

بہر حال یہ واضح ہو گیا کہ کمال رحمت کے سبب سے صدیق اکبر کو حضور سے کمال مشابہت تھی اور اس کمال مشابہت کے سبب سے بلا فصل خلافۃ نبوۃ کے حامل صرف صدیق اکبر ہی قرار پائے اسی لئے اُن کا لقب خلیفۂ رسول اللہ ہوا دوسرے حضرات بلا واسطہ اور بلا فصل خلیفۂ رسول اللہ نہ تھے۔ ادھر نبوۃ چونکہ رحمت کی تھی اس لئے اُس کی خلافۃ بھی رحمۃ ہی کی ہوئی۔ پس رحمۃ مھداۃ کا خلیفہ رحمۃ اُمت ہوا۔

بہر حال عرش سے یہ رحمت چلی اور فرش پر پہونچکر زمانہ نبوی میں تام ہو گئی

جس کا ظہور ثانی خلافت صدیقی تھی اور آخر میں حضرت عیسوی پر اس کا اختتام ہو جائے گا کہ انھیں بھی نبی رأفت فرمایا گیا۔ اس لئے وہ امت بھی جس کا آغاز وانجام رحمت ہی رحمت ہو ملکر رحمت ہی ہونی چاہیئے تھی۔ چنانچہ ہوئی اور اُس کا لقب بھی امۃ مرحومہ ہوا یعنی نبی رحمۃ مہداۃ خلیفۂ اول ارحم اُمۃ اور خلیفہ آخر (عیسیٰ علیہ السلام) نبی رأفۃ اور یہ درمیانی امت اُمۃ مرحومہ۔

خلافت رحمت کی رعایا بھی امۃ مرحومہ ہے

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امتی ھذہ امۃ مرحومۃ لیس علیھا عذاب فی الآخرۃ عذابھا فی الدنیا الفتن والزلازل والقتل ۔ (ابوداؤد مشکوٰۃ باب الأمر صفحہ ۴۶۲)

ابو موسیٰ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ میری امۃ امۃ مرحومہ ہے کہ اس پر آخرت میں عذاب نہیں ہے عذاب اُس کا دنیا میں فتنے زلزلے اور قتل ہے۔

اسی بناء پر اُمۃ کو حکم عام بھی رحم کھانے اور رحمت کرنے ہی کا ملا ہے تاکہ خلقاً اور فعلاً یہ امۃ بارحم وکرم ثابت ہو۔ ارشاد نبوی ہے۔

الراحمون یرحمھم الرحمٰن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء (مشکوٰۃ ص۴۲۳)

رحم والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے سو تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔

المؤمن مألف ولا خیر فیمن لا یألف ولا یؤلف۔

مؤمن تو اُلفت کا خزانہ ہے اور اس شخص میں کوئی خیر نہیں جو نہ کسی سے الفت کرے اور نہ کوئی اُس سے الفت کرے

پس جس طرح رحمۃ رحمٰن کا ثمرہ یہ نکلا کہ ساری مخلوق رحمٰن سے وابستہ

ہو گئی اور رحمۃ للعلمین کا ثمرہ یہ نکلا کہ عالم کو آپ کے تحت میں دیدیا گیا اور رحمۃ ارحم امۃ کا ثمرہ یہ نکلا کہ بلا نزاع اُن کی خلافت سے لوگ وابستہ ہو گئے۔ اسی طرح رحمۃ اُمۃ مرحومہ کا ثمرہ یہی نکل سکتا ہے کہ یہ ساری اُمۃ رُحماءُ بینھم بن کر آپس میں بھی مربوط رہے گی جب تک اپنی اصلیت پر رہے گی اور عالم میں پھیلتی بھی رہے گی اگر اپنی صفۃ رحمۃ کو باقی رکھے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ آسمانی بادشاہت کی پالیسی رحمت وشفقت تھی تو تاج وتخت احکام وقوانین تدبیر وتصرف نیابت وخلافت صلح وجنگ اور تمام معاملات سلطانی میں رحمت وکرم کو کوٹ کوٹ کر بھر اگیا اور باطن سے لے کر ظاہر تک یہ بادشاہت رحمت عالم بن کر دنیا میں نمودار ہوئی۔ اور جس طرح یہ بادشاہت تکوین کے پردوں میں رحمت عام تھی اسی طرح تشریع کے اصولوں میں بھی رحمت تام تھی جس کا نام خلافت ہے پس اسلام نے آسمانی بادشاہت کی طرح زمینی خلافت بھی غلبۂ رحمت ہی پر قائم کی ہے اسی پالیسی کو ہم نے مصلحت اعلیٰ سے تعبیر کیا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ۔

خلافت رحمت میں رحمت کی پالیسی کے آثار

آسمانی بادشاہت میں اس مصلحت اعلیٰ یا پالیسی کا نام غلبۂ رحمت ہے۔ اور خلافت ارضی میں اُس کی صورت اخوۃ ومساواۃ کی ہے جو رحمت کے زیر اثر ہو۔ رحمت کے ماتحت اسلامی بادشاہت میں اخوۃ ومساواۃ قائم ہو جانے کا پہلا نتیجہ تو یہ نکلتا ہے کہ۔

رعایت طبائع اور عدم جبر وتشدد

(۱) اسلامی حکومت جبر وتشدد اور بے رحمی کی حکومت نہیں رہتی بلکہ بھائی بندی کے اُصول پر ایک عالمگیر برادری کا قیام کا ارادہ ہوجاتی ہے جس کا ثمرہ اعلیٰ ترین انسانیت ہے جب راعی ورعایا میں بھائی بندی کے جذبات ہوں گے تو رعایا میں باہم بھائی چارہ ہونا قدرتی امر ہے اور جب سب کے سب آپس میں بھائی بھائی بن کر رہیں گے تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ وہ حکمرانی اور اُس کا مبارک دور دنیا کے لئے کس درجہ بابرکت پرسکون اور پرامن دور ہوگا نہ صرف مسلموں ہی کے لئے بلکہ غیر مسلم ذمیوں اور مستامنوں تک کے لئے۔ کیونکہ جو قوم رحمت وشفقت کی خوگر ہوگی وہ آپس میں بھی ہوگی اور دوسروں سے بھی۔

پس اس سے رعایا کے عام جذبات کی رعایت کئے بغیر اُس پر جبری آرڈیننس عائد کئے جانے اور جبر وتشدد سے ملک کے صحیح جذبات کو کچل کر دبا دینے یا بالفاظ دیگر ملک کی قلبی اور دماغی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کے بجائے پامال کر دیئے جانے کی پالیسی کی جڑیں کٹ جاتی ہیں۔ ہاں اُصول حکمت پر جماؤ اور اصول دیانت پر پختگی اور شدۃ سے قرار ضرور ہوگا مگر یہ تشدد نہیں کہلاتا بلکہ تصلب کہلاتا ہے پس مؤمن میں تشدد وجفا اور بے رحمی نہیں ہوتی بلکہ تصلب فے الدین اور اقامتہ دین کے بارہ میں قوۃ وشدۃ ہوتی ہے اور یہ عیب نہیں بلکہ انتہائی کمال ہے۔

اسی لئے من حیث القوم قساوۃ قلبی۔ مار دھاڑ عورتوں بچوں۔ اور بوڑھوں پر غیظ آمیز زندگی کے مظاہرے اس اُمتہ سے سرزد نہیں ہوتے

ہاں یہ اُمت اسلامی اُصول ہی کو ترک کردے اور از روئے نفاق اپنے کو مسلم کہتی رہے تو اس کی ذمہ داری اُن بے اصول افراد پر عائد ہوگی جو اپنے اُصول و عمل کے تارک ہیں نہ کہ اُن اصول پر جو متروک ہوجائیں۔ لیکن پھر بھی ایسے ناپاک اُمور پوری قوم متحدہ انداز اور حمیت جاہلیت سے ہمہ گیر محاذ بنا کر نہیں کرسکتی کہ یہ افعال شنیعہ اس قوم کے مزاج اور افتاد طبع کے منافی اور قطعاً خلاف ہیں۔

اخوۃ و مساواۃ | اسی پالیسی (اخوۃ و مساواۃ) کا دوسرا نتیجہ اسلام میں حقوق کی مساواۃ نکلتا ہے گویا اگر رعیت کے ایک ادنیٰ آدمی کا حصّہ ایک چادر ہوگی تو امیر المؤمنین کے حصّہ میں بھی ویسی ہی ایک چادر آئے گی۔ البتہ لوگوں میں شخصی یا قبائلی ضروریات کا تفاوت ممکن ہے اور امارت شرعیہ میں اُسکی رعایت بھی ممکن ہے۔ لیکن آئینی حقوق میں اسلام کوئی کمی بیشی گوارہ نہیں کرتا کہ اس سے اُس کے قانون عدل و مساواۃ پر حرف آتا ہے۔ اسی لئے اُمت کے ایک غریب اور خلیفۂ وقت کا روزینہ قریب قریب ہی رہتا ہے۔ خود خلافت کی ضرورت سے کسی شخص کے ذریعے مصارف زیادہ کرائے جائیں تو وہ مساواۃ کے منافی نہیں ہیں مگر ایسے مستثنیات امارت شورائیہ کے فیصلہ کے ماتحت عمل میں لائے جاسکتے ہیں نہ کہ شخصی خواہشات کے تحت۔

ذات پات کی اونچ نیچ کی نفی | اسی اخوۃ و مساواۃ اور عدل عام کے قانون سے حقوق کی اُونچ نیچ کے اُن تمام معیاروں نسلیت۔ وطنیت۔ قومیت اور لسانیت و سرمایہ داری وغیرہ کی جڑ کٹ جاتی ہے جو دنیا کی اقوام نے حکومتوں میں

اختراعی طور پر اپنے اپنے مفاد کی خاطر قائم کر رکھے ہیں اور چند چند افراد کی اُونچ کی خاطر کروڑوں انسانوں کو نیچ بنا دیا ہے۔ امارت شرعیہ نے اس اُونچ کے معنی مقبولیت عند اللہ لے کر اُسے عام بنایا ہے کہ ہر فرد اُونچا ہو سکتا ہے مگر اس اُونچ نیچ کے حقیقی معیار کی رُو سے نہ کہ اختراعی معیار سے اور وہ حقیقی معیار تقویٰ و طہارت اور دین ہے۔

قرب مراتب کا معیار

پس یہ ذات پات کی اُونچ نیچ نہیں بلکہ روحانی مقامات کا فرق مراتب ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اسلام میں اُونچ نیچ اصل و نسب سے نہیں ہوتی بلکہ علم و ادب سے ہوتی ہے مادّی رشتوں کی اُونچ نیچ معتبر نہیں بلکہ روحانی رشتوں سے اُونچ نیچ کا اعتبار ہے مگر اس اُونچ نیچ میں حقد و حسد اور کینہ و پرخاش کا دخل نہیں۔ اور اس لئے یہ اُونچ نیچ دنیا میں فساد کا ذریعہ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دینی حیثیت کی بڑائی اور اُونچ کا حاصل تواضع و خاکساری کے مقامات طے کرنا ہے۔ یعنی اخلاقی اور دینی حیثیت سے کوئی شخص جتنا اونچا بنتا جائے گا اُتنا ہی اپنے کو نیچا سمجھتا جائے گا اور اُتنا ہی اپنے بنی نوع پر شفیق و مہربان اور اُن کا ہمدرد بنتا جائے گا اور ظاہر ہے کہ یہ ایثار و ہمدردی کی نوعیت اس قدر اُونچی ہو جانے پر لوگ اُس سے محبت کریں گے نہ کہ اس سے عداوت اور محبت سے حسن معاشرہ پیدا ہوتی ہے نہ کہ فساد اور شر انگیزی اس لئے دنیا کے مادّی رشتوں نسل۔ وطن۔ قوم خون۔ رقبہ وغیرہ کی اُونچ نیچ منبع فساد ہے اور روحانی رشتوں ایمان۔ دیانت۔ اخلاق۔ تقویٰ وغیرہ کی اونچ نیچ منبع صلاح و خیر ہے۔ اس لئے

اسلامی حکومت نے مادی اُونچ نیچ کو مٹاکر روحانی فرق مراتب کا راستہ کھولا ہے تاکہ دنیا امن وصلاح کا گھرانہ بن جائے اور عالم میں سے بشری کمزوریوں کے فسادات مغلوب ہوجائیں۔ اسی معیار پر قرآن عزیز نے روشنی ڈالی ہے۔

وجعلناکم شعوبا وقبائل	اور تمکو مختلف قومیں و مختلف خاندان بنایا تاکہ ایک دوسرے کو شناخت
لتعارفوا ان اکرمکم عنداللہ	کرسکو۔ اللہ کے نزدیک تم سب میں بڑا شریف وہ ہے جو سب سے
اتقاکم ان اللہ علیم خبیر	زیادہ پرہیزگار ہو۔ اللہ خوب جاننے والا پورا خبردار ہے۔

پس اس معیار کی رو سے جو اُونچا بنتا ہے وہ اوروں سے زیادہ عوام میں گھل مل جاتا ہے اور اُس کی شفقتیں عوام پر اُن کے ماں باپ سے بھی زیادہ ہوجاتی ہیں۔ پس اسلام میں بڑائی کے معنی آدمیت کے ساتھ آدمیوں میں گھل مل جانے کے ہیں نہ کہ حیوانیت کے ساتھ انسانوں سے کٹکر اُن پر تعلّی وتفاخر کرنے کے۔

اصول خمسہ کی بحث کا خلاصہ

بہرحال ان اصول خمسہ سے جو امارت شورائیہ کی اساس ہیں امارت کی مطلق العنانی ڈکٹیٹری۔ قانون سازی۔ یعنی آئین بازی۔ موروثی گدی نشینی۔ خاندانیت۔ نسلی امتیازات۔ لامرکزیت۔ فوضویت عددی اکثریت یا کثرۃ رائے کو اساسی اصولی فیصلہ سمجھا جانا استعماریت۔ غلام سازی۔ جوع الارض۔ اقوام عالم کو ذاتی یا قومی طور پر محکوم بنانے کی سازشیں پارٹی سسٹم سے لڑانے اور حکومت کرنے کا اصول۔ وطنیت اور قومیت کے اصنام کی پوجا وغیرہ جیسے مہلک اور غیر

معقول اصول و مقاصد مردود ٹھیر جاتے ہیں اور اس کے بالمقابل آسمانی بادشاہت کی روشنی میں اسلام کی امارت شورائیہ کے اصول یہ نکل آتے ہیں مطلق العنانی کے بجائے اتباع حق۔ موروثیت کے بجائے انتخاب اصلح کثرۃ رائے کے بجائے قوۃ دلیل شخصیت کے بجائے جمہوریت فوضویت کے بجائے مرکزیت۔ غلام سازی کے بجائے غلامی حق محکومیت کے بجائے اخوۃ اونچ نیچ کے بجائے مساواۃ۔ پارٹی سسٹم کے بجائے وحدت ادارت اور توحید مقصد وطنیت و قومیت کے بجائے دینیت اور اخلاقیت وغیرہ پس پہلے اصول ملوکیت کے ہیں اور دوسرے خلافت الٰہی کے ملوکیت کا نتیجہ عالم میں فساد و بدامنی ہے۔ کیونکہ وہ انسانی جبر و اکراہ ذاتی جاہ و اقتدار حق تلفی اور خالص سیاسی اتار چڑھاؤ پر مشتمل ہوتی ہے۔ بفحوائے کریمہ۔

ان الملوک اذا دخلوا قریۃً افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ وکذٰلک یفعلون۔	والیان ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسکو تہ وبالا کر دیتے ہیں اور اسکے بسنے والوں میں جو لوگ عزت دار ہیں انکو ذلیل کیا کرتے ہیں اور یہ لوگ بھی ایسا ہی کرینگے۔

اور خلافت الٰہی کا ثمرہ عالم میں امن و سکون ہے کہ وہ ایمانداری محبت باہمی دیانت اور حق پسندی اور خدمت خلق اللہ پر مشتمل ہوتی ہے بفحوائے کریمہ

وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم	تم میں جو لوگ ایمان لادیں اور نیک عمل کریں ان سے اللہ تعالیٰ وعدہ فرماتا ہے کہ ان کو زمین میں حکومت عطا فرمائے گا جیسا انسے پہلے لوگوں کو حکومت دی تھی اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا ہے اس کو

وَلَیُمَکِّنَنَّ لَہُمْ دِیْنَہُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَہُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّہُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِہِمْ اَمْنًا ؀

ان کے لئے قوت دے گا اور ان کے اس خوف کے بعد اس کو مبدل بامن کردے گا۔

سچی اور مخلص حکومت کا صحیح نمونہ

بہر حال یہ اُصولی نتائج ہیں جو خلافت کے ان پانچ اساسی اور معیاری اصول سے پیدا ہوتے ہیں یہ ارکان خمسہ گویا ایک سچی اور مخلص حکومت کا دستور اساسی ہیں جن کی رُو سے کسی حکومت کو مقبول یا مردود ٹھیرایا جاسکتا ہے۔

حکومت کے اس طرز خاص کی بناء ایک ہی ہے کہ حکومت صرف خدا کا حق ہے اور بادشاہی صرف آسمانی بادشاہت کا نام ہے اس لئے آسمانی بادشاہت ہی بادشاہتوں کے پرکھنے کا صحیح معیار بن سکتی ہے جو بھی حکمرانی اس آسمانی بادشاہت کے دستور اساسی پر جس حد تک منطبق ہوگی اُسی حد تک وہ مقبول حکومت کہی جائے گی ورنہ رد کئے جانے کے قابل ہوگی۔ خلافت چونکہ نام ہی اُس حکومت کا ہے جو کلیتہً آسمانی بادشاہت پر منطبق ہو اُس کا کامل نمونہ ہو اور ہر جہتہ سے اُس کا ظل و عکس ہو اس لئے حقیقی معنی میں حقیقی مقبولیت بھی اسی ظلی حکومت کے حصہ میں آئے گی جیسا کہ ابھی امارت شرعیہ کے دستور اساسی سے واضح ہوا۔

خلافت سے واجب شدہ حقوق دوگانہ کے اثرات

ان پانچ اُصول کے علاوہ خلافت کے وہ دو اُصول جو رعایا سے متعلق ہیں یعنی قلبی انقیاد و تسلیم اور ایک حسی سمع و طاعۃ اُن کے آثار بھی مادی طرز حکومت کے آثار سے جداگانہ ہیں

اولین حق کے چار ثمرے

مثلاً قلبی انقیاد و تسلیم ایک بنیادی اور حقیقی وفاداری ہے

جو حکومت کے ساتھ قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس سے ایجی ٹیشن اور مخالف مظاہروں کی جڑ کٹ جاتی ہے جو فساد فی الارض اور مزیل امن و سکون ہے۔ ساتھ ہی ڈپلومیسی اور عیاری کی بنیاد بھی منہدم ہو جاتی ہے۔ اسی کی ساتھ حکومت کے مخالف عام پروپگنڈہ کرنے کی صورتیں بھی ختم ہو جاتی ہیں اسی سے سازشوں کا سسٹم بھی منقطع ہو جاتا ہے۔ حاصل یہ کہ تشویشات اور قلوب کی پراگندگی باقی نہیں رہتی اور دوسرے لفظوں میں حقیقی امن و عافیت کا دور دورہ ہو جاتا ہے۔ پس ان حکومتوں میں جہاں ایجی ٹیشن قانونی چیز ہو۔ مظاہرے آئینی ہوں۔ ڈپلومیسی اور انفاق اصول کا درجہ رکھتا ہو حکومت کے خلاف پروپگنڈے جائز ہوں اور ان امور سے سازشی جذبات کو پرورش کا موقعہ ملتا ہو نہ حقیقی امن قائم ہو سکتا ہے نہ خلوص و صداقت کے جذبات پرورش پا سکتے ہیں بلکہ یہ اس کی صاف دلیل ہوگی کہ حکومت میں خود تذبذب کے جراثیم موجود ہیں اور وہ مخلصانہ طرز پر رحم و کرم۔ عدل و انصاف اور بہی خواہیٔ رعایا کے جذبات میں قاصر ہے۔ اس لئے وہ ان مظاہروں کو قلبی اخلاص سے روکنے پر قادر نہیں ہے۔ اور جب راعی و رعایا سب ہی ڈو رُخی کی پالیسی رکھتے ہوں گویا حکومت و محکومیت دونوں کے لئے خلوص و سچائی بے معنی ہو تو نہ وہ حکومت ہی دیرپا ہو سکتی ہے اور نہ وہ اپنی رعایا کو اور رعایا حکومت کو مطمئن کر سکتی ہے۔ حکومت ہر وقت رعایا کی وفاداری کا رونا روتی رہے گی اور رعایا ہمیشہ اُس کی سنگدلی کا جھینکنا جھینکتی رہے گی گویا راعی رعایا پر لعنت بھیجتے رہیں گے اور رعایا راعی کو ملعون ٹھیراتی رہیگی

ان صورتوں میں ایسی حکومتیں جب کہ جبر و تشدد سے مظاہروں کو روکنے اور مخالف پروپگنڈوں کو ختم کرنے کی صورتیں پیدا کرینگی تو یہ اور زیادہ باہمی بے اعتمادی کے جذبات کو اُبھارنے کی صورتیں پیدا ہو جائیں گی جس سے حکومت و رعایا کے تمام تعمیری کام رک جائیں گے اور جانبین سے دفاع و مدافعت پر ہی تمام قلبی اور دماغی قوتیں صرف ہوتی رہیں گی۔ ظاہر ہے کہ نہ ایسی حکومت کوئی کامیاب حکومت کہلائی جا سکے گی نہ ایسی رعایا ہی کامیاب رعایا ہو گی۔

ثانوی حق کا ثمرہ (۲) ایسے ہی اُس حکومت کے ساتھ جو مذکورہ اُصول خمسہ پر پوری اُتری ہوئی ہو یعنی رعایا پر رحمت و شفقت بھی رکھتی ہو عادل و منصف بھی ہو اور حقیقتاً ظل اللہ ہو جب کہ رعایا کی جانب سے حسّی سمع و طاعۃ کا فریضہ ادا کیا جاوے گا اور ہر حکم کی تعمیل ہو گی ہر قانون کا احترام ہو گا اور ہر اُصول کی پابندی ہو گی تو اس سے آئینی بغاوتوں کی جڑ کٹ جاتی ہے جو قانون کے دائرہ میں رہ کر کی جاتی ہیں۔ اور راعی و رعایا دونوں کے لئے تشویش و اضطراب کا باعث رہتی ہیں اور جس سے حکومت کی چلتی ہوئی مشین میں ہر وقت رکاوٹیں پیدا ہوتی رہتی ہیں کیونکہ اس آئینی یا جائز مگر ناگوار بغاوت کی صورت میں قلوب سے تو بغاوت ہو گی اور قوالب سے ظاہرداری کی سمع و طاعۃ یا کاغذ میں تو سمع و طاعۃ ہو گی اور اَنفس میں سرکشی و نافرمانی اور یہ وہی نفاق کا حربہ ہے جو بنام اخلاص بروئے کار آتا ہے اور فضاؤں کو مکدر کر دیتا ہے بہرحال جب کہ حکومت اُن اُصول خمسہ کی حامل نہ ہو جو عرض کئے گئے نہ اسکی

پالیسی رحم وکرم کی ہو نہ اُس کا مقصد تربیت رعایا ہو نہ اُس کے یہاں جمہور کی کوئی وقعت ہو نہ اُس میں مرکزیت ہو تو قدرتی طور پر رعایا میں بھی نہ انقیاد و تسلیم ہوگا نہ سمع وطاعۃ اور وہ عموماً تو آئین کے پردوں میں چھپ کر بغاوت کے ساتھ نمایاں ہوتی رہے گی اور وقت آنے پر کھلی بغاوت بن جائے گی۔ اور ملک کی عزت و ہم آہنگی ختم ہو جائے گی۔

بہرحال ملک کا حقیقی سکون انہی اُصول ہفتگانہ میں منحصر ہے۔ اگر اُمراء اُصول پنجگانہ سے ہٹ جائیں تو رعایا اُصول دوگانہ سے ہٹ جائے گی اور پھر دونوں کی باہمی بے اعتمادی سے باہمی بے چینی انمٹ ہو جائے گی۔

خلاصۂ کلام | یہ تھا خلافت کے اصول ہفتگانہ کا ڈھانچہ اور اُس کے ثمرات اور پھر اُس سے رد شدہ ناہموار طریق کا خلاصہ جس سے یہ واضح ہوگیا کہ آسمانی بادشاہت اور زمینی خلافت ایکدوسرے سے ہم آہنگ اور ایکدوسرے پر اُسی طرح منطبق ہیں جس طرح ایک صادق القول کے اقوال اُسکے افعال پر منطبق ہوتے ہیں اور قول وفعل میں کوئی نامطابقی نہیں ہوتی پس آسمانی بادشاہت خدا کے افعال کی سلطنت ہے جسے تکوین کہتے ہیں اور زمینی خلافت خدا کے اقوال کی سلطنت ہے اور اس سے زیادہ سچا کون ہے کہ اُس کے قول وعمل میں مطابقت نہ ہو؟ اس لئے خلافت ارضی کلیۃً بادشاہت آسمانی پر منطبق ہے۔ اور ایک سچی اور مخلصانہ حکومت کے لئے نمونہ اور اُس کے رد و قبول کا معیار ہے۔ البتہ اس مطابقت قول وفعل کی قدرے تشریح درکار ہوگی جس کے لئے چند مثالیں کافی ہوں گی۔

آسمانی بادشاہت اور زمینی خلافت کے آثار کی یکسانی

اور

اُس کی چند مثالیں

آسمانی بادشاہت کے اصول و فروع کے ڈھانچہ اور حقیقت پر زمینی خلافت کو منطبق دیکھنے اور باور کرنے کیلئے حسب ذیل مثالوں پر غور کیا جائے جس سے وہ آسمانی بادشاہت کا حقیقی ظل اور عکس ثابت کی جاسکتی ہے۔

نظام اجتماعی (۱) مثلاً تکوین کے دائرہ میں متضاد عناصر کی اس قدرتی ہیئتہ اجتماعی سے جس سے ان عناصر کی بقاء و حیاۃ وابستہ ہے واضح ہے کہ زندگی کے معنی ہی نظام اجتماعی کے ہیں جسے آسمانی بادشاہت نے قائم کر رکھا ہے اور ہلاکت و تباہی کے معنی ہی انتشار و پراگندگی کے ہیں جو عناصر کی طبعی رفتار ہے۔

پس اسی طرح تشریع کے دائرہ میں اسلامی حکومت وہی کہلائی جاسکتی ہے جس میں تمام مختلف الطبائع انسانوں کی عادۃ و عبادۃ اور تمدن و معاشرت کا نظام جماعت تحت اخوۃ عامہ اور عالمگیر برادری کے رنگ میں قائم کیا گیا ہو تاکہ وہ انسان جو اپنی جبلت سے بعضکم لبعض عدوٌ کے مصداق ہیں

اس نظام اجتماعی کے مخصوص دائرہ میں ان المؤمنون اخوۃ اور عمومی دائرہ میں اشھد ان الناس کلھم اخوۃ کے مصداق بن جائیں اور اس طرح ہلاکت سے بچکر بقار و دوام کے مالک بن جائیں اور یہ ظاہر ہے کہ نظام اجتماعی نہ فوضویت اور بھیڑ کا نام ہے نہ ڈکٹیٹری کا بلکہ امارت شورائیہ عادلہ کا نام ہے کہ اُسی نے یہ مقاصد ماضی میں بھی پورے کئے ہیں اور وہی مستقبل میں بھی پورا کر سکتی ہے۔ لا یصلح اخر ھذہ الامۃ الا بما اصلح اولھا (مقولہ امام مالک)

علم واخلاق (۲) یا مثلاً آسمانی بادشاہت میں جو علوم مدار کار ہیں اُن میں علم ذات وصفات الٰہی کو اصل قرار دیا گیا ہے جسے علم شرائع کہتے ہیں اور علم صنائع کو اُس کا تابع اور وسیلہ رکھا گیا ہے جسے علم طبائع کہتے ہیں۔ چنانچہ ملائکہ شرائع کو اُونچا قترار دیا گیا ہے کہ جبریل سید الملائکہ ہیں جو حامل وحی ہیں اور ملائکہ طبائع کو جو باد و باراں نور و ظلمۃ رزق و حظوظ وغیرہ پر مقرر ہیں اُن سے کم درجہ رکھا گیا ہے۔ کہ وہ علم ادنیٰ کے حامل ہیں اسی طرح خلافت میں علی الاطلاق کمال وہی ہو گا جو علوم شرائع سے پیدا ہو کہ وہ ہی مقصود اصلی اور تہذیب نفس کے لئے قوام زندگی ہے علوم طبائع اور مادہ کی ذات وصفات سے متعلقہ علوم مثلاً سائینس فلسفہ ریاضی ہیئتہ معاشیات اقتصادیات وغیرہ سے حاصل شدہ کمال کو علی الاطلاق کمال نہ کہا جائے گا بلکہ جس حد تک وہ مقصود میں معین ہو کمال سمجھا جائے گا اور جس حد تک مقصود سے کٹ کر استقلالی شان پیدا کرے اور مخل مقصود ہونے لگے وبال سمجھا جائے گا۔ پس اسلامی امارت میں انسانوں کی رفعت وپستی کا معیار علوم شرائع اور

تہذیب نفس ہوں گے نہ کہ علوم طبائع اور آزادیٔ نفس پس یہاں فلسفی کو اقتدار نہ ملے گا۔ بلکہ عارف کو ملے گا۔

ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون۔	کیا علم والے اور جہل والے برابر ہوتے ہیں۔

پھر ایسے ہی یہاں آلٰہیات کے آثار تقویٰ و پرہیزگاری دیانت و راستبازی شفقت و خیر خواہی اور ایثار و ہمدردی وغیرہ باعث سربلندی، و مقبولیت ہوں گے جن سے عالم میں سعادۃ و برکت پھیلتی ہے۔ نہ کہ طبعیات اور مادیات کے آثار خود غرضی۔ نفاق و شقاق مکر و چالاکی ڈپلومیسی اور عیاری وغیرہ جن سے دنیا میں نحوست و بے برکتی پھیلتی ہے۔

نمائش سے گریز

(۳) ایسے ہی آسمانی بادشاہت میں مظاہر شوکت تخت و تاج عبا و قبا، خزائن و دفائن باغات و جنات وغیرہ۔ سامان کر و فر سب ہی کچھ ہیں مگر معنویت کے رنگ میں ہیں نہ کہ نمائشی رنگ میں ہیں۔

ایسے ہی خلافت میں بنیادی چیز نمائش نہ ہوگی۔ بلکہ معنویت و حقیقت ہوگی۔

یہاں امیر کا تاج سونے چاندی اور موتیوں کا نہ ہوگا بلکہ فضل و کمال کا ہوگا۔ امیر کا تخت یاقوت و زمرد کا نہ ہوگا بلکہ معمولی فرش اور چٹائی کا ہوگا یعنی مسند تمکین و وقار ہی اُس کی اصل مسند ہوگی۔ یہاں ایوانِ امارت اور شاہی قلعے قیمتی پتھروں کے نہ ہوں گے بلکہ خانہ خدا کی چہار دیواری کی صورت میں ہوں گے۔ یہاں عبا و قبا لباس تقویٰ ہوگا نہ کہ ریشم و کتاں۔

یہاں اُمراء و خلفاء کا ذاتی جوہر ہوسناکی نہ ہوگا بلکہ غنا و صبر جو آسمانی

بادشاہ کا کمال ہے۔ یہاں اصل مقصود روٹی اور سود بٹہ سے تکاثر اموال نہ ہوگا بلکہ استقلال کے ساتھ اصل مقصد خدا پرستی اور حق وصداقت کی اشاعت ہوگا۔ غرض خلیفہ وخلافت اصلی شہنشاہ اور اس کی حقیقی شوکت کے انداز پر ہوں گے کہ حسبنا عزۃ الاسلام (مقولہ فاروقی ہے)

بے تکلفی (۴) آسمانی بادشاہت کی ہر صنعۃ وحرفۃ فطری ہے نہ کہ بناوٹی اور نمائشی ایسے ہی خلافت میں بھی تصنع وبناوٹ اور تکلف کا پرداز ہو گا کہ۔ مثلاً لفظی ہمدردیاں بہت ہوں اور دلوں میں نفاق بھرا ہوا ہو تعمیروں پہ بورڈ حق وصداقت کے لگے ہوئے ہوں اور اندر فواحش ومنکرات کا جماؤ ہو۔ اوپر سے ٹیپ ٹاپ ہو اور اندر کچھ نہ ہو دفتری اور کاغذی تشکیلات کی بھرمار ہو اور واقعیت ندارد ہو۔ مسل میں نمائشی انصاف کے مزین الفاظ ہوں اور واقعہ میں انصاف کا خون ہو۔ غرض گندم نمائی وجو فروشی اس امارت کے خمیر میں نہیں ڈالی گئی۔ وما انا من المتکلفین اور اتقیاء امتی براء من التکلف۔

فتح قلوب (۵) آسمانی بادشاہت کا سکہ دلوں پر چلتا ہے جیسا کہ ثابت ہوا۔ خلافت میں بھی صرف اجسام ہی فتح نہیں کئے جاتے بلکہ قلوب وارواح فتح کئے جاتے ہیں۔ اور اس حکومت کا تسلط دلوں پر ہوتا ہے۔ ان اللہ لا ینظر الی صورکم واموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم۔

ہمہ گیری (۶) آسمانی حکومت عالمگیر ہے جس سے کائنات کا کوئی گوشہ خالی نہیں خلافت عامہ بھی مقامی یا محدود الوطن یا محدود القومیت نہیں بلکہ

ہمہ گیر ہے۔ لا یبقی علی ظھر الارض بیت مدر ولا وبر الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز عزیز وذل ذلیل۔

عدم منافرت | (۷) آسمانی بادشاہت منافرۃ باہمی پھیلا کر حکمرانی نہیں کرتی بلکہ متضاد عناصر کو جوڑ کر اُن کو پروان چڑھاتی ہے خلافت کی اساس بھی محبت والفت باہمی ہے منافرت باہمی نہیں بشروا ولا تنفروا یسروا ولا تعسروا و تطاوعا ولا تختلفا۔

مرکزیت خواص | (۸) آسمانی بادشاہت میں عوام خواص کے تابع ہیں اور کثرتیں وحدتوں کی طرف لوٹ رہی ہیں حتیٰ کہ آخری مرجع الامر وحدۃ الوحدات اور علت العلل ذات بابرکات خداوندی ہے۔ غرض یہاں اتباع کا کارخانہ عموم سے خصوص کی طرف چلتا ہے نہ کہ برعکس خلافت میں بھی خواص عوام کے تابع یا اُن کے کارندہ نہیں بلکہ اُن کے مربّی اور متبوع ہیں یہاں رائے عامّہ حکمرانی نہیں کرتی بلکہ قانون حق یہ قانون حق جن کے سینوں میں ہو وہی خواص کہلاتے ہیں ان میں سے امیر کے انتخاب میں عوام کی رائے بواسطۂ خواص ضرور معلوم کی جائے گی لیکن قیام نظم عوام کی جزئی آراء پر نہ ہوگا بلکہ قانون حق پر۔ ولو اتّبع الحق اھواءھم لفسدت السمٰوات والارض۔

نصب العین کی صداقت | (۹) آسمانی بادشاہت میں حکومت ذریعہ عیش اور وسیلہ حرص وہوا نہیں بلکہ واسطۂ ربوبیت ہے خلافت میں بھی امارت ذریعہ تربیت وتکمیل بشریت ہے۔ اَلّذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ۔

رعایت طبائع | (۱۰) آسمانی بادشاہت میں ہر نفس پر بقدر وسعۃ بار ڈالکر رحمت

عامہ کا ثبوت دیا گیا ہے خلافت میں بھی قانون شرعی کی اساس نفوس بشریہ کی طبعی سہولت وتیسیر پر رکھ کر مسامحۃ عامہ کا ثبوت دیا گیا ہے بعثت بالحنیفۃ السھلۃ السمحۃ البیضاء لیلھا ونھارھا سواء۔

طریق انتخاب خواص | (۱۱) آسمانی بادشاہت میں خواص کے انتخاب کا معیار عبادت وقرب اور مقبولیت عند اللہ ہے خلافت میں بھی رسائی اور سربلندی کا معیار اتباع حق اور محبوبیت عند اللہ ہے نہ کہ عوام کا ووٹنگ اور کشاکشیٔ الیکشن۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

نامزدگیٔ حق | (۱۲) آسمانی بادشاہت میں مقربین خاص ومصاحبین باختصاص یا انتخاب حق (نامزدگی) سے چنے جاتے ہیں یا اپنی نیازمندی اور کثرۃ عبادت سے مقرب ہو جاتے ہیں خلافت میں بھی مقربین خلافت رسمی طور پر کسی الیکشن سے نہیں چنے جاتے بلکہ قوۃ وتقویٰ وتقدس سے من جانب اللہ دلوں میں گھر کر کے مرجع خلائق بن جاتے ہیں۔ اللہ یجتبی الیہ من یشاء ویھدی الیہ من ینیب۔

مرجع الامر کی وحدۃ | (۱۳) آسمانی بادشاہت میں ہر چیز کا آخری مرجع تنہا ذات حق ہے۔ خلافت میں بھی ہر علم وعمل کا محور ومرکز ذات وصفات حق اور کمالات الٰہی ہونگے۔ وان الیٰ ربک الرجعیٰ۔

یہ چند نمونے بطور مثال کے عرض کئے گئے اس انداز سے ہزاروں اصول اور بھی مستنبط ہو سکتے ہیں جو سماوی بادشاہت اور خلافت میں ہم آہنگی اور یکسانی لئے ہوئے ہیں۔

خلاصۂ کلام

بادشاہت اور خلافت کا بنیادی فرق

بہرحال اُصول ہوں یا فروع اوصاف ہوں یا احوال امارت شرعیہ یا خلافت کلیتہً آسمانی بادشاہت پر منطبق اور اس کا نمونہ ہے یعنی خلافت کوئی رسمی بادشاہت نہیں بلکہ اصلاح خلق اللہ میں حق تعالیٰ شانہ' کی نیابت اور قائمقامی ہے۔ اس لئے خلافت کو نہ رسمی بادشاہتوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے اور نہ اُن کے مروجہ طریقوں سے اُسے حاصل کیا جا سکتا ہے دنیا اگر اسلامی حکومت کا نام لے کر ملوکیت کی حکمرانی قائم کرنے کی سعی کرے گی تو اس سے وہ خدا کو دھوکہ نہیں دے سکتی بادشاہت اور خلافت کے اصول و فروع اور مقاصد و نتائج میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ فرق اور بونِ بعید ہے۔

قیام امن کے لئے خلافتی طرز اور بادشاہی طریقہ میں کھلا فرق

دنیا کی رسمی بادشاہتوں کا زیادہ سے زیادہ نیک مقصد اگر اتفاق سے ہو جائے عالم آفاق میں امن و سکون قائم کرنا ہو سکتا ہے تاکہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کر سکے۔ قوی ضعیف کو ستانے سے رعایا کا جان و مال اور آبرو محفوظ رہے معاملات میں دخل فصل نہ ہو دنگے اور فساد بند ہو جائیں اور اہل حقوق کو اُن کے حقوق صحیح طور پر پہنچتے رہیں۔ لیکن خلافت کا نصب العین صرف عالم آفاق ہی کا امن و چین نہیں بلکہ دراصل عالم انفس کا امن و چین اُس کا نصب العین ہے جس سے پورے عالم میں اصلی اور حقیقی امن و چین قائم ہوتا ہے۔

خدائی حکومت میں اخلاق کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے

کیونکہ آفاقی چور اور ڈاکو اتنے خطرناک نہیں جتنے انفس کے چور ڈاکو یعنی نفس و شیطان خطرناک ہیں جو اخلاق و ایمان پر چھاپہ مارتے ہیں نیز خدا اور بندے کے درمیان راستہ میں جو عبودیت اور اخلاق ربانی کا راستہ ہے زبردست رکاوٹ ہیں اور ظاہر ہے کہ اعمال کا فساد اخلاق کے فساد کے تابع یعنی عالم آفاق کا فساد حقیقتاً عالم انفس کے فساد کے تابع ہے پس اگر جبری طور پر بادشاہی قوۃ سے ظاہری بدعملی کو روک بھی دیا جائے مگر قلوب میں اخلاقی فساد بدستور قائم رہے تو ممکن نہیں کہ عالم آفاق میں حقیقی امن و سکون قائم ہو جائے۔ مثلاً اگر قلوب میں حرص و طمع کا غلبہ ہے تو چوری ڈکیتی کا ظہور ناگزیر ہے اگر قلوب میں ہوسناکی اور شہوت پرستی کا زور ہے تو فحش اور زناکاری کا ہونا ضروری ہے اور قلوب میں غفلت و قساوۃ کا طوفان موجود ہے تو ناشائستہ اور غیر مہذب افعال کا ظہور یقینی ہے اگر قلوب میں جہالت و حماقت رچی ہوئی ہے تو جاہلانہ حرکات اور احمقانہ باتوں اور مخلوق کی ایذا رسانیوں کا صدور لامحالہ ہو گا کیونکہ ان تمام ظاہری افعال کا ظہور عالم انفس ہی کے اخلاق بد سے ہوتا ہے جب تک اخلاق میں گندگی موجود ہے گندہ افعال سے کلی طور پر بچاؤ اور اُن کے انسداد کی کوئی صورت نہیں۔ قانونی دباؤ یا سیاسی طاقت سے اگر ظاہر میں کسی فعل بد کو جبری طور پر روک بھی دیا جائے تو جب تک اُس کا مادہ قلب میں موجود ہے کبھی بھی ان افعال کا انسداد نہیں ہو سکتا اور اس لئے بد اخلاقی کے ہوتے ہوئے کبھی بھی حقیقی اور پائیدار امن عالم میں قائم نہیں

ہو سکتا۔ لیکن اگر قلوب میں سے حرص و طمع ذوق فحش و منکر مذاق غفلت و قساوہ رنگ جہل و حماقت نکل جائے یا مغلوج ہو جائے تو اس ذوق سے متعلقہ اعمال خود ہی مغلوب اور مغلوج ہو کر رہ جائیں گے۔ پس خلافت الٰہی نہ صرف بدکاریوں کو روک ہی دیتی ہے بلکہ دلوں سے اُن کا ذوق بھی مٹا دینا چاہتی ہے جو تربیت اخلاق کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے خلافت الٰہی کے نظام کی غرض و غایت مخلوق کو محض افعال بد سے بازہی رکھنا نہیں بلکہ اخلاق بد کا مادّہ نکال کر لوگوں کے نفوس کا تزکیہ کرنا بھی ہے تاکہ دنیا پاک نفوس سے آباد ہو کر پاکی کا گھرانہ بن جائے اور ہر ہر شخص کے دلمیں بدی سے نفرت بھی پیدا ہو جائے اور نیکی کی طرف اُس کا قلبی میلان بھی بڑھ جائے اس لئے خلافت کا نظام جہاں افعال پر پہرہ بٹھلائے گا وہیں اخلاق کی نگرانی کا بھی ذمہ دار ہو گا۔ وہ صرف بازاروں اور درباروں ہی کو نہیں دیکھے گا بلکہ گھروں اور خانگی معاملات میں بھی اس طرح داخلت کریگا جیسے ایک مُربی اور شفیق باپ اپنی اولاد کے معاملات میں اخلاقی قوۃ سے دخیل ہو کر اُن کے دلوں اور اخلاق کی اصلاح کرتا ہے۔ کیونکہ یہ خلافت ملوکیت نہیں جس کی حکومت صرف اجسام پر ہوتی ہے بلکہ بالواسطہ حکومت ربانی ہے جس کی حکمرانی قلوب و ارواح پر بھی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ظاہر و باطن پر یکساں حاکم و متصرف ہو گی۔ بہر حال سلاطین کی مساعی اگر وہ نیک نیت ہوں صرف اجسام اور ظواہر کی اصلاح تک محدود ہے اور خلفاء کی جدو جہد ارواح و قلوب تک کی اصلاح تک پہونچی ہوئی ہوتی ہے۔

قیام امن کا اسوۂ حسنہ

یہی وجہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (جو اکمل ترین خلیفۂ ربانی ہیں)، جہاں چوری زنا قتل وغیرہ پر حدود و تعزیرات جاری فرماتے تھے وہیں آدھی آدھی رات اُٹھ کر رعایا کے احوال نفوس اور اُن کے ذکر اللہ اور یاد الٰہی کی بھی نگرانی فرماتے تھے مثلاً صحابہ میں سے کس نے تہجد پڑھا اور کس نے نہیں پڑھا۔ اور کس نے کس طرح پڑھا اور کس نے کس انداز سے کون اپنے لیل و نہار کس طرح گذرتا ہے اور کون کس طرح؟ ذرا بھی کسی کی معاشرت اور اخلاق پر شبہ ہوتا تو فوراً اُس کا معالجہ اور اصلاح و تربیت فرمائی جاتی تھی۔ غرض ملوکیت کی بنیاد ظواہر پر ہے اور خلافت کی ظاہر و باطن دونوں پر ہے جس میں باطن اصل ہے اور ظاہر اُس کے لئے وسیلہ۔ سلاطین صرف جسمانی راحت اور امن و سکون کی فکر میں رہتے ہیں اور خلفاء الٰہی روحانی لذات اور ابدی راحتوں کی تکمیل کے لئے تمام اجسام اور جسمانیات کو خادم اور وسیلہ بناتے ہیں۔

سلاطین کی محدود اور خلفاء کی حکومت کو سیع

اس لئے سلاطین تو اجسام کے ظاہری کرّ و فر اور نمائشی جاہ و جلال میں منہمک رہتے ہیں اور خلفاء الٰہی کے یہاں ظاہر کی سادگی اور بے تکلفی کے ساتھ باطنی عز و وقار اخلاقی متانت و سنجیدگی اصل سمجھی گئی ہے وہاں طلائی اور نقرئی تاج اور کتانی عبا زیب جسم ہوتا ہے اور یہاں جامۂ صفاتِ کمال اور تاج علم و معرفۃ کا لباس زیب روح ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلاطین کی نظر چونکہ صرف ظاہر پر ہوتی ہے اس لئے اُنکا اختراعی قانون بھی صرف ظاہری ضوابط پر ہی مشتمل ہو سکتا ہے کہ نہ وہ باطن

کے نشیب و فراز کو جانتے ہیں نہ اُس کا قانون بنا سکتے ہیں لیکن خلافت کے معنی جب کہ ظاہر و باطن اور سِر و علانیہ دونوں کی اصلاح کے ہیں اس لئے خلافت کا قانون اختراعی کبھی نہیں ہو سکتا بلکہ اسی ذات کی تجویز سے مرتب شدہ ہو سکتا ہے جو عالم السِرّ والعلانیہ ہے اور شہود و غیوب پر یکساں نظر رکھتا ہے یعنی مالک الملک جل مجدہٗ وعز اسمہٗ۔

قانون سازی حقیقتاً انسان کے بس میں نہیں

اسی لئے خلافت کے سلسلہ میں تقنین (قانون سازی) کا حق غیر اللہ کو نہیں دیا گیا کہ وہ اس جامع قانون کے بنانے پر قادر ہی نہیں ہے کہ علم بھی اُس کا جامع نہیں۔ البتہ خلفاء کو جو آلہی قانون کی پیروی سے اپنی فطرتوں کو مستنیر اور نورانی بنا چکے ہیں۔ اور قانون آلہی اُن کا اوڑھنا اور بچھونا بن گیا ہو قانون سے استنباط و قیاس کا ضرور حق ہے جب کہ اُنہیں اُس کی شرائط پائی جاویں۔ ورنہ وضع قانون کا اُنھیں کوئی حق نہیں۔

بہر حال حقیقی امن و سلامتی اصلی تہذیب و شائستگی حقیقی انسانیت انسدادِ جرائم اور تکمیل فضائل دنیا میں صرف قانون آلہی کی حکومت اور اُس کے زیر اثر زندگی گذارنے سے ممکن ہے کہ اُسی سے آسمانی بادشاہت کا نمونہ قائم ہو سکتا ہے ورنہ ملوکیت کا رنگ جتنا تیز ہوتا جائے گا جس کے معنے انسان پر انسان کی حکومت کے ہیں۔ اُسی حد تک دنیا کی بد امنی اور بے چینی ترقی کرتی جائے گی۔

خلاصۂ بحث

حکومت الٰہی کے پندرہ دروازے

لیکن یہ صرف اس صورت سے ممکن ہے کہ قانون الٰہی کو پوری زندگی یعنی اعتقادی عملی اور کاروباری زندگی میں جاری کیا جائے اُسے محض ایک مذہب یا روحانیت محضہ کی نگاہ سے نہیں بلکہ ایک ایسے دستور زندگی کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے جو مہد سے لے کر لحد تک پھیلا ہوا اور انسان کی حیاۃ پر چھایا ہوا ہو۔ جس کی تفصیل سابقہ ابواب میں گذر چکی ہے۔ اُن تمام تفصیلات کو سمیٹ کر اگر خلاصہ کیا جائے اور نوعی طور پر یہ دیکھا جائے کہ اُصولاً وہ کون سے عملی ابواب زندگی ہیں جن پر قانونِ ربانی کی حکومت کا عمل ہوتا ہے تو وہ کل پانچ نوعیں نکلیں گی۔

اعتقادات[1]۔ عبادات[2]۔ معاملات[3]۔ سیاسیات[4]۔ اخلاق[5]۔ پھر انہیں سے ہر ایک نوع کے نیچے تین تین اقسام ہیں اور اس طرح زندگی کے تمام اُصولی پہلوؤں کا نقشہ پندرہ اقسام پر مشتمل نکلے گا جس کی تفصیل یہ ہے۔

اعتقادات کے سلسلہ میں تین قسمیں ہیں۔ ایک ذات[1] وصفات الٰہی کے بارہ میں اسلامی تعلیمات کے مطابق اعتقاد رکھنا۔ دوسرے انبیاء[2] و ملائکہ اور رجال غیب کی صحیح نوعیت کو پہچاننا اور ماننا۔ اور تیسرے معاد[3] حشر و نشر۔ اور جنت و نار وغیرہ کے بارہ میں صحیح عقیدہ رکھنا۔ یعنی مبداء۔ معاد۔ اور نبوات کے متعلق صحیح اور مستند فکر و اعتقاد۔ عبادات کے سلسلہ میں بھی تین قسمیں ہیں۔ عبادات[1] بدنی جیسے نماز۔ روزہ۔ تلاوت قرآن مجید۔ اذکار۔ دعوات۔

درود شریف وغیرہ۔ دوسرے عبادات مالی جیسے زکوٰۃ۔ صدقات۔ وقف بنائے مساجد و مہمان سرائے۔ و خانقاہ و مدارس و پل و چاہ وغیرہ۔ تیسرے وہ عبادات جو بدن اور مال دونوں سے مرکب ہوں جیسے حج۔ عمرہ جہاد۔ اقامت اعیاد وغیرہ۔

معاملات کے سلسلہ میں بھی تین قسمیں نکلتی ہیں۔ ایک وہ معاملات جن میں عبادت ہونے کی شان بھی پائی جاتی ہے جیسے نکاح خدمت والدین۔ پرورش اولاد۔ ہمسایوں کے حقوق۔ غلاموں کے حقوق۔ ہم نشینوں اور دوستوں کے حقوق۔ مہمانوں کے حقوق۔ اقارب و اعزہ کے حقوق وغیرہ۔ دوسرے وہ معاملات جن میں عبادت ہونے کی شان نہیں گو نیت نیک سے باعث اجر و ثواب بھی ہوتے رہیں۔ جیسے بیع و شرا۔ اجارہ۔ رہن شرکت وکالت۔ کفالت۔ اکراء۔ (کرایہ پر جائداد اٹھانا) احیاء موات۔ (بنجر زمینوں کو زراعت وغیرہ کے کام میں لینا) وغیرہ تیسرے وہ معاملات جن میں ایک گونہ تبرع و احسان اور حسن سلوک کی شان پائی جاتی ہے جیسے ہبہ۔ قرض۔ اقراض۔ مضاربت۔ (یعنی تجارت میں ایک کی مالی اور دوسرے کی عملی شرکت۔ وغیرہ۔

سیاسیات کے سلسلہ میں بھی تین قسمیں نکلتی ہیں اول ایسے سیاسی اُمور جن میں عبادۃ ہونے کی شان بھی پائی جاتی ہے جیسے کفارات کفارۂ دروغ حلفی۔ کفارۂ قتل۔ کفارۂ روزہ شکنی۔ کفارۂ ظہار (جیسے بیوی کو ماں بہن سے تشبیہ دیدینا) کفارۂ جماع بحالت حیض وغیرہ۔ دوسرے ایسے سیاسی اُمور

جن میں سیاستہ محضہ پائی جاتی ہے جیسے تعزیرات۔ قصاص حدود سزائے زنا۔ سزائے شراب خواری۔ سزائے سرقہ۔ سزائے ڈاکہ زنی۔ سزائے گالم گلوچ وغیرہ۔ تیسرے ایسے سیاسی اُمور میں جن میں سیاستہ کے ساتھ معاملہ ہونے کی شان بھی پائی جاتی ہے جیسے دیۃ۔ ضمان (تاوان) وغیرہ۔ اخلاق کے سلسلہ میں بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک اخلاق وہ ہیں جس کا تعلق اللہ سے ہے جیسے توکل اعتماد۔ رضا و تسلیم۔ تفویض اور محبت وغیرہ۔ دوسرے وہ اخلاق ہیں جن کا تعلق مخلوق سے ہے جیسے ایثار۔ سخاوۃ شجاعۃ۔ جود و کرم۔ احسان۔ نصیحت۔ خیر خواہی۔ خدمت خلق اللہ، شفقت اور سہولت وغیرہ۔ تیسرے وہ اخلاق ہیں جن کا تعلق خود اپنے نفس سے ہے جیسے قناعت۔ زہد صبر استغنار۔ (خلوۃ پسندی)۔

اُصولاً انسانی زندگی کے یہ کل پندرہ گوشے ہیں جن سے آدمی کی زندگی باہر نہیں جا سکتی۔ خیال و فکر پر اعتقادات حاوی ہیں عمل پر عبادات۔ معاملات اور سیاسیات حاوی ہیں۔ اور مواد ملکات باطن پر اخلاق حاوی ہیں اور جب ایک انسان کے فکر۔ عمل اور خلق کے راستہ سے قانون الٰہی کی حکومت داخل ہو کر اُس پر مستولی ہو جائے جس سے نہ دل کے گوشے بچے ہوئے رہیں نہ اعضاء بدن کے حرکات و سکنات الگ رہیں اور نہ دماغ کی جولیں یکسو رہیں تو اس صورت میں اُسے فطری حکومت یا خدائی حکومت کی رعایا شمار کرنے میں کوئی تامل نہ کیا جائے گا۔ ورنہ ترک عبادۃ و اخلاق کے ساتھ محض سیاسیات میں انہماک یا ترک معاملات و ادائے حقوق کے

ساتھ عبادت و اخلاق میں انہماک یا ترک اعتقاد کے ساتھ سیاستہ وعبادۃ کا شغل یا ان سب اُمور میں برابر کے انہماک کے ساتھ طریق عمل کا تصنع اور بناوٹ یعنی خدائی قانون سے الگ ہو کر خود ساختہ اُصول و قوانین کی تحت زندگی بسر کرنا گویا خلاف قانون زندگی اُسے فطری حکومت کی رعایا نہیں بنا سکتی۔ بلکہ وہ مصنوعی اور بناوٹی حکومت کا ایک فرد کہلائے گا جو خدائی حکومت کا مجرم ہوگا۔ اور اگر اس پر بھی وہ خدائی حکومت کی رعیت ہونے کا اعلان کرتا رہے گا تو اُسے حکومت غیر کا جاسوس سمجھا جائے گا جس کیساتھ معاملہ ویسا ہی کیا جائے گا۔

بہر حال فطری حکومت میں داخل ہونے کے یہ پندرہ دروازے ہیں۔ جو ہم نے آخر میں بطور خلاصہ کے کھولدیئے ہیں۔ اور یہی اس حکومت کی رعایا ہونے کی علامت بھی ہیں جن سے خدائی رعیت باوّل نگاہ پہچانی جاسکتی ہے۔ پھر ان دروازوں تک پہونچا دینے والے دلائل راہ جن کی روشنی میں راستہ طے کر کے دروازہ تک پھر دروازہ سے اندرون قصر تک اور پھر اُس سے آگے خود بادشاہ کی ذات اعلیٰ تک رسائی ہو جائے سات ہیں۔ کتاب و سنتہ۔ و اجماع و قیاس و استصحاب و تعامل و اباحتہ اصلیہ۔ اگر ان میں سے کوئی دلیل راہ نہ بنے تو نہ اس فطری حکومت کی سڑک نظر پڑ سکتی ہے نہ دروازے نہ قصر شاہی اور نہ بادشاہ مطلق کی ذات بابرکات اس لئے بطور خلاصہ فطری حکومت کے قانون حکومت کی سات قسمیں اور وظائف رعایا کی پندرہ قسمیں نکل آتی ہیں جن سے انسانی زندگی کا کوئی گوشہ

باہر نہیں جا سکتا۔

خلافت کے سوا کسی مصنوعی نظام میں سُکھ میسر نہیں آسکتا۔

بہر حال اس بحث سے یہ واضح ہو گیا کہ دنیا میں قیام امن کا طریقہ سلطنت اور بادشاہیت نہیں ہے بلکہ خلافت ہے جس کا نام فطری حکومت ہے۔ شاہیت کی دنیا اس نقطہ تک تو آ گئی ہے کہ شاہیت اور ڈکٹیٹر شپ باعث امن وصلاح نہیں بلکہ باعث بے چینی و فساد ہے۔ اس لئے دنیا کی اکثریت شاہیت اور ڈکٹیٹر شپ کے مٹانے کی فکر میں جدوجہد کر رہی ہے۔ لیکن اس سے ہٹ کر ابھی وہ خلافت تک نہیں پہونچ سکی ہے بلکہ جمہوریت کے نام پر عوامی حکومت کے عنوان تک آسکی ہے۔ حالانکہ ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ اول تو جمہور کی موجودہ رنگ کی حکومت خود ایک مستقل فساد ہے۔ جو ڈکٹیٹر شپ سے بھی زیادہ بدتر ہے بلکہ ایک بدترین قسم کی منافقانہ ڈکٹیٹر شپ ہے کیونکہ اس صورت میں جمہور کا نام لے کر شخصیتیں اپنی اغراض پوری کرتی ہیں جس میں ڈکٹیٹری کے علاوہ نفاق اور دھوکہ دہی بھی شامل ہے۔ اور اگر جمہوریت اصطلاحی جمہوریت ہی ہو تو وہ پارٹی سسٹم پر مشتمل ہے جو ڈکٹیٹر شپ سے زیادہ مہلک عذاب اور بدامنی واضطراب کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ کہ اس میں کسی وقت بھی جماعتوں کی کشاکشی کے سبب امن وسکون قلب میسر نہیں آسکتا۔ اس لئے شاہیت سے ہٹ کر منافقانہ ڈکٹیٹری۔ اضطراب آفرین لامرکزیت اور یا پھر استبدادی مرکزیت کسی میں بھی قلوب کو چین اور دنیا کو سکھ نہیں مل سکتا۔ بالفاظ دیگر جب تک انسان کی حکومت انسان پر ہو گی خواہ وہ کسی بھی صورت میں ہو اور جب تک انسان کے

اختراعی قوانین کا تسلط انسان پر رہے گا خواہ وہ کتنے ہی متین اور معقول پیرایوں میں ہو اور اس وقت تک انسان انسان سے عافیت میں نہیں رہ سکتا انسانی عافیت کی ایک ہی صورت ہے کہ انسان انسان سب برابر ہوں اور انسانیت سے بالاتر طاقت کے نیچے مساویانہ زندگی بسر کریں۔ تاکہ اُنکے قلوب کا رُخ ایک دوسرے کی طرف سے ہٹ کر صرف اپنے حقیقی مرکز کی طرف جُھک جائے جس کی طرف جھکنے ہی سے ان کا نفسانی فساد مٹ سکتا ہے اور رحمانی جذبہ ان میں اُتر سکتا ہے اور اُس طرح آدمی آدمی کے لئے باعث رحمت و امن کا بن سکتا ہے۔

مباحث کلام کا نچوڑ

الحاصل یہ زبوں حال اور بد مآل دنیا اُس وقت تک امن و سلامتی کا مُنہ نہیں دیکھ سکتی جب تک اس عالمگیر نظام اجتماعی کو قبول نہ کرے۔

(۱) جس کا دستور اساسی مذکورہ سات اُصول پر مبنی ہو جن کو ہم نے سبع سنابل کے عنوان سے واضح کیا ہے۔

(۲) جس کی راہ کے دلائل مذکورہ سات حجتیں ہوں۔ جو خلاصہ میں گنائی گئی ہیں۔

(۳) جس کی کاروباری اور عملی زندگی مذکورہ پندرہ نقشوں میں منضبط ہو جن کو قریبی اوراق میں کھولا گیا ہے۔

(۴) جس کے اوصاف و احوال آسمانی بادشاہت کے سے ہوں۔

(۵) جس کے نظام کی توسیع اخوۃ۔ مساواۃ۔ عدل اور باہمی شفقت و محبت کی بنیادوں پر ہو۔ جن کو اس آخری فصل میں بعنوانات مختلفہ نمایاں کیا گیا ہے۔

کہ اس کے بغیر نہ اس شہنشاہ حقیقی کی حکومت کا نقشہ دنیا کی آنکھوں کے سامنے آسکتا ہے نہ ہی اس کے ساتھ عقیدت کیشی اور وفاداری کے جذبات وابستہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی امن حقیقی اور سکون قلبی کی بشاشتیں دلوں میں بھر سکتی ہیں۔

خلافت ظاہرہ کا قیام خلافت باطنہ پر موقوف ہے

مگر یہ ظاہر ہے کہ اس صالح ترین نظام اجتماعی کا نقشہ اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک اس نقشہ کے مطابق صالح ترین افراد کا قوم میں ظہور نہ ہو جس کے قلوب اس نظام کو چلانے کیلئے بے چین اور مستعد ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ قلوب میں یہ استعداد صلاحیت تصفیۂ قلوب اور تزکیۂ نفوس کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی۔ اور جب کہ اسی تصفیۂ باطن اور تکمیل اخلاق کا نام خلافت باطنہ ہے تو واضح نتیجہ نکل آتا ہے کہ خلافت ظاہرہ (یعنی فطری حکومت) کا قیام بغیر خلافت باطنہ کے استوار نہیں ہو سکتا چنانچہ قرن اوّل کی خلافت راشدہ کے قیام کے لئے بھی خلافت باطنہ ہی اول قائم کی گئی۔ یعنی مکہ کی تیرہ سالہ زندگی خلافت باطنہ کی استواری کی تھی جس میں صحابۂ کرام کے قلوب و نفوس مانجھ کر صاف کئے گئے اور انھیں اخلاقی رنگ سے صلاح و اصلاح کے راستہ پر ڈالا گیا۔ اس کے بعد مدینہ کی دس سالہ زندگی خلافت ظاہرہ (یعنی فطری حکومت) کے ظہور کی تھی۔ جو

ظاہری اقتدار کے ساتھ چمکی اور ہمہ گیر ہو گئی۔ پس خلافت کے سلسلہ میں وطیرۂ طبعی یہی ہے کہ اوّل عالم النفس میں تغیر و انقلاب پیدا کر کے خلافت باطنی قائم کی جائے جو اخلاق ربانی کی صورت سے نمودار ہو گی۔ پھر بطور ثمرہ و تفریع عالم آفاق میں خلافت ظاہری قائم کی جائے جو بصورت بادشاہت نمایاں ہو گی۔ غرض تمکین فی الارض کے لئے تمکین فی النفس لازمی ہے۔ ورنہ روح کے بغیر ڈھانچہ ایک لاشہ ہوتا ہے جس کا انجام بقاء و استحکام نہیں بلکہ پراگندگی و انتشار ہے۔

خلافت باطنہ کے چار بنیادی اصول

ہاں پھر خلافت باطنہ کے چار اصول ہیں جن سے خلافت ظاہری کی ابتداء کی جاتی ہے۔ اولاً تلاوۃ آیات۔ تاکہ اُس کتاب مبین سے دلچسپی اور اُس کی طرف رجوع پیدا ہو جو خلافت الٰہی کی روح لے کر آئی ہے۔ دوسرے تعلیم کتاب جس سے وہ رُوح قلوب میں رچ جائے اور انسان میں علم و معرفۃ کی معنویت پیدا ہو اُسے اچھے بُرے کی تمیز آجائے۔ وہ وساوس و تخیلات کے بجائے حقائق و وقائع حجۃ و برہان پر اپنے ہر کام کی بنیاد قائم کر سکے۔ تیسرے تزکیہ جس سے دلوں میں سے زیغ و کجی اور نفسانیت کے شیطانی اور بہیمی جذبات مغلوب و مقہور ہو جائیں فہم میں استقامت آجائے۔ اور جو کہا جاوے اُسے صحیح صحیح سمجھنے کی اہلیت دل میں پیدا ہو جائے۔ چوتھے اتباع اسوۂ حسنہ اور حکمت کی پیروی جس سے عمل کا راستہ سیدھا رہے بھٹکنے کے احتمالات کا سد باب ہو جائے جس سے قلب میں تردد اور تذبذب نہ آنے پائے بلکہ ایک لازوال یقین اور شرح صدر کی کیفیت راسخ ہو جائے۔ ان

چاروں اُصول سے قلب کو خدائے برتر سے نسبتہ ومناسبتہ پیدا ہوگی جس سے
باطنی طور پر آدمی خلیفہ الٰہی بن جائے گا اور اس سے خلافتہ ظاہرہ کی بنیاد پڑ جائیگی
اسی لئے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ فرائض یہی چار
اُمور قرآن کریم نے ذکر فرمائے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں اُن ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو اُن کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور انکو پاک کرتے ہیں اور انکو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں اور یہ لوگ پہلے سے کھلی گمراہی میں تھے۔

بالآخر خلافت باطنہ کی یہ صالح جماعۃ تیرہ ۱۳ سال میں پیدا ہوئی اور اس نے
خلافت ظاہرہ کو آفاق میں پھیلا دیا۔ پس

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة لمن کان یرجو اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا۔

تم لوگوں کے لئے یعنی ایسے شخص کے لئے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔

پس چار اُصول خلافت باطنہ کے نکل آئے اور ۲۹ اُصول خلافت
ظاہرہ کے سلسلہ میں ہم نے ابھی گنائے ہیں اس لئے اب تمام مباحث کا
نچوڑ ۳۳ اُصول میں آجاتا ہے جن پر خلافت باطنی اور خلافت ظاہری یعنی
فطری حکومت کی تعمیر کھڑی ہوئی نظر آتی ہے۔ اور ایک طالب صادق کے لئے
بلاشبہ اس میں قناعت اور سیری ہے۔ وباللہ التوفیق۔
بہر حال ہمارے اس طویل مضمون سے فطری حکومت کی حقیقت۔ اُسکے

اجزاءِ ترکیبی۔ اُس کی غرض وغایت اُس کی پالیسی اُس کا کروفر اور حشم وخدم اُس کے لوازم سلطنت۔ اُس کا ماٰخذ اُس کا نظری اور عملی انضباط اُس کا موقوف علیہ اور مدار وغیرہ سب تفاصیل سامنے آجاتی ہیں اور تمہید میں آسمانی بادشاہت کی تشریح کے سلسلہ میں جو وعدے کئے گئے تھے وہ بحمد اللہ وفا ہو گئے

خاتمۂ کلام سے پہلے چند زبان زد شبہات کی ضروری حد تک تفصیل اور اُن کے جواب کی مختصر تقریر ضروری ہے۔ تاکہ مسئلہ کے تحقیقی پہلو کے ساتھ اُس کا مناظرانہ پہلو بھی واشگاف ہو جائے۔ اور اس طرح مسئلہ کے مثبت اور منفی دونوں پہلو سامنے آجائیں۔

اقامۂ خلافت پر بعض سطحی اعتراضات اور اُن کا جواب

عموماً یہ شبہ کیا جاتا ہے کہ فی زمانہ خلافت کا قیام ناممکن ہے تو پھر ایک ناممکن کی سعی کیوں کیجائے؟ جواب یہ ہے کہ اول تو اُس کے ناممکن ہونے کی کوئی دلیل نہیں دی جاتی بجز اظہار استبعاد کے دوسرے یہ کہ اگر وہ ناممکن ہے تو قرن خیر میں اُس کا وقوع کیسے ہوا۔ حالانکہ وقوع دلیل امکان ہے۔ البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ خلافت کا قیام ٹھیک ٹھیک اُس منہاج پر ہونا عادۃً ناممکن ہے جس پر وہ قرن اول میں قائم تھی۔ تو اس حد تک یہ شبہ صحیح ہے۔ لیکن اس کا مطالبہ کب ہے کہ خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کی جائے۔؟ بلکہ جس طرح آج کی خلافت باطنہ ہے اُسی طرح کی خلافت ظاہرہ بھی ہو سکتی ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ آج کا نماز و روزہ اور ذکر اللہ صحابہ و تابعین جیسا ہے آج کی توجہ الی اللہ اور خلوص و صداقت کلتعام صحابہ کے مقامات جیسا ہے۔ لیکن باوجود اس کے ان اُمور کی فرضیت

بھی قائم ہے اور اُن پر عمل کرنے والے عمل بھی کر رہے اور قطعاً اُس کے ناممکن ہونے کی بحث نہیں آتی اسی طرح خلافت ظاہرہ کو بھی سمجھ لینا چاہیئے۔ مقصد یہ ہے کہ نقش قدم نہ چھوڑا جائے رفتار خواہ ویسی نہ ہو۔ پھر یہ کہ خلافت نبوۃ کا قیام اس دور میں جب کہ مادیت اور دہریت نے دنیا کی ارواح کو چرلیا ہے بیکدم بیکدم ناممکن ہے۔ تدریجاً ہی اُس کے مقامات طے ہو سکتے ہیں۔ اس لئے معترض عموماً یہ سمجھکر اعتراض کرتے ہیں کہ اُس کی تحریک کرنے والے گویا آج کی تاریخ میں اُسے مکمل صورت میں قائم کر دینا چاہتے ہیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ موجودہ زمانہ کی ضروریات ایسے نہج پر آگئی ہیں کہ خلافت کے رنگ کی سلطنت بھی قائم ہونی محال ہے سوال یہ ہے کہ زمانہ کی ان ضروریات کے سلسلہ میں ایک تو موجودہ زمانہ کی ڈپلومیسی اور ظلم و فساد اور مکر و خدع ہے جو سلطنتوں کا ایک جزو اعظم بن گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ نہ وہ ضروری ہے اور نہ مفید و مناسب۔ اُس سے خود سلطنتیں بھی تنگ آچکی ہیں سو اُسے ضروریات میں شمار کر کے قیام خلافت اور اقامتہ دین کے ناممکن ہونے پر استدلال کرنا ہی ایک غلط اقدام ہے۔ ورنہ یہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آج معاصی اور مظالم کی کثرۃ اور شیوع عام دیکھ کر کوئی یہ کہدے کہ آج اسلام کا قیام ہی محال ہے اس لئے اُس کی تبلیغ بھی کیوں کی جائے۔؟ کیونکہ وہ نیکی سکھلائے گا اور آج زمانہ میں نیکی کی گنجائش ہی نہیں ہے مگر ظاہر ہے کہ یہ استدلال نہیں بدی اور بدکاری سے مرعوبیت ہے۔ ہونا تو یہ چاہیئے کہ آج کے پُرفتن دَور میں جبکہ شر کا غلبہ ہے خیر کی تبلیغ اور بھی زیادہ ضروری ہے نہ کہ اُس کے ناممکن کہہ

جانے کی وجہ سے تبلیغ خیر کو خیر باد کہدیا جائے۔ یہی صورت اقامۃ دین اور قیام خلافت کی بھی سمجھ لینی چاہیئے۔

خاتمۂ کلام

بہرحال جو لوگ اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے من مانے منصوبوں کو بروئے کار لا سکتے ہیں خواہ وہ کتنے ہی بڑے منصوبے کیوں نہ ہوں تو وہ خود خدا کے تبلائے ہوئے فطری اصول کو کیوں بروئے کار نہیں لا سکتے جن کی خوبی مسلمۂ کل ہے۔ پس اگر اقتدار پیدا کر لینا ناممکن نہیں تو اُس اقتدار کو کسی فطری اور پاکیزہ راستہ پر ڈالدینا اور وہ بھی بتدریج آخر کیوں ناممکن ہے۔ ہاں اگر وہ دل ہی ذوق معصیت سے پُر ہو جائے اور وہ ذوق طاعت کو گوارہ نہ کرے یا ناممکن بتلائے تو یہ قلب کی ایک کجی ہے جسے اُصول کا پردہ ڈال کر چھپانا نامناسب ہی نہیں ایک قسم کا خدع ہے۔ ع

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ہزار ہیں

اللہ تعالیٰ توفیق کو رفیق فرمائے۔ دلوں میں ذوق طاعت اور حلاوت ایمان پیدا فرمائے۔ اپنی مرضیات پر چلائے۔ ہوائے نفس اور اغوائے شیطانی سے پناہ دے۔ علم الٰہی کو مشعل راہ بنائے۔ طریق سنتہ کو راستہ بنا دے۔ اور اُس پر گامزن ہونے کا جذبہ قلوب میں استوار فرمادے۔ آمین۔ والحمد للہ اولاً آخراً۔

محمد طیب غفرلہ مہتمم دار العلوم دیوبند
۲۳ شعبان ۱۳۶۸ھ

اِدارۂ تاج المعارف

زیر سرپرستی فخرالاماثل حضرت مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

دیوبند میں یہ تصنیفی ادارہ اکابر کی ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے۔ ادارہ نقش اول کے طور پر حضرت سرپرست مدظلہ کی عظیم الشان تصنیف "فطری حکومت" پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ نقاش کے نقش اول میں خامیاں ناگزیر ہیں۔ ارباب مطالعہ ونظر دوران مطالعہ میں اگر ادارہ کو طباعۃ وکتابۃ کی اغلاط پر مطلع فرمائیں تو دوسرے اڈیشن میں ان کو دور کرنے کی سعی کی جائے گی۔

اس کتاب کے فوراً بعد ادارہ حضرت سرپرست مدظلہ کے نادر ونایاب علمی مقالات کو کتابی شکل میں بنام "مقالات طیبات" پیش کر رہا ہے۔ یہ مقالات انشاء اللہ عنقریب منازل طباعۃ وکتابۃ سے گذر کر آپ کے ہاتھوں تک پہنچ جائینگے ادارہ کے عزائم ومقاصد کو علیحدہ شائع کیا جارہا ہے تاکہ جو حضرات اُسے طلب فرمائیں وہ تفصیلی پروگرام سے واقف ہوسکیں۔

ادارے کے سلسلے میں مفید مشورے بھی ادارے کے ساتھ ایک بڑا تعاون ہے جس کی ناظم ادارہ کو آپ سے پیش از پیش امید ہے۔

محمد سالم قاسمی

ناظم ادارۂ تاج المعارف دیوبند - (یو - پی)

۱۴ اگست ۱۹۴۹ء